خطباتِ محمود
جلد اوّل
حقیقتِ توبہ
فوائدِ صحبت
تاثیرِ ذکر
تزکیۂ نفس
صلوٰۃ وسلام ہونے کیلئے نظر آنا ضروری نہیں
مذمتِ کبر
حقیقتِ شکر
ذکر، نسبت، اجازت
اکابر کا علمی دینی ذوق
ماہِ مبارک اور قبولیتِ دعا
فسادِ حبِ مال اور اس کا علاج
جذبۂ انتقام اور معافی
ایمان، تقویٰ، صدق
اصلاحِ قلب
حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صفائے قلب
حقیقتِ بدعت
مراتبِ علم
تفسیر سورۂ ناس
قصہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام
اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
دعا حضرت مرشدی مدظلہ
حضرت مولانا مفتی
محمود حسن
گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ
ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان
www.ahlehaq.org

خطبات محمود

از

مفتی اعظم ہند

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

نور اللہ مرقدہ

خلیفہ ارشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

مرتب

مولانا محمد فاروق

(ہند)

ادارہ تالیفات اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان فون: 40501 - 540513

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

عرضِ ناشر

الحمدللہ ادارہ کو پہلی دفعہ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ جو ہندوستان میں "مواعظ فقیہ الامت" کے نام سے قسط وار شائع ہوئے ہیں ان کو "خطباتِ محمود" کے نام سے پاکستان میں شائع کر رہا ہے۔ اس پہلی جلد میں پہلی اور دوسری قسط آگئی ہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس سے قبل فتاویٰ ۱۵ جلدوں میں چھپ کر مقبول ہو چکے ہیں۔

اللہ پاک ہمارے اس سعی کو قبول فرمائیں، اور دارین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دیں۔

احقر محمد اسحاق عفی عنہ

انشاء اللہ مزید جلدیں طبع کرانے کی کوشش کریں گے

فہرست مضامین "خطباتِ محمود"

عنوان	صفحہ

عرضِ مرتب

ارباب جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل اور گجرات کے دوسرے محبین و مخلصین کی مسلسل کئی سالوں سے خواہش و درخواست اور مظاہر علوم کے اختلاف و انتشار کی بنار پر ۱۴۰۶ھ کا رمضان المبارک فقیہ الامت جامع الشریعت والطریقت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم مفتی اعظم ہند نے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی مسجد میں گذارا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ہندوستان کی عظیم ترین اسلامی درسگاہوں میں سے ایک ہے اور بعض خصوصیات کے اعتبار سے انفرادی شان کا حامل ہے، وہاں کی ہر چیز سے حسنِ باطنی کے ساتھ حسنِ ظاہری قلب کو فرحت و سرور بخشتا اور آنکھوں کو دعوت نظارہ دیتا ہے، دلکش و دلفریب عمارتیں، صفائی ستھرائی، سلیقہ، حسنِ تعلیم و تربیت، سادگی، جذبۂ خدمت، حسنِ انتظام وہاں کی خصوصیات میں ہیں۔ جو ارباب انتظام کے ذوقِ صحیح فطری حسن، اور انکی خداداد صلاحیتوں کی عکاس و ترجمان ہیں۔ فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رح، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم و یگانۂ روزگار شخصیتوں نے وہاں قیام فرماکر جامعہ کو زینت بخشی اور وہاں کی رفعت و عظمت کو چار چاند لگائے ہیں۔

عارف باللہ، حقیقت آگاہ شیخ طریقت فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب (ادام اللہ ظلال برکاتہم علینا وعلیٰ سائر الناس) کے ماہِ مبارک میں وہاں قیام فرمانے کی وجہ سے سینکڑوں طالبین و مسترشدین پروانہ وار جمع ہو گئے۔ علماء و مفتیان، شیوخ، کثیر تعداد میں تھے، علماء و مفتیان و شیوخ کی اتنی بڑی تعداد ایک وقت میں ایک جگہ بمشکل نظروں نے کبھی دیکھی ہو گی۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کو بلکہ پورے ہی گجرات کو ایسا روحانی منظر شاید اول مرتبہ دیکھنا نصیب ہوا ہو۔ ہندوستان کے تقریباً پندرہ صوبوں (گجرات[۱]، مہاراشٹر[۲]، پنجاب[۳]، یوپی[۴] بہار[۵]۔ مغربی بنگال[۶]۔ ہریانہ[۷]، ہماچل پردیش[۸]، کشمیر[۹]، ایم پی[۱۰]۔ اڑیسہ[۱۱]، تامل ناڈو[۱۲]۔ کرناٹک[۱۳]، آندھرا پردیش[۱۴]، راجستھان[۱۵]) اور بیرونِ ہند (پاکستان، بنگلہ دیش، جنوبی افریقہ برطانیہ، ری یونین، زمبیا، پناما، ٹرینیڈاڈ۔ کناڈا) کے حضرات نے اعتکاف میں شرکت کی۔ عشرۂ اولیٰ میں معتکفین کی تعداد تقریباً ۲۷۵۔ عشرۂ ثانیہ میں تقریباً ۳۰۰، عشرۂ ثالثہ میں تقریباً ۴۰۰ رہی۔ یومیہ آنے جانے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے جو بعض دفعہ کئی سو تک ہو جاتی اور بعض دفعہ ہزار سے بھی متجاوز ہو جاتی۔ جو تراویح، اور حضرت دام مجدہ کے بیان میں شرکت یا صرف حضرت دام مجدہم کے بیان میں شرکت کیلئے قرب و جوار اور بہت سے پچاس ساٹھ میل کا سفر کر کے آتے اور بیان میں شرکت کر کے چلے جاتے، کاروں، آٹو رکشاؤں کی بعض دفعہ اتنی کثرت ہوتی کہ مسجد سے باہر کشادہ صحن اسٹینڈ سا معلوم ہونے لگتا۔ غرض کہ عجیب بہار تھی کہ رحمتِ خداوندی کھلی آنکھوں برستی معلوم ہوتی تھی۔ مدرسہ خانقاہ بنا ہوا تھا، اور اس کو موسوم بھی "خانقاہ محمودیہ" سے کیا جاتا تھا۔

خانقاہ محمودیہ کے معمولات اور نظام الاوقات کی ایک جھلک

سحر میں ڈھائی بجے بیدار کر دیا جاتا، اخیر رمضان میں تقریباً سوا دو بجے بیدار کیا جاتا۔

جو حضرات بیدار کرنے پر مقرر تھے وہ سونے والوں کا ہلکے سے پیر دبانے یا پیر پر ہاتھ رکھتے اور سونیوالا اٹھ کھڑا ہوتا۔ چند منٹ میں سب بیدار ہو جاتے نہ آواز ہوتی، نہ شور، نہ الارم بجایا جاتا نہ اعلان کیا جاتا، بتی روشن کر دی جاتی جس کو شب میں تقریباً بارہ بجے حضرت دام مجدہ کے بیان کے چند منٹ بعد بند کر دیا جاتا تھا۔ ہر شخص استنجا، وضو سے فارغ ہو کر نوافل میں، تلاوت میں مشغول ہو جاتا۔ ادھر منتظمین کیجانب سے اڑھائی بجے ہی تقریباً دستر خوان بچھا دیا جاتا اور برتن لگا دیئے جاتے۔ اور اعلان کر دیا جاتا، مہمان حضرات دستر خوان پر تشریف لے آئیں۔ کھانا شروع ہو جاتا جو حضرات ہاتھ دھلانے پر مقرر تھے وہ بہت خوشدلی اور مستعدی سے ہاتھ دھلاتے۔ اسی طرح جو حضرات کھانا لانے اور پانی لانے پر مقرر تھے سب خوبصورتی اور خاموشی کے ساتھ اسکو انجام دیتے۔ آواز، شور بالکل نہ ہوتا۔ کھانے، چائے سے فارغ ہوتے رہتے۔ اور نوافل، تلاوت، دعا میں مشغول ہو جاتے۔ ساڑھے تین بجے یا پونے چار بجے عموماً سب فارغ ہو جاتے اور تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ یہ منظر بھی عجیب پر کیف منظر ہوتا۔ نماز فجر اول وقت ہوتی اور اول وقت فارغ ہو کر سونے کا وقت ہوتا، اندر کے حصہ کی بتی بند کر دی جاتی اور سب سو جاتے کچھ حضرات اس وقت بھی تلاوت کرتے اور وہ باہر برآمدہ میں بیٹھ کر تلاوت کرتے تاکہ سونیوالوں کو اذیت نہ ہو، وہاں روشنی جلتی رہتی، سونے کا یہ وقت دس بجے تک ہوتا کہ اصل سونے کا وقت یہی ہوتا تھا۔ دس بجے سے قبل کسی کو بیدار نہ کیا جاتا۔ البتہ از خود حسب توفیق بیدار ہو کر مشغول ہوتے رہتے، کوئی آٹھ بجے کوئی نو بجے کوئی اور آگے پیچھے بیدار ہوتے اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر نوافل و تلاوت میں مشغول ہو جاتے، دس بجے سب کو بیدار کر دیا جاتا اور سب استنجا، وضو سے فارغ ہو کر مشغول نوافل و تلاوت ہو جاتے۔ ساڑھے گیارہ بجے سے بارہ بجے تک کتاب پڑھ کر سنائی جاتی، فضائل رمضان، اکابر کا رمضان، الاعتدال فی مراتب الرجال کا کچھ حصہ

اس مجلس میں ہوا۔ بعدہٗ ظہر سے آدھ، پون گھنٹہ پہلے تک تلاوت کا سلسلہ رہتا کہ ظہر سے آدھ پون گھنٹہ قبل کچھ حضرات کچھ اور آگے پیچھے استراحت فرماتے اور اذان ظہر سے قبل اٹھ کھڑے ہوتے، اذان پر سب اٹھ جاتے، نماز ظہر سے فارغ ہوکر آیت کریمہ کا ختم ہوتا بعدہٗ اجتماعی دعا ہوتی، بعدہٗ ذکر بالجہر کی مجلس ہوتی، اثناء ذکر میں کسی پر ذوق وشوق میں سرور و مستی کی کیفیت غالب ہوتی اور دنیا و مافیہا سے بے خبر وفارغ ہوکر ذکر میں مشغول ہوتا، کسی پر گریہ و بکاء کا غلبہ ہوتا کہ ذکر بھی دشوار ہوتا، غرض کہ مختلف کیفیات کا حسب حال ظہور ہوتا، اور سخت سے سخت قلب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اور ؎

اس میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں

کا مصداق ہوتا۔ قبیل عصر یہ مجلس ختم ہوتی۔ عصر بعد حضرت دام مجدہم کی مجلس ہوتی۔ جس میں ارشاد الملوک بعدہ اکمال الشیم پڑھ کر سنائی گئی۔ مغرب سے پندرہ منٹ قبل تقریباً کبھی اور کم و بیش یہ مجلس ختم ہوتی اور سب حضرات دعاء، تلاوت، مراقبہ وغیرہ میں حسب ذوق مشغول ہوجاتے، ادھر منتظمین حضرات افطار کے لئے دسترخوان بچھا دیتے اور افطاری کا سامان دسترخوان پر سلیقہ و قرینہ سے لگا دیا جاتا اور افطار سے ۵ منٹ قبل تقریباً اعلان ہوتا "مہمان حضرات دسترخوان پر تشریف لے آئیں" سب حضرات دسترخوان پر پہنچ جاتے، افطار کے وقت زبانی اعلان ہوتا، کبھی صرف اذان پر اکتفا ہوتا۔ گھنٹی یا نقارہ کا دستور نہیں تھا۔ افطار اطمینان سے ہوتا اس کے بعد نماز ہوتی۔ نماز کے بعد دسترخوان بچھ جاتا اور اعلان کردیا جاتا، بہت سے حضرات مختصر نفلیں پڑھ کر دسترخوان پر آجاتے اور کھانے سے فارغ ہوکر بقیہ نفلیں پوری کرتے۔ بہت سے نفلیں پوری کرکے کھانا کھاتے۔ کھانے کے بعد چائے کا بھی اہتمام ہوتا، سحر و افطار ہر موقعہ پر میزبان حضرات کی سخاوت و فیاضی کا خوب ظہور ہوتا، مختلف انواع ماکولات و مشروبات کی جمع ہوتیں ہر ہر مہمان کی دلداری بلکہ نازبرداری کیجاتی۔ کوئی کسی خاص چیز کی خواہش و فرمائش کرتا

اس کو حتی الامکان پورا کیا جاتا گو یہ خواہش و فرمائش ان کے منصب (کہ مہمان تھے اور طالب و سالک) کے خلاف تھی اور حصول مقصد میں حائل و مانع۔ خدام کو ہدایت تھی کہ کسی مہمان کو شکایت نہو، اسکی پوری کوشش ہو، خدام اس کا بہت خیال رکھتے اور بخوشی سب خدمات انجام دیتے۔

عشاء بعد کے معمولات سے فراغت پر ۱۲ بجے تقریباً رفقاء کار آپس میں مذاکرہ کرتے کہ کسی مہمان کو کسی کے رویہ سے شکایت تو نہیں ہوئی۔ کسی کے بارے میں معلوم ہوتا۔ اسکے احتساب ہوتا باز پرس ہوتی۔ اور اس مہمان سے معافی مانگی جاتی اور تدارک کی کوشش کیجاتی، کوئی بیمار ہوتا اس کے لئے پرہیزی کھانیکا انتظام کیا جاتا اسکی تیمارداری میں کسر نہ چھوڑی جاتی۔ مختلف المزاج اتنے بڑے مجمع کی رعایت کوئی آسان چیز نہ تھی کہ کوئی روٹی کھانیوالا کوئی چاول، کوئی مرچ کا کھانے والا ہے کوئی بے مرچ۔ کوئی دودھ کا عادی کوئی چائے کا۔ مگر فیاض و کریم میزبان حضرات کی پوری کوشش ہوتی کہ ہر وقت سب مہمانوں کی مرغوبات دسترخوان پر جمع ہوں اور کسی کو کوئی کبیدگی اور ملال نہو۔ مگر اس سب کے باوجود بعض مہمانوں کو شکایت بھی ہوئی اور ان کے اپنے ذہن میں جو اپنا مرتبہ ومنصب تھا اور اپنے کو جس اکرام کے مستحق سمجھتے تھے، میزبانوں کے برتاؤ کو اس سے کمتر سمجھ کر دل برداشتہ ہو کر درمیان میں ہی واپس ہوگئے۔ میزبان حضرات یا ان کے رفقاء سے کسی کے خلاف مزاج بات پیش آنا کوئی بعید نہیں کہ آخر وہ بھی انسان ہیں اور اتنے بڑے مجمع کے مزاجوں کی رعایت بھی دشوار ہے مگر تعجب تو ان حضرات پر ہے کہ جو اپنے نفس کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کے لئے یا اکتساب فیض اور تحصیل کمالات کے لئے صفاء قلب و باطن کے لئے خانقاہ میں حاضر ہوئے ہوں اور پھر اپنے اکرام واحترام کی طلب ہو اپنے اعزاز کی خواہش ہو اور وہ بھی اپنے مزعوم کے مطابق ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

احقر کے ایک مخدوم کرم فرما (جو قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے متعلقین میں ہیں اور ماہ مبارک میں اکثر مہمانوں کے طعام کا انتظام ان کے سپرد ہوتا تھا) نے سُنایا ہے کہ کچھ خصوصی مہمان جو دیکھنے میں اچھے اہل علم معلوم ہونے تھے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مجھ سے کان میں فرمایا "پیارے ان کے لئے پلاؤ وغیرہ کا اچھا انتظام کرنا چونکہ پلاؤ کھانیکے علاوہ کچھ اور ان کا منشاء نہیں۔"

گجرات جاتے ہوئے سفر کے دوران ٹرین ہی میں خواب دیکھا۔

• مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم کسی جگہ تشریف فرما ہیں احقر بھی حاضر ہے دستر خوان لگا ہوا ہے مختلف قسم کے کھانے پھل وغیرہ موجود ہیں حضرت مولانا دامت برکاتہم نے خاص تاثر کے ساتھ احقر سے فرمایا،

"لوگ انہیں چیزوں میں لگے رہتے ہیں جو اصل مقصد ہے اسکی طرف توجہ نہیں کرتے"

(یہی الفاظ تھے یا اس کے قریب قریب)۔ خواب کی مراد ظاہر ہے محتاج تعبیر نہیں گو سب مہمان ہی خصوصی تھے اور سب کے لئے ہی خاص اہتمام ہوتا تھا جو اپنے خاص مہمانوں کے لئے بھی کم ہوتا ہے مگر پھر بھی خواص کے لئے دستر خوان الگ بچھتا جس پر وہی حضرات شریک ہوتے جن کو میزبان حضرات شریک کرنا چاہتے اور ان سے فرما دیتے یا سمجھتے کہ یہ مخدوم العلماء حضرت مفتی صاحب دام مجدہم کے اخص الخواص ہیں انکو فرما دیتے کہ تم کو یہاں کھانا کھانا ہے گو وہ حضرات اپنے کو اس سے بہت کمتر سمجھتے تھے کہ ان کو خواص کے دستر خوان پر شریک ہونیکی سعادت نصیب ہو مگر میزبان حضرات کے حکم کی تعمیل میں شریک ہوتے۔ اس دستر خوان پر کھانا وہی ہوتا جو دوسرے دسترخوان پر ہوتا مگر میزبان حضرات اپنے گھروں سے بعض مخصوص چیزیں بنوا کر لاتے رہتے جو مزید ہوتیں۔ حضرت اقدس دام مجدہم کیطرف سے کسی قسم کا کوئی اشارہ

نہ ہوتا کہ کس کو شریک کریں کس کو نہ کریں جیسا کہ حضرت دام مجدہم کا مزاج مبارک ہے یہ سب میزبان حضرات کی صوابدید پر ہوتا۔ البتہ قطب الاقطاب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مجازین حضرات کے بارے میں (جو وہاں موجود تھے) حضرت دام مجدہ کی خواہش ہوتی کہ وہ اس دسترخوان پر شریک ہوں۔ بعض لوگوں کو اس پر اشکال ہوا کرتا ہے کہ بعض مہمانوں کے ساتھ کھانے میں خصوصیت اور امتیاز کا معاملہ کیا جائے یہ ناواقفیت کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ تو میزبان کو اختیار ہوتا ہے کہ جس مہمان کو جو کھانا چاہے کھلائے، جس دسترخوان پر چاہے کھلائے، کسی کو کوئی اعتراض کا حق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہاں مختلف دسترخوان ہوتے تھے اور ان پر مختلف قسم کے کھانے ہوتے تھے اور حسب صوابدید مہمانوں کو ان دسترخوانوں پر بٹھایا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک سائل آیا اس کو روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ پر دے دیا گیا۔ دوسرا سائل آیا تو اس کو دسترخوان بچھا کر کھانا کھلایا۔ اس فرق و امتیاز کی وجہ سے جب ان سے پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا امرنا ان ننزل الناس علےٰ منازلھم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ انکے مقام و مرتبہ کے مناسب برتاؤ کیا کریں۔

غیر معتکف مہمانوں کے لئے مسجد کے صحن میں کہ جو گجرات میں عموماً خارج مسجد ہوتا ہے دسترخوان بچھتا ۔ وہیں معتکف حضرات کے لئے ہاتھ دھلانے کا انتظام تھا وہ بھی اس طرح کہ پانی صحن میں نہ گرے بلکہ باہر جائے۔ ہاتھ دھلانے کیلئے ٹین کی چادر سے خاص طور پر بنایا گیا تھا جو صحن مسجد میں رکھا جاتا اور اس میں نالی کے ذریعہ مسجد سے باہر پانی بہتا رہتا، اور صحن مسجد بھی ملوث نہ ہوتا۔

ساڑھے نو بجے نماز عشاء ہوتی، تراویح میں عشرۂ اولیٰ میں ایک قرآن پاک ختم ہوا جو تین حافظوں نے سنایا، ہر حافظ ایک پارہ سناتا ۱۱ بجے عموماً تراویح سے

فراغت ہوتی۔ عشرۂ اولیٰ کے بعد اخیر تک بعض مصالح اور ضعفاء کی رعایت کرتے ہوئے صرف ایک ختم ہوا۔

تراویح سے فراغت پر لیٹس شریف کا ختم ہوتا، پھر اجتماعی دعا ہوتی۔ اس وقت اجتماعی دعا کا سلسلہ ۲۰ رمضان تک رہا، بعد میں یہ سلسلہ موقوف ہو گیا اور اس وقت کے بجائے بیان کے بعد اس کا وقت رکھا گیا۔ دعا بعد صلوٰۃ و سلام کی چہل حدیث ہوتی۔ ایک شخص پڑھتا اور پورا مجمع سنتا۔ اس کے بعد حضرت اقدس مفتی صاحب دام مجدہم کا بیان ہوتا، سیدھے سادھے الفاظ ہوتے مگر آبدار موتیوں کی طرح صاف ستھرے، نہ واعظوں جیسا جوش ہوتا نہ آواز سخت اور تیز ہوتی، نہ تکلف و تصنع کا ذرا شائبہ۔ تحریر کی طرح تقریر میں بھی کلمات بہت مختصر ہوتے مگر جامع گویا مغز ہی مغز ہوتا اور متن ہی متن۔ تاثیر اس درجہ ہوتی ؎

از دلِ خیزد بر دل ریزد

کا پورا مصداق ہوتا۔ محسوس ہوتا کوئی چیز قلوب میں انڈیلی جا رہی ہے اور دنیا کی محبت قلب سے نکال کر اللہ پاک کی محبت اور آخرت کی رغبت بھری جا رہی ہے کبھی اخلاص کا بیان ہوتا کبھی اخلاق حسنہ کے حصول کا طریقہ بتایا جاتا۔ اخلاق رذیلہ کے مضرات کو بتایا جاتا اور ان کو اعتدال پر لانے کے گر بھی تعلیم کئے جاتے، کبھی نفس و شیطان کے حیل و مکائد سے آگاہ کیا جاتا، اتباع سنت کی اہمیت کبھی بھائی جاتی تو کبھی اشاعت دین کی عظمت کو بتایا جاتا۔ احسان و تصوف کی حقیقت سے کبھی باخبر کیا جاتا تو کبھی نسبت و یادداشت سے روشناس کرایا جاتا۔ غرض کہ وعظ کیا ہوتا روحانی مطب ہوتا ؎

کبھی یہ شعر زبان پر بے اختیار جاری ہو جاتا ؎

کر غور ذرا دل میں ترا کچھ جلوہ گری ہوگی ؛ یہ شیشہ نہیں خالی دیکھا اسمیں پری ہوگی

جس قلب کی گرمی نے دل پھونکدیئے لاکھوں ؛ اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی

ایک شب احقر نے خواب دیکھا کہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ وعظ فرمارہے ہیں اور اخلاق حسنہ و اخلاصِ نیت پر بیان فرمارہے ہیں احقر کی آنکھ کھلی تو حضرت قاسم العلوم والخیرات کے ارشاد فرمودہ چند جملے احقر کو یاد تھے۔ خواب کی تعبیر تو تعبیر جاننے والے حضرات ہی جانتے ہیں حضرت اقدس مفتی صاحب زید مجدہم سے خواب بھی عرض نہ کرسکا کہ حضرت دام مجدہم تعبیر ارشاد فرماتے احقر کی سمجھ میں یہ آیا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے علوم و معارف حضرت فقیہ الامت دام مجدہم کی زبان مبارک سے بیان ہورہے ہیں اور حضرت فقیہ الامت کی طرف قاسم العلوم والخیرات کی روحانیت متوجہ ہے۔ نیز خواب سے حضرت فقیہ الامت دام مجدہم کے مواعظ کی مقبولیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بیان کے بعد حضرت دام مجدہم عشرۂ اخیرہ میں دعا کراتے کبھی بالجہر کبھی بالسر کسی ایک طریق کا التزام نہیں تھا دعا میں بھی سادہ الفاظ ہوتے۔ دعا بالجہر ہوتی یا بالسر مجمع پر گریہ غالب ہوتا اکثر کی ہچکیاں بندھ جاتیں اور بعض کی چیخیں نکل جاتیں ؎

در اندرونِ من خستہ دل ندانم کیست
کہ من خموشم و او در فغان و در غوغا است

دعا شروع ہوتے ہی مجمع کی حالت بدلجاتی بجلی کے مثل کوئی چیز قلوب میں کوندجاتی جو دلوں میں گرمی و رقت پیدا کردیتی اور مجمع کو بے خود بنادیتی ؎

تاثیر برقِ حسن جوان کے سخن میں تھی ؛ اک لغزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

معمولات حضرت فقیہ الامت دام مجدہم

حضرت اقدس دام مجدہم صبح اڑھائی بجے یا اس سے بھی قبل بیدار ہوتے۔ اور نوافل میں مشغول ہوجاتے، طویل نفلیں ہوتیں ساڑھے تین بجے کے قریب عموماً فراغت ہوتی

اور سحری تناول فرماتے جو صرف چند لقمے ہوتے اور پھر نوافل میں مشغول ہو جاتے اذانِ فجر پر
سنت الفجر مختصر پڑھتے، فوراً فرض نماز ہوتی، نماز کے بعد استراحت فرماتے اور سات
ساڑھے سات بجے تقریباً بیدار ہو جاتے، استنجاء، وضو سے فراغت فرماتے اور اشراق
میں مشغول ہو جاتے اسوقت قرأت کافی طویل ہوتی اور نماز میں استغراق اور انقطاع عن
الخلق کی وہ کیفیت ہوتی، گویا، الصلوٰۃ معراج المومنین و مناجات رب العالمین اور فلا تسئل عن حسنہن وطولہن کا پورا
ظہور ہوتا۔ اس ضعفِ پیری و ناتوانی و کثرت امراض (کھڑے ہوتے ہی فوراً عموماً چکر
آتا ہے) کے باوجود نماز میں خدا معلوم کہاں سے یہ قوت آجاتی کہ ضعف کا شائبہ
تک بھی نہ ہوتا۔ ولنعم ما قیل ؎

ہر چند کہ پیر خستہ و ناتواں شدم
ہر گاہ کہ روئے تو دیدم جواں شدم

ولنعم ما قیل ؎

ضعفِ پیری کثرتِ امراض کردش مضمحل
مگر بہر خدمت دین ہمتے دارد جوان

کمالِ خشوع و خضوع کے ساتھ ساڑھے نو بجے تقریباً اشراق سے فراغت ہوتی (اے
کاش اس نماز کا کچھ حصہ احقر اور حضرت والا کے سب خدام کو بھی حاصل ہو جائے) اس کے
بعد ایک دو صاحب کا قرآن پاک سماعت فرماتے تقریباً ۱۰ بجے تک اس کے بعد اہم اور
ضروری خطوط اور فتاویٰ کے جوابات املا کراتے اسی دوران معتکفین میں سے کسی کو
کوئی سوال کرنا ہوتا حضرت جواب ارشاد فرماتے تقریباً ۱۱ بجے تک یہ سلسلہ رہتا۔
۱۱ سے ساڑھے گیارہ تک احقر حضرت دام مجدہم کے مواعظ (جن کو بعض احباب مشین
کی مدد سے لکھتے فجزاہم اللہ احسن الجزاء فی الدارین) احقر ان کو صاف کر کے حضرت دام مجدہم
کو سناتا اور حضرت والا دام مجدہم مناسب ترمیم، حذف، اضافہ فرماتے، ساڑھے گیارہ بجے

کتاب الاعتدال فی مراتب الرجال پڑھ کر سنائی جاتی جس میں تمام معتکفین شرکت فرماتے حضرت والا دام مجدہم اپنے معتکف ہی میں کتاب سنتے اور توجہ فرماتے اور حاضرین کو باہر کتاب میں شرکت کا حکم فرماتے۔ بارہ بجے کتاب ختم ہوتی۔ اس کے بعد کسی کو کوئی خاص مشورہ کرنا ہوتا، کرتا۔ بعض اصحاب یکے بعد دیگرے کوئی کتاب حضرت دام مجدہم سے پڑھتے۔ اذان ظہر کے قریب تک یہی سلسلہ رہتا۔ اذان سے قبل ہی حضرت استنجاء، وضو وغیرہ سے فراغت فرماتے اور سنتوں میں مشغول ہو جاتے، ان چار سنتوں میں بھی قرأت کافی طویل ہوتی اور جماعت کے وقت تقریباً سنتوں سے فراغت ہوتی۔ نماز کے بعد کے معمولات آیت کریمہ کا ختم، بعدہ دعا میں حضرت دام مجدہم شرکت فرماتے اس کے بعد ذاکرین ذکر میں مشغول ہو جاتے اور حضرت دام مجدہم اپنے معتکف میں ذکر میں مشغول ہو جاتے اور ذاکرین کی طرف توجہ فرماتے جس کے اثرات حسب حال ذاکرین محسوس فرماتے، بعض مخصوص احباب نے بیان کیا کہ دوران ذکر محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز قلب میں بھری جا رہی ہے اپنے ذکر کے بعد حضرت دام مجدہم کچھ وقفہ کے لئے استراحت فرماتے جو برائے نام ہی استراحت ہوتی چونکہ استراحت کا وقت دن بھر میں عموماً فجر بعد ہی ہوتا۔ پھر استراحت کا موقعہ نہ ہوتا۔ کچھ دیر بعد ہی مردانہ وار کھڑے ہو جاتے اور استنجاء، وضو سے فارغ ہو کر پھر نفلوں میں مشغول ہو جاتے۔ اذان عصر کے بعد سنتیں پڑھتے جن میں قرات کافی طویل ہوتی اور کبھی یہ سنتیں زیادہ طویل نہ ہوتیں بلکہ مختصر ہوتیں اور سنتوں سے فارغ ہو کر تلاوت میں مشغول رہتے۔ نماز ہوتی، نماز عصر کے بعد پھر عمومی مجلس ہوتی جس میں خود حضرت دام مجدہم شرکت فرماتے۔ غروب سے ۱۵ منٹ قبل تقریباً یہ مجلس ختم ہوتی جس میں کتاب اکمال الشیم اور ارشاد الملوک پڑھی جاتی۔ اس کے بعد حضرت دام مجدہ تلاوت، تسبیح، دعا وغیرہ میں مشغول ہوتے، اس کے بعد افطار

افطار میں ایک فنجان زمزم ایک آدھ کھجور تناول فرماتے فنجان بھی آدھا خود نوش فرماتے اور آدھا خادم خاص مستغنی عن الالقاب محترم مولانا الحاج محمد ابراہیم صاحب مدظلہ وزاد لطفہ افریقی پانڈور کے حوالہ فرماتے۔ چند گھونٹ کوئی شربت بھی نوش فرماتے اور دوسری چیزیں بھی چکھتے۔ گو بظاہر بالکل اخیر تک مشغول رہتے مگر یہ مشغولی محض خدام کی دلداری کے طور پر ہوتی۔ اس کے بعد نماز مغرب ہوتی حضرت دام مجدہم نماز مغرب بعد نوافل میں مشغول رہتے اور اطمینان کے ساتھ نوافل سے فراغت پر کھانے میں شرکت فرماتے یہ شرکت بھی برائے نام شرکت ہوتی۔ آدھی چپاتی شاید ہی بمشکل تناول فرماتے ہوں ورنہ تو کوئی ہڈی چوستے رہتے جس سے معلوم ہو کہ کھانے میں مشغول ہیں۔ کئی سال قبل ایک موقعہ پر ماہ مبارک ہی میں شام کے کھانے کے بارے میں فرمایا تھا۔

"مہمانوں کی رعایت میں بیٹھ جاتا ہوں ورنہ خواہش نہیں ہوتی"

اور واقعہ بھی یہ ہے کہ حضرت دام مجدہم کا زمانہ طالب علمی دارالعلوم میں ہمیشہ اور پھر زمانہ قیام مظاہر علوم تقریباً ۲۵ سال اور زمانہ قیام کانپور تقریباً ۱۴ سال اور پھر ابتداء قیام دارالعلوم ہمیشہ ایک وقت کھانا تناول فرمانے کا معمول تھا اس کے بعد جب مہمانوں کی کثرت مستقل ہوگئی تو انکی رعایت و دلداری میں شام کے کھانے میں شرکت شروع فرمائی۔

کھانیکے بعد ۱۵/۲۰ منٹ استراحت فرماتے اور اذان عشاء پر وضو استنجاء سے فارغ ہو کر قبل عشاء کی سنتوں میں مشغول ہوتے پھر فرض و تراویح ادا ہوتی اس کے بعد یٰس شریف کا ختم پھر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا۔ جس میں حضرت دام مجدہم برابر شریک رہتے اس کے بعد حضرت دام مجدہم کا وعظ ہوتا، آدھ پون گھنٹہ، کبھی کم و بیش۔ حسب ذوق جس کی کچھ کیفیت اوپر گذر چکی۔ بیان کے بعد نئے آنیوالے یا صبح کو جانیوالے مہمانوں کا مصافحہ ہوتا کہ عمومی مصافحہ کا بھی ایک وقت ہوتا تھا۔ دن میں آئے ہوئے مہمان حضرات

اس وقت مصافحہ کرتے اور جو حضرات کل کسی وقت جانیوالے ہیں وہ بھی اسی وقت مصافحہ کر لیتے۔ خواص حضرات دن میں بھی کسی وقت موقع پاکر جب حضرت والا استنجاء وضو کے لئے تشریف لیجاتے آتے جاتے کسی وقت مصافحہ کر لیتے۔ مصافحہ سے فراغت پر حضرت دام مجدہم اپنے معتکف میں تشریف لیجاتے۔ میزبان حضرات کوئی پھل یا کبھی کوئی اسکریم وغیرہ یا کوئی شربت وغیرہ لاتے جس میں میزبان حضرات اپنی صوابدید پر کسی نووارد خصوصی مہمان کو بھی شریک کر لیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض خصوصی حضرات کے لئے انکے اپنے اپنے معتکف پر اس میں سے پیش کیا جاتا۔ جس میں کبھی ۱۲ کبھی اس سے زائد وقت ہو جاتا۔ اس کے بعد حضرت والا دام مجدہم بظاہر استراحت فرماتے کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ سو رہے ہیں ورنہ تو بعض خاص خدام نے لیٹے ہوئے بھی آہستہ آہستہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے دیکھا۔ ان تمام معمولات و مشاغل کے ساتھ ایک قرآن پاک یومیہ ختم فرماتے کہ نصف صدی سے زائد سے ہر ماہ مبارک میں یومیہ ختم کلام کا معمول ہے اللھم متعنا وسائر المسلمین بفیوضہ وارزقنا اتباعہ و ادام ظلال برکاتہ علینا وعلی سائر الناس

احقر کی بھی خواہش ہوئی اور دیگر احباب کا بھی اصرار ہوا کہ حضرت والا دام مجدہ کے مواعظ (جو تراویح بعد ہوتے تھے) اور سالکین کے لئے خصوصاً اور عوام الناس کے کے لئے عموماً بیحد مفید اور قیمتی خزانہ ہے) کو محفوظ کیا جائے اور اشاعت کے ذریعہ ان کے نفع کو عام سے عام تر کیا جائے، بعض حضرات نے مشین کے ذریعہ ان کو منضبط کر لیا اور بعض احباب نے مشین کی مدد سے ان کو کاپی پر نقل کیا۔ خدائے پاک ان سب حضرات کی مساعی جمیلہ کا بہترین بدلہ دارین میں نصیب فرمائے، بیش از بیش اپنا قرب خاص نصیب فرمادے اور دارین کی راحتیں عطا فرمائے، آمین

احقر نے ان کو صاف کرنا شروع کیا اور حضرت والا دام مجدہم سے ان کے سننے کی درخواست کی بعض خصوصی احباب نے احقر کی سفارش اصرار کے ساتھ کی حضرت والا دام مجدہم

نے اس کو منظور فرمالیا۔ اور گیارہ سے ساڑھے گیارہ تک کا وقت عنایت فرمادیا۔
اور بعد میں اس وقت میں مزید توسیع فرمادی کہ ساڑھے دس سے ساڑھے گیارہ بجے تک
کا وقت عنایت فرمادیا۔ احقر سناتا اور حضرت دام مجدہم اور بعض اخص حضرات سماعت
فرماتے اور جہاں مناسب خیال فرماتے کوئی ترمیم (حذف واضافہ) فرماتے، احقر نے
کوشش کی کہ تمام الفاظ جوں کے توں برقرار رہیں تاکہ ان کا لطف واثر قارئین
محسوس فرمائیں۔ البتہ کسی جگہ تکرار ہوا تو اس کو حذف کردیا اور کسی جگہ تکرار کو بھی
فائدہ کے تحت باقی رکھا گیا ہے۔ خواہش تھی کہ ہر چیز کا حوالہ حاشیہ پر لکھدیا جائے
تاکہ جو حضرات مراجعت کرنا چاہیں ان کو سہولت ہوجائے۔ مگر یہ کام دیر
طلب تھا اور احقر کو فوری طور پر فرصت نہ تھی کہ فتاویٰ محمودیہ جلد ثالث ورابع
وخامس کی تیاری زیادہ اہم تھی۔ ادھر احباب کا تقاضہ جلد اشاعت کا تھا، کہ
خطوط کے ذریعہ برابر اصرار ہو رہا تھا اور پوچھا جارہا تھا کہ مواعظ کب تک چھپ رہے
ہیں۔ اس لئے احباب کے شدت اشتیاق واصرار کے پیش نظر مناسب خیال
کیا کہ اس وقت جوں کا توں ان کو شائع کردیا جائے اور حوالجات کا کام کسی دوسرے
موقعہ پر کیا جائے۔ حضرت اقدس الحاج مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مظاہر علوم
سہارنپور کا بھی حکم تھا کہ حوالجات لکھدیئے جائیں لیکن اسوقت فرصت نہ ہونیکی بناء پر حضرت
مدظلہ نے بھی یہی فرمادیا "کہ ابتو اللہ کا نام لے کر اسی طرح چھاپ دو"

اس لئے مواعظ فقیہ الامت کی پہلی قسط پیش کی جارہی ہے۔ اللہ پاک استفادہ
آسان فرمائے۔ اور اس کا افادہ عام و تام فرمائے، اور قبول فرمائے
اور دنیا میں ذریعۂ ہدایت اور آخرت میں ذریعۂ نجات فرمائے
اور حضرت اقدس دام مجدہ کا سایہ بعافیت تام و بفیوض وبرکات
دراز تر فرمائے۔ آمین، آمین، یارب العالمین۔

بجاہ حبیبک سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ
وصحبہ اجمعین
الیٰ یوم الدین
فقط

العبد محمد فاروق عفا اللہ عنہ: خادم جامعہ محمودیہ
نوگزہ پیر، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ شہر!
۷/۲/۱۴۰۷ھ

حقیقتِ توبہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ الآیۃ

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور جب بندہ توبہ کرتا ہے بہت خوش ہوتے ہیں۔

توبہ کا حاصل یہ ہے کہ اپنی خطا پر ندامت ہو۔ افسوس ہو۔ کہ میں نے یہ خطا کی۔ غلطی کی۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ ندامت کی وجہ سے آدمی اللہ کے سامنے درخواست کرے کہ میری کوتاہی۔ گستاخی معاف فرما دیجئے۔

اِس کے واسطے چند چیزوں کی ضرورت ہے۔ خالی زبان سے کہدینا کہ میری خطا معاف کردو میں توبہ کرتا ہوں یہ کافی نہیں۔

کان پور میں میرے ایک دوست کا ایک چھوٹا بچہ تھا جسکی عمر چار برس تھی۔ انہوں نے مجھ سے اس کی شکایت کی۔ کہ یہ بچہ پیسے بہت مانگتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کیوں رے۔ تو پیسے مانگتا ہے۔ اس نے فوراً دونوں ہاتھ سے اپنے کان پکڑے۔ پھر ہاتھ جوڑے۔ میں نے کہا کہ آئندہ تو پیسے نہیں مانگے گا۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ بالکل نہیں۔ اس کے بعد باپ کے کہنی مار کے کہا۔ اب تو پیسے دو۔ اب تو میں نے توبہ بھی کرلی۔

بس جیسی توبہ اس بچہ نے کی ہماری توبہ بھی اسی قسم کی ہوتی ہے۔ کہ لفظِ توبہ بولدیا اور سمجھ گئے کہ سارے منازل طے ہو گئے۔

بعض خطا ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی قضا بھی کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے نماز نہیں پڑھی (تو توبہ کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس نماز کی قضا کرے نماز کی قضا کئے بغیر توبہ کرنا اور کہنا) الٰہی میری توبہ۔ میں نے نماز نہیں پڑھی۔ آئندہ پڑھا کروں گا۔ کافی نہیں۔ بلکہ جن وقتوں کی نماز ترک کی ہے۔ ان کی قضا کرنا ضروری ہے (تب توبہ درست ہوگی)۔

ایسے ہی اگر کسی نے رمضان کے روزے نہیں رکھے تو اس سے توبہ کے لئے روزوں کی قضا بھی ضروری ہے۔ روزوں کی قضا کئے بغیر توبہ کرنا اور کہنا۔ الٰہی میری توبہ۔ آئندہ روزے رکھا کروں گا۔ اتنا کافی نہیں۔

ایسے ہی کسی نے زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ اس کے واسطے توبہ کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ زکوٰۃ ادا کئے بغیر اس کا توبہ کرنا اور کہنا۔ الٰہی میری توبہ۔ آئندہ زکوٰۃ دیا کرونگا کافی نہیں۔

غرض کہ جن احکام و اوامر کی قضا ہو سکتی ہے اور شریعت نے ان کی قضا لازم کی ہے ان سے توبہ کے لئے ان کی قضا بھی کرے اور وقت پر ادا نہ کرنے کی معافی مانگے۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کسی شخص کے ذمّہ مالگذاری یا کوئی ٹیکس یا سرکاری محصول جس کی حد مقرر کر دی گئی ہو کہ فلاں تاریخ تک جمع کر دو۔ اس نے تاریخ پر جمع نہیں کیا دیر ہو گئی۔ اب وہ عدالت میں آکر معافی مانگتا ہے کہ صاحب میں نے ٹیکس وقت پر جمع نہیں کیا۔ معاف کر دو۔ معافی چاہتا ہوں۔ وقت پر ٹیکس جمع نہ کرنے کی تو معافی ہو سکتی ہے لیکن کیا وہ ٹیکس بھی معاف ہو جائے گا۔ نہیں ٹیکس دینا ہی پڑے گا۔

اسی طرح شریعت میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی قضا لازم ہے۔ ان کی قضا کئے بغیر توبہ مقبول نہیں۔

اسی طرح حقوق العباد میں توبہ کے لئے اس حق کی ادائیگی ضروری ہے۔ مثلاً کسی نے کسی کا روپیہ مار لیا اور پھر کہتا ہے کہ میں معافی چاہتا ہوں۔ معاف کر دو۔ میں نے آپکا

روپیہ مار لیا۔ یہ کافی نہیں۔ بلکہ اس کا روپیہ جو ذمہ میں ہے اوّلاً اس کو ادا کرے۔ پھر معافی مانگے۔ کہ میں نے غلطی کی تھی کہ آپ کا روپیہ مار لیا تھا۔ مجھ کو ادا کرنا چاہیئے تھا۔

غرض جیسا گناہ ویسی اس کی توبہ۔ اَلتَّوبَۃُ مِثلُ الحَوبَۃِ جیسا گناہ ویسی توبہ۔ مثلاً گناہ اگر چھپ کر کیا ہے تو توبہ بھی چھپ کر کرلے۔ کافی ہے۔ اور اگر گناہ دو چار آدمیوں کی موجودگی میں کیا ہے تو توبہ بھی دو چار آدمیوں کی موجودگی میں کرے۔ اس صورت میں چھپ کر توبہ کرنا کافی نہیں۔ مثلاً کسی شخص کی غیبت کی۔ برائی کی۔ اور اس کو علم ہے جسکی غیبت کی ہے اس کا تنہائی میں توبہ کرنا کہ میں نے توبہ کی کافی نہیں۔ بلکہ جن لوگوں کے سامنے غیبت کی ہے ان کے سامنے توبہ کرے۔ اور اللہ سے معافی مانگے۔

قرآن پاک میں غیبت کی ممانعت آئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے ۚ

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارا بھائی

اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۚ مرجائے اور اسکی لاش کا گوشت توڑ توڑ کر کھاؤ

پس غیبت کرنا ایسا ہے۔ جیسے مرے ہوئے بھائی کی لاش سے گوشت توڑ توڑ کر کھانا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

'جانتے بھی ہو غیبت کیا چیز ہے ؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ اللہ و رسولہٗ اعلم۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں جس طرح وہ بتاویں وہی بات صحیح ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنے بھائی کی کوئی بات اس کی پیٹھ پیچھے ایسی کہنا کہ اگر اس کے سامنے کہدے تو اس کو ناگوار گذرے۔ یہ غیبت ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا : اگر وہ بات سچی ہو واقعتہً اس میں موجود ہو تب بھی غیبت ہے۔ ارشاد فرمایا۔ تب ہی تو غیبت ہے۔ جو چیز واقعتہً اس میں موجود ہے اور وہ اسکی پیٹھ پیچھے کہی ہے۔ جو

اسکے لئے گرانی یا ناگواری کا باعث ہے اسی کا نام تو غیبت ہے۔ اور جو چیز واقعۃً اس میں موجود نہیں۔ اپنی طرف سے گھڑ کر کہی ہے یہ غیبت تھوڑا ہی ہے یہ تو بہتان[۱] ہے۔

بہتان کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ پلصراط سے گذرتے وقت اس شخص کو وہیں روکدیا جائے گا جس نے دنیا میں کسی پر بہتان لگایا۔ اس سے کہا جائے گا کہ تم نے جو فلاں شخص پر بہتان لگایا تھا اس کا ثبوت لاؤ۔ اور اس کے گواہ بتاؤ۔ جب تک گواہ پیش نہیں کروگے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ پلصراط پر اس کو کھڑا کردیا جائے گا۔ نیچے جہنم کے شعلے بلند ہوتے ہوں گے۔ کوئی بجلی کیطرح سے کوندتا ہوا نکل جائے گا کوئی ہوا کے جھونکے کی طرح نکل جائے گا۔ کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح گذر جائے گا کوئی خراماں خراماں جائے گا۔ آگ ان پر کوئی اثر نہیں کرے گی لیکن جس شخص کا حال خراب ہے اس کو وہاں روکدیا جائے گا۔ کہدیا جائے گا۔ گواہ لاؤ۔ وہاں جھوٹے گواہ کہاں ملنے لگے۔ اس دنیا میں تو تیل کی کچوریوں پر جھوٹے گواہ مہیا ہوجاتے ہیں اور آج کل تو بغیر تیل کی کچوریوں کے بھی مہیا ہوجاتے ہیں۔ حدیث شریف میں اس کو قیامت کی نشانی بنایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

یَشْهَدُوْنَ وَلَا یُسْتَشْهَدُوْنَ ۔ گواہی دیں گے بغیر گواہی طلب کئے۔

یہ علاماتِ قیامت سے ہے۔ اس لئے وہاں کہاں سے گواہ لائیں گے۔ یہ بہتان کتنی خطرناک چیز ہے۔

اور غیبت جس طرح زبان سے ہوتی ہے قلم سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ قلم کی غیبت زبان کی غیبت سے زیادہ سخت ہے۔ چونکہ جو بات زبان سے کہی تھی وہ تو ختم ہوگئی

---

[۱] عن ابی ہریرۃ رض مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۱۲

کسی کے ذہن میں رہی کسی کے ذہن میں نہیں رہی ۔لیکن جو قلم سے غیبت کی کہ غیبت لکھ کر چھاپ دی ۔اشتہار شائع کر دیا ۔پمفلٹ چھاپ دیا ۔غیبت و برائی کا رسالہ لکھ دیا یہ باقی رہنے والی چیز ہے یہ گناہ مستقل اور دائمی ہو گیا جو بہت خطرناک ہے ۔اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ ۔قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے ۔ایک آدمی کے مُنہ میں ہے دوسری زبان ہاتھ میں ہے یعنی قلم (جسکا خطرناک ہونا معلوم ہو چکا) ۔

ایک غیبت ہاتھ کے اشارہ سے ہوتی ہے ۔کوئی شخص چھوٹے قد کا ہے اس کو ہاتھ کے اشارہ سے ٹھگنا بتلا دیا یہ بھی غیبت ہے ۔کوئی شخص لمبے قد والا ہے ۔اس کی لمبائی کی طرف اشارہ کر کے بتلا دیا جو اس کو ناگوار گذرے یہ بھی غیبت ہے ۔کوئی شخص اور کسی خرابی یا عیب میں مبتلا ہے اس کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا یہ بھی غیبت ہے ۔

ایک غیبت اور ہے بڑے انداز کی ۔کسی نے کسی مجلس میں بیٹھ کر کسی کی تعریف شروع کی کہ فلاں شخص بہت اچھا آدمی ہے ۔تو حاضرین میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ ۔جی ہاں ۔ یا صرف گردن ہلاتا ہے کہ جی ہاں ۔اس صورت میں گو اس نے زبان سے کوئی برائی نہیں کی لیکن گردن ہلا کر اشارہ سے بتا دیا کہ اس کے عیوب آپ کو معلوم نہیں مجھے معلوم ہیں واقعی وہ کیسا ہے آپ کو خبر نہیں آپ نہیں جانتے ۔میں جانتا ہوں ۔یہ بھی غیبت ہے اور نہایت خطرناک کہ اس کے غیبت ہونے کا خیال بھی نہیں ہوتا ۔

ایک غیبت ایسی ہے کہ علامی شامیؒ نے اس کو کفر لکھا ہے وہ اور زیادہ خطرناک ہے ۔وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کی بُرائی بیان کی ۔سننے والوں میں سے کسی نے کہا ۔ کہ اسکی غیبت نہ کرو ۔تو کہتا ہے کہ اس میں غیبت کی کیا بات ہے ۔یہ تو سچی بات ہے میں اس کے مُنہ پر کہدوں ۔یہ تو سچی بات ہے ۔گویا وہ یہ کہہ کر کہ سچی بات ہے اس کو جائز قرار دے رہا ہے ۔کیونکہ اس کی سچی بات کا بیان ہی تو غیبت ہے اور یہ اس کو جائز قرار دے رہا ہے ۔حالانکہ اس کو قرآن پاک میں منع کیا گیا اور حرام

قرار دیا گیا ہے۔ وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا تو گویا وہ نصِ قطعی کا انکار کر رہا ہے اور جس کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے اس کو جائز قرار دے رہا ہے جو کفر ہے اس لئے علامہ شامیؒ نے اس کو کفر لکھا ہے۔ اللہ پاکؑ محفوظ رکھے۔

اللہ تبارکؑ و تعالیٰ نے ہم سب کو یہاں مسجد (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مسجد) میں جمع فرما دیا ہے۔ جو لوگ تبلیغی جماعت میں جاتے ہیں ان کے متعلق میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس شخص کو شراب کی عادت ہے اور ایک چلہ کے لئے تبلیغ میں نکل گیا۔ چالیس روز ایسے گذر گئے کہ جن میں شراب نہیں پی۔ گھر رہتے ہوئے اس کو شراب چھوڑنا دشوار تھا لیکن جب سے تبلیغی چلہ میں نکلا شراب نہیں پی، شراب سے بچ گیا۔ گالی دینے کی اس کو عادت تھی چلہ میں نکل کر چالیس روز تک گالی نہیں دی۔ لڑنے کی عادت تھی چالیس روز تک لڑا بھڑا نہیں۔ چوری کی عادت تھی چالیس روز تک چوری نہیں کی۔ غرض قسم قسم کے گناہوں میں ایک شخص مبتلا رہتا ہے۔ اخلاقی گناہ بھی ہیں عملی گناہ بھی ہیں۔ مگر جب چالیس روز تک چلہ میں نکل گیا تو اللہ تبارکؑ و تعالیٰ نے محفوظ فرما لیا۔ چالیس روز کے بعد جب واپس آتا ہے اس کے اثرات باقی رہتے ہیں پھر اگر جلدی ہی دوبارہ تبلیغ میں چلا جائے تو اس کو اور زیادہ فائدہ ہوتا ہے لیکن اگر نہیں گیا تو آہستہ آہستہ پرانی عادتیں لوٹ آتی ہیں۔ پھر اگر چلا گیا تو پھر ان عادتوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

کسی نے چلہ میں نکل کر قرآن پاک یاد کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے الحمد یاد کر لی کسی نے قل ہو اللہ یاد کر لی۔ کسی نے آیت الکرسی یاد کر لی۔ کسی نے التحیات یاد کر لی۔ کسی نے ساری نماز سیکھ لی۔ کتنا بڑا فائدہ ہوا۔

اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم لوگوں کو یہاں مسجد میں بھیج دیا۔ حتی کہ باہر نکلنے سے بھی منع فرما دیا گیا کہ بلا ضرورتِ شرعیۃ و طبعیۃ باہر نکلنے کی اجازت نہیں جو خراب عادتیں اپنے گھروں پر تھیں مسجد سے باہر رہ کر۔ اللہ نے کیا کہ مسجد میں داخل

ہوگئے اور ان بری عادتوں کے چھوڑ دینے کا بہت اچھا موقع نصیب ہوگیا۔ یہاں رہ کر اپنی زبان کی بھی حفاظت کر سکتے ہیں۔ زبان کی حفاظت بہت اہم ہے۔ ایک صحابی رضؓ نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کیطرف اشارہ فرمایا کہ اسکی حفاظت کرو۔

حدیث میں آتا ہے کہ[1]:

"صبح انسان کے بدن کے تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزی سے کہتے ہیں کہ اللہ کی بندی تو سیدھی رہنا۔ ہم سب کا نظام درست رہے گا۔ اگر تو ٹیڑھی چلی۔ تو ہم سب کا نظام تباہ ہو جائے گا"

اس لئے زبان کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جو دو چار لفظ بول لیتے ہیں۔ کیا ان پر بھی قیامت میں پکڑ ہوگی ؟

ارشاد فرمایا۔ ثکلتك امك۔ تیری ماں تجھے روئے۔ لوگوں کی بہت بڑی جماعت ایسی ہوگی کہ زبان کی وجہ سے ہی ان کو اوندھے مُنہ دوزخ میں ڈالدیا جائے گا۔ اس لئے یہاں زبان کی حفاظت کا بڑا اچھا موقع ہے۔ جب کہ اپنی زبان کو قرآن کریم کی تلاوت۔ تسبیح۔ ذکر۔ درود شریف۔ استغفار سے مانوس کرلیں، غیبت کرنے کے بجائے۔ گالیاں دینے کے بجائے۔ لڑائی کے بجائے۔ آدمی کی زبان ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ کتنا بڑا فائدہ ہے۔ اَللّٰہُ الصَّمَد۔

حدیث[2] پاک میں آتا ہے کہ بعض دفعہ آدمی ایک بول بولتا ہے۔ ایک کلمہ کہدیتا ہے اور وہ کلمہ ایسا جس کا اس کو خیال بھی نہیں معمولی سمجھتا ہے۔ حالانکہ اسکی وجہ سے

---

[1] عن ابی سعیدؓ مرفوعاً مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۱۳ ۱۲ [2] عن ابی ہریرۃ رضؓ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۱۱ ۱۲

اس کو جہنم میں ڈالدیا جاتا ہے۔ وہ ایک کلمہ اتنا خطرناک ہے۔ اسکی حفاظت کے واسطے بہت اچھا موقع ملا ہے کہ اسکی حفاظت کریں۔ ورنہ آپس میں لڑتے لڑتے ایک دوسرے کے خلاف بولتے بولتے چھوٹ چھٹاؤ تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ جس سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے، حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ شیطان شام کو اپنا تخت سمندر پر بچھا کر بیٹھتا ہے۔ اور اس کے چیلے جو اس کی طرف سے اسکی نیابت کرنے کے لئے دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ آ آکر اپنی کارگذاری سناتے ہیں۔ کہ میں نے فلاں کام کیا۔ میں نے فلاں کام کیا۔ مثلاً ایک سناتا ہے کہ میں نے آج ایک آدمی کی نماز قضا کرادی۔ وہ کہتا ہے۔ تونے کچھ نہیں کیا۔ بہت معمولی چیز ہے۔ غرض بتاتے بتاتے ایک کہتا ہے کہ میں نے ایک شوہر اور بیوی کے درمیان لڑائی کرادی۔ شوہر باہر سے آیا۔ میں نے بیوی کو سکھایا کہ یوں کہو کہ تم نے فلاں کام خراب کردیا۔ بیوی نے کہا۔ میرے شوہر نے تو کوئی کام خراب نہیں کیا۔ شوہر کا جواب بیوی کو اور بیوی کا جواب شوہر کو سکھاتا رہا۔ یہانتک کہ بڑھتے بڑھتے دونوں میں بلڈ پلیشر بڑھ گیا۔ دماغ میں تیزی آگئی۔ یہانتک کہ چھوٹ چھٹاؤ ہوگیا۔ بیوی روٹھ کر یہاں سے میکے چلی گئی۔

یہ سنکر شیطان اس کو سینہ سے لگاتا ہے کہ تونے واقعی شاباشی کا کام کیا تو میرا جانشین بننے کے قابل ہے۔

بات کیا ہے، بات یہ ہے کہ بیوی چلی گئی اپنے میکے۔ وہاں اس کے ماں باپ بھائی، بہن، خالہ، پھوپی سب مل کر بیٹھیں گے۔ پوچھیں گے کہ کیا بات ہوئی۔ یہ ساری باتیں سنائے گی تو گویا غیبت اور بہتان کے لئے مستقلاً مجلسیں منعقد کی جائیں گی اور سارے کے سارے پوچھیں گے۔ اس میں شریک ہوں گے۔

شوہر کے عزیز رشتہ دار تعلق رکھنے والے شوہر سے پوچھیں گے۔ وہاں بھی ایسی مجلسیں منعقد ہوں گی۔ دونوں میں یہ سلسلہ چلا۔ سلام کلام بند ہو گیا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہفتہ میں دو روز ایک جمعرات، ایک پیر، ان دونوں میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے نامۂ اعمال پیش ہوتے ہیں۔ ان سب کی مغفرت کی جاتی ہے۔ لیکن جن دو شخصوں کے درمیان آپس کی نااتفاقی۔ رنجش کیوجہ سے بول چال بند ہے۔ ان کے نامہ اعمال پیش ہی نہیں ہوتے۔ انکی مغفرت نہیں ہوتی۔ ان کے بارے میں کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ جب تک یہ آپس کے تعلقات ٹھیک نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ان کی بخشش نہیں ہوگی۔ ان کے نامۂ اعمال ہی پیش نہیں ہوں گے۔

نیز ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس کی لڑائی کیوجہ سے بول چال بند کر دیں۔ تعلقات نہ رکھیں۔ دونوں کی دعا مردود ہو جاتی ہے۔ نہ اسکی دعا قبول ہوتی ہے نہ اسکی۔

نیز جذبات شوہر کے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں۔ بیوی کے ساتھ بھی لگے ہوئے ہوئے ہیں۔ شوہر کہیں اور اپنا منہ کالا کرے گا۔ بیوی کہیں دوسری جگہ اپنا منہ کالا کرے گی۔ اس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ اور زیادہ خطرناک ہوگی۔ نیز والدین کے اس اختلاف کا بچوں پر بھی اثر پڑے گا۔ لہٰذا زبان کی وجہ سے یہ آپس کی لڑائی کیا ہوئی۔ شیطان نے معاصی کا ایک درخت بو دیا۔ جس سے خاردار شاخیں نکلتی رہیں گی۔ زہریلا پھل لگتا رہے گا۔ کیڑے۔ مکوڑے بھی اس کے اندر پیدا ہوں گے۔ اس واسطے زبان کی حفاظت کا بہت اچھا موقع ہے اعتکاف کی حالت میں ویسے بھی بلا ضرورت بات نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن ہمارے دوست واحباب کچھ نہ کچھ تو آپس میں کرتے ہی رہتے ہیں گیارہ

مہینے کی عادت ایک دن میں کیسے چھوٹے لیکن کمی تو ہو ہی جائے گی۔ کچھ فرق تو پڑ ہی جائے گا۔ جب ارادہ کریں۔ اللہ سے مانگنے کے لئے یہاں آگئے۔ پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے۔ اللہ سے معافی مانگ رہے ہیں۔ آئندہ کی حفاظت بھی اس سے مانگ رہے ہیں۔ تو اللہ پاک کی طرف سے نصرت بھی ہوگی پچھلے گناہ بھی معاف ہوں گے۔ اور انشاء اللہ آئندہ کی حفاظت بھی ہوگی۔

حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں

فوائدِ صحبت

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ سامنے ہیں۔ اور جب یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ بیوی بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہ بات نہیں رہتی جو صحبتِ مبارکہ میں حاصل تھی۔ حتیٰ کہ بعض صحابہؓ کو اپنی اس حالت پر نفاق کا گمان ہونے لگا کہ یہ تو منافق کا حال ہوتا ہے۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ اندر کچھ باہر کچھ۔ ان حضرات کے یہاں ہر چیز کا حل یہی تھا کہ براہِ راست حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا جائے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو حالت تمہاری میری مجلس میں رہتی ہے اگر یہی ہمیشہ رہے تو فرشتے راستے میں تم سے مصافحہ کیا کریں۔ لیکن یہ بات کبھی کبھی ہوتی ہے۔ ہمیشہ نہیں۔ انسان چونکہ اس مادی دنیا میں رہتا ہے یہاں کے ماحول کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے قلب کی کیفیت متغیر ہوتی رہتی ہے۔ اس واسطے کامل شیخ کی صحبت کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔

یہ مہینہ خاص طور پر ایسا ہی ہے کہ دوسرے ماحول سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔

کہ اے بندے کہاں کھیتی باڑی کرتا پھرتا ہے۔ آجا۔ میرے دروازے پر۔ اے بندے کہاں دوکان پر بیٹھ کر سودا لگائے گا۔ میرے دربار میں میری مسجد میں آجا۔ اے بندے کہاں تو جوتے بنائے گا کپڑے بنائے گا۔ آجا۔ سب سے چھوٹ چھاٹ کر میرے دروازہ پر۔

حق تعالیٰ نے یہاں انعامات دینے کیلئے بلایا ہے۔ گناہ معاف کرنے کے لئے بلایا ہے۔ احوال کی، قلوب کی اصلاح کے لئے بلایا ہے۔ بجائے اس کے کہ دوکان پر بیٹھ کر یا فیکٹری میں بیٹھ کر گالی گلوچ کی باتیں ہوتیں۔ غیبت وعیوب کی باتیں ہوتیں یہاں قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ اللہ کا نام ہے۔ تسبیح ہے۔ درود شریف ہے۔ استغفار ہے۔ نوافل ہیں۔ کتنا بڑا انعام ہے کہ حق تعالیٰ نے خود مہمان بنا کر اپنے یہاں بلالیا۔ شیاطین کو باندھ دیا۔ جو سال بھر تک پریشان کرتے رہے۔ طرح طرح کے گناہ سکھاتے بتاتے رہے۔ ان سے بچالیا۔ اور شیاطین کی شرارتیں ایسی ہیں کہ ان کا پتہ چلنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ بڑی دقت پیش آتی ہے۔ شیاطین مشائخ سے تو گھبراتے اور بھاگتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ فرماتے تھے کہ رائے پور میں جب بڑے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ تشریف فرما تھے۔ صبح کو آٹھ نو بجے سب اپنے اپنے حجروں سے باہر نکلتے۔ مجلس ہوتی۔ ایک روز مولانا اللہ بخش صاحبؒ اپنے حجرہ سے نکلے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ مجلس میں بیٹھے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی نظر مولانا اللہ بخش صاحبؒ پر پڑی۔ تو فرمایا۔ آجاؤ۔ یہاں بیٹھ جاؤ مولانا اللہ بخش صاحبؒ جاکر بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ فرماتے تھے کہ بعد میں میں نے مولانا اللہ بخش صاحبؒ سے دریافت کیا کہ حضرت آج کیا بات تھی کہ آپکو اس اہتمام اور خصوصیت کے ساتھ بلایا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کیا کہوں۔ رات

دو بجے اٹھا۔ اس وقت سے قلب میں ایک آواز گونج رہی تھی۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ۔ بہتیری ضربیں لگاتا ہوں۔ اور کوشش کرتا ہوں۔ مگر آواز بند نہیں ہوتی تھی۔ جیسے ہی حضرت کی نظر پڑی۔ حضرت نے فرمایا یہاں آکر بیٹھ جاؤ۔ فوراً وہ آواز ختم ہوگئی

جو چیز برسوں کے مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ان حضرات کے پاس بیٹھنے سے حق تعالیٰ بہت جلد نصیب فرما دیتے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ ایک مرتبہ لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ حضرت کے تلامذہ بہت تھے۔ خدمت میں آنے جانے لگے۔ ڈاکٹر اقبال شاعر بھی اس وقت زندہ تھے ان کو بھی ان کے بعض دوستوں نے کہا کہ تم بھی چلو۔ وہ کسی عالم کے معتقد نہیں تھے۔ نہیں آئے۔ پھر کسی بے تکلف دوست نے کہا کہ ساری دنیا میں مارے مارے پھرتے ہو وہاں جانے میں کیا حرج ہے۔ یہ کہہ کر کہ اچھی بات! مجلس میں پہونچ گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھتے ہی ذہن اس حدیث کی طرف منتقل ہوا۔ جس میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خدام وصحابہؓ اس طرح بیٹھتے تھے۔ جیسے ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہو کہ ذرا حرکت کریں تو اڑ جائے۔ یعنی اتنے وقار واحترام کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ کوئی ادھر دیکھ رہا ہے کوئی اُدھر دیکھ رہا ہے۔ یہ کیفیت نہیں تھی بلکہ بڑے وقار وسکون کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی مجلس دیکھ کر ذہن منتقل ہوا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک کی ایسی ہی کیفیت ہوتی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی مجلس میں لوگ مختلف قسم کے سوالات کرتے۔ شاہ صاحبؒ ان کا جواب دیتے اور جواب بھی بڑا گہرا ہوتا۔ فرماتے فلاں شخص نے ایسا لکھا ہے۔ اس کو مغالطہ فلاں کتاب سے ہوا ہے۔ فلاں کتاب میں بات

اس طرح ہے۔ یہ سمجھا کہ بات اسطرح نہیں اس طرح ہے۔ دور تک اتے پتے بتلادیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ چلتی پھرتی لائبریری ہیں۔ مستقل کتب خانہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کی مجلس میں مختلف سوالات کے جوابات سنے۔ اگلی مجلس میں پھر آئے۔ حدوث عالم کا کچھ تذکرہ آیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنا ایک قصیدہ سنایا۔ ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم اشعار سنکر ڈاکٹر اقبال صاحبؒ نے سوچا کہ او ہو یہ تو کچھ پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہیں اس واسطے کہ ڈاکٹر اقبال صاحبؒ مانے ہوئے شاعر تھے۔ اب خود بھی کچھ سوالات کئے۔ پوچھا زمان کیا ہے، مکان کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب دیا۔ ڈاکٹر اقبال صاحب نے کہا کہ نیوٹن نے ایسا لکھا ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نیوٹن نے جو کچھ اس مسئلہ میں لکھا ہے وہ علامہ عراقی کے رسالہ سے لیا ہے اور یہ خیانت کی ہے کہ اس کو علامہ عراقی کیطرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کر کے لکھا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے پوچھا۔ علامہ عراقی کون اور ان کا رسالہ کہاں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ ان کا رسالہ میرے پاس دیوبند میں موجود ہے۔ چنانچہ دیوبند سے وہ رسالہ ان کے پاس بھیجا بھی تھا، ڈاکٹر اقبال نے بار بار سوالات کئے اور جو اشکالات کی چیزیں تھیں شاہ صاحبؒ نے ان سب کا تشفی بخش جواب دیا۔ تو ڈاکٹر اقبال بہت مانوس ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جب دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب مانوس ہو گئے۔ تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا، کہ ڈاکٹر صاحب میں آپ سے خوش نہیں ہوں۔ اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب غلام احمد قادیانی کی جماعت احمدی کے سکریٹری تھے۔ اور غلام احمد قادیانی سے حضرت شاہ صاحبؒ کو بڑا غیظ تھا۔ بڑی نفرت تھی چونکہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ پر حملے کئے۔ سخت سست

کہا۔ ان پر اپنی فوقیت ظاہر کی جیسا کہ اس کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے ؎

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو ٭ اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس قسم کی باتیں اس نے کہیں۔ ختمِ نبوت کا انکار کیا اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کیا وغیرہ وغیرہ اس وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کو اس سے بہت غیظ تھا۔ ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے۔ اور وہاں سے اٹھے اور آکر استعفیٰ دیا۔ توبہ کی۔ توبہ کر کے پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضرت جو کانٹا کھٹکتا تھا اسے میں نکال آیا۔ اب شاہ صاحبؒ ڈاکٹر اقبال صاحب کیطرف متوجہ ہوئے۔ جس سے ڈاکٹر اقبال صاحب نے وہ چیز قلب میں پائی۔ جس سے قلب ہمیشہ سے نا آشنا تھا۔ جانتے ہی نہ تھے کہ ایسی چیز بھی قلب میں رہا کرتی ہے۔ پھڑک اٹھے اور یہ اشعار کہے۔

؎ جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ انکو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

اس وقت سے ڈاکٹر اقبالؔ کی شاعری کا رخ بدل گیا۔ بالکل پلٹ گیا، پہلے جانے کیا کیا کہا کرتے تھے، مگر اس وقت سے مولانا رومؒ کے طرز پر اشعار کہنا شروع کر دیئے۔ اور انہیں کے مضامین کو زیادہ تر بیان کرنے لگے۔

ان کے حالات تو جو کچھ بھی ہوں لیکن اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا۔ بڑی محبت رکھتے تھے بڑا عشق تھا۔ ایک رباعی کہی ہے ؎

توغنی از ہر دو عالم من فقیر

روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

لیک اگر بینی حسابم ناگزیر

از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اے ذاتِ پاک تو غنی ہے بے نیاز ہے۔ میں فقیر ہوں، محتاج ہوں۔ حشر کے دن ان گناہوں اور خطاؤں سے جو میں نے کیں ہیں۔ میرا عذر قبول کر۔ اور اگر میرا حساب لینا ضروری ہی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے پوشیدہ لینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر نہ کرنا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شرمندگی نہ ہو کہ میری امت کے لوگوں سے اس طرح حساب لیا جائے گا۔

بہت اونچے اونچے شعر کہا کرتے تھے۔

یہ انقلاب حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت کی وجہ سے ہوا آج جس صحبت کی ضرورت ہے وہ صحبت میسر نہیں آتی۔ نہ اس کو ضروری سمجھا جاتا۔ اسی لئے محرومی رہتی ہے۔

خود حضرت شاہ صاحبؒ کے اندر اتنا ادب و احترام تھا۔ کہ حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا سے تشریف لائے۔ صبح کی نماز کے بعد مکان پر مجلس ہوتی۔ علماء ہی کی جماعت ہوتی تھی۔ آپس میں ایکدوسرے سے گفتگو بھی کرتے۔ کبھی حضرت شیخ الہندؒ بھی کسی بات میں گفتگو کر لیتے۔ مگر شاہ صاحبؒ خاموش۔ بیٹھے رہتے۔ دوزانو گردن جھکائے۔ بیٹھے رہتے تشہد کی سی حالت میں۔ جب مجلس ختم ہوتی۔ آہستہ آہستہ سب لوگ اٹھ جاتے۔ چلے جاتے۔ تب حضرت شیخ الہندؒ خود ہی فرماتے۔ شاہ صاحب آپ کو کچھ پوچھنا ہے۔ تب وہ عرض کرتے سیر اٹھا کر کہتے۔ کہ حضرت فلاں حدیث کے متعلق دریافت کرنا ہے۔ از خود نہیں پوچھتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے دریافت کرنے پر پوچھتے تھے۔

دوسرے لوگ آپس میں اسی مجلس میں گفتگو کرتے مگر شاہ صاحبؒ کسی کی گفتگو

میں شریک نہ ہوتے۔ بس اپنے شیخ کی طرف ہی متوجہ رہتے۔

جس وقت حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان سے تشریف لیجا رہے تھے اور پھر گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیئے گئے تھے۔ اس وقت تشریف لیجانے سے پہلے گفتگو تھی۔ کہ یہاں دارالعلوم میں صدر مدرس کون بنے۔ یہ بات بڑھتے بڑھتے حضرت شیخ الہندؒ تک پہنچ گئی۔ انہوں نے فرمایا۔ مولوی انور شاہ کے ہوتے ہوئے آخر یہ سوال پیدا کیوں ہوتا ہے کہ صدر مدرس کون بنے گا۔ ان کی حیثیت۔ ان کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ ایک لفظ فرما دیا سب خاموش۔ آخر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کو صدر مدرس تجویز کیا گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ ترمذی شریف کا سبق پڑھانے کیلئے درسگاہ میں تشریف لائے کتاب کھولی، عبارت پڑھی گئی۔ مگر حضرت شیخ الہندؒ کے تشریف لے جانیکا قلب پر اتنا صدمہ تھا کہ کوئی لفظ پڑھا نہیں سکے، کتاب بند کر دی اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ چارپائی پر پیر لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے لگا کر رونا شروع کر دیا اس وقت بے قابو ہو کر اتنی بڑی جرأت کی۔ یہی شاہ صاحب جو سامنے بولتے بھی نہ تھے۔ اب اس حالت کو پہونچ گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی کچھ تکلف سے کام نہ لیا اچھا رو لینے دو۔ جب ان کا رونے کا جوش ختم ہو گیا۔ تو حضرت شیخ الہندؒ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

شاہ صاحب۔ میرے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے آپ کو شبہات پیدا ہوا کرتے تھے۔ میں نہیں ہوں گا تو شبہات پیدا نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی شبہ پیدا ہو گا تو قدرت خود رہنمائی کرے گی۔ جاؤ اللہ کے سپرد۔

ان حضرات کے قلوب میں اپنے اساتذہ کے متعلق کیسے جذبات تھے وہ

چیسزاب ختم ہوگئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپور سے دیوبند جاتے۔ کتبخانہ میں جانے کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی۔ گئے کتب خانہ کھلا ہوا دیکھا تو سیدھے کتب خانے میں پہونچ گئے۔ جو کچھ وہاں جس کتاب میں دیکھنا ہوتا۔ اسکو دیکھا۔ نوٹ کیا۔ واپس ہوگئے اور اگر کتب خانہ بند ہو چکا ہوتا تو ناظم کتب خانہ کے پاس جاتے ان سے چابی لے لیتے اور کام سے فارغ ہو کر اگر گاڑی کے وقت میں گنجائش ہوتی۔ تو کسی سے ملاقات بھی کر لیتے،

ایک مرتبہ کتب خانہ سے فارغ ہو کر حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس ان کے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ زینہ چڑھ کر سامنے شاہ صاحب کا کمرہ تھا۔ شاہ صاحب نے دیکھا۔ فوراً ننگے پیر دوڑے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا۔ بھئی شاہ صاحب اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو آ ہی رہا تھا۔ یہ تو اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ ننگے پیر دوڑ کر آؤ۔ مگر شاہ صاحب حضرت کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے کمرہ میں لے گئے۔ وہاں جو مخصوص تلامذہ تھے جو حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس رہتے تھے ان کی طرف اشارہ کر دیا وہ باہر چلے گئے۔ تنہائی میں کسی مسئلہ پر گفتگو کرنا تھی۔ گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

مولانا کفایت اللہ صاحبؒ گنگوہ میں تھے۔ مولانا کفایت اللہ صاحب نے سہارنپور میں پڑھا اور وہاں مدرس بھی رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ جس زمانہ میں مالٹا میں تھے۔ مولانا کفایت اللہ صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ انتشار ذکر شغل میں خودکشی کو طبیعت چاہتی ہے۔ چاقو اٹھاتے ہیں۔ کنواں جھانکتے ہیں مگر چونکہ ساتھ ساتھ عالم بھی ہیں۔ ایسی حالت میں نہ چاقو کام دیتا نہ کنواں۔ اور اپنے شیخ بھی وہاں نہیں وہ مالٹا میں ہیں۔ خیال دوڑایا تو حضرت سہارنپوریؒ کی طرف خیال گیا۔ کہ وہ حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ اول تھے۔ ان کی خدمت

میں خط لکھا۔ کہ میرا یہ حال ہے۔ میری دستگیری کیجئے۔

حضرت سہارنپوری ؒ نے جواب دیا کہ۔

حیرانم کہ بچہ دہقاں را بچہ کار سپرو ند سے

صلاح کار کجا و من خراب کجا ؛ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

تعجب ہے۔ مجھے اتنے بڑے کام کا اہل کیوں سمجھ لیا گیا۔ میں ایسے کام کا اہل کہاں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب پریشان ہوئے اور تھانہ بھون حاضری کا ارادہ کیا حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری کے لئے میرٹھ سے سہارنپور آئے اور سہارنپور سے جس گاڑی سے جانا تھا وہ گاڑی نہیں ملی۔ مدرسہ مظاہر علوم آ گئے۔ حضرت سہارنپوریؒ سے ملاقات کی حضرت نے سینے سے لگا یا۔ بٹھایا۔ جب اور لوگ چلے گئے تو ان سے فرمایا کہ آپ نے کیا لکھا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ جیسا جانتا بوجھتا آدمی ایسی بات لکھے۔ بھلا میں اس کا اہل کہاں۔

انہوں نے عرض کیا :

حضرت اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ اس کے اہل نہیں تو یہ آپ پر اعتراض نہیں بلکہ حضرت عالی گنگوہیؒ پر اعتراض ہے کہ انہوں نے آپ کو اجازت کیوں دی۔ کیا نا اہلوں کو اجازت دیا کرتے تھے۔ اور جس در سے آپ کو سب کچھ ملا ہے میں نے بھی وہیں پرورش پائی ہے۔ اس لئے میرا آپ پر حق ہے۔

حضرت نے اس پر خاموشی اختیار کی اور فرمایا ٹھہر جاؤ!

چنانچہ یہ ٹھہر گئے۔

رات کو عشاء کے بعد حضرت جب گھر جانے لگے تو ان کو بارہ تسبیح میں کچھ تھوڑا سا تغیر کر کے بتایا کہ مہمان خانہ کے اوپر کے کمرہ میں لیٹ کر آخیر شب میں ذکر کرنا جہر کے ساتھ کہ میرے گھر تک آواز آئے۔ گھر بالکل قریب تھا۔

انہوں نے عرض کیا: کہ حضرت مجھ سے ذکر شغل نہیں ہوتا۔ چھڑاؤ اس ذکر شغل کو کہ جس سے جان سے بھی عاجز آ گیا۔ تاکہ میں بھی درس و تدریس میں لگوں۔
حضرت نے فرمایا: گھبراؤ نہیں۔ جو کچھ کر رہے ہو کرتے رہو۔ ہمارے حضرت گنگوہیؒ کے یہاں ایک صاحب آئے تھے ان پر بھی یہی کیفیت طاری تھی ان کو حضرت نے بھی یہی بتایا تھا۔ یہ ان کے اطمینان کے لئے حضرت نے اپنے نسخہ کی سند بھی بتا دی۔ اور بعد عشاء گھر چلے گئے۔ انہوں نے اخیر شب میں اٹھ کر ذکر شروع کیا۔ حضرت کا معمول تھا کہ صبح صادق کے وقت مدرسہ آ جاتے تھے۔ کچھ دیر تک خاموش مراقب رہتے۔ پھر فجر کی نماز ہوتی تھی۔ حسب معمول حضرت آ کر بیٹھ گئے۔ پھر فجر کی نماز کے بعد حضرت نے پوچھا: کیا حال ہے۔ کہا اب تو سکون ہے۔ وہ بات نہیں رہی۔ فرمایا کہ اچھا یہاں بیٹھ جاؤ۔ حجرہ کے باہر سامنے بٹھا دیا۔ اور خود حجرہ کے اندر جا کر کواڑ بند کر لیئے۔
مولانا کفایت اللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ میں نہیں جانتا اندر بیٹھے کیا کر رہے تھے۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرا قلب زخمی ہے۔ زخم پڑے ہوئے ہیں اور حضرت بیٹھے ہوئے اس کو دبا رہے ہیں اور اس میں سے حضرت کے دبانے سے خون، پیپ نکل رہا ہے۔ میں چونک پڑتا تھا۔ دیکھتا تھا کہ حضرت تو یہاں نہیں ہیں حضرت کے حجرہ کا دروازہ بند ہے، اشراق تک یہی کیفیت رہی۔ اشراق پڑھ کر حضرت اندر سے باہر نکلا کرتے تھے۔ پوچھا کیا حال ہے۔ میں نے کہا بالکل اطمینان ہے۔ کہا اچھا آ جاؤ۔ بخاری شریف کے سبق میں ساتھ لے گئے۔ حضرت نے ان کو وہیں بٹھا کر بخاری شریف کا سبق پڑھایا۔
مولانا کفایت اللہ صاحب کہتے تھے کہ ایسے انوار و برکات میں نے وہاں دیکھے کہ دل تڑپتا تھا۔ ایسے انوار کہیں نظر نہیں آئے۔ خواہش تھی کہ حضرت طویل تقریر کریں۔ مگر حضرت کی عادت مختصر تقریر کرنے کی تھی۔ اس لئے میں نے الٹے سیدھے سوالات

سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت نے بعض دفعہ ایک ایک سوال کے کئی کئی جواب دیئے۔ اور کسی جواب کے متعلق فرمایا کہ اس جواب کو کتابوں میں تلاش مت کرنا۔ یہ کتابی نہیں ہے۔ کبھی ایسا ہوا کہ ایک سوال کیا حضرت نے اس کا جواب دیا۔ پھر فرمایا۔ اس جگہ پر ایک اور سوال ہے جس سے شراح نے تعرض نہیں کیا۔ اس سوال کو بتلایا پھر اس کا جواب دیا۔ غرض اس طرح سبق پڑھایا بڑا اطمینان ہوا۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے تھانہ بھون جانے کا ارادہ کیا تھا۔ فرمایا ہاں ضرور جاؤ۔ مگر واپسی میں ایک شب یہاں کے لئے اور رکھنا کہ ابھی خامی رہ گئی ہے۔ میں سوچتا تھا۔ کہ کیا خامی رہ گئی۔ میں تھانہ بھون گیا۔ وہاں سے واپسی پر ڈوروز سہارنپور ٹھیرا۔ جس خامی کا مجھے احساس نہیں ہوتا تھا۔ اب پتہ چلا کہ جب میں صبح کو حجرہ کے سامنے بیٹھتا مراقب ہو کر ایسا معلوم ہوتا کہ قلب کے اندر کوئی چیز بھری جا رہی ہے۔ جس سے قلب کے اندر قوت پیدا ہوگئی۔ مسرت پیدا ہوئی۔ پہلی حاضری پر تو آلائش نکالی۔ دوسری حاضری پر قوت بھری۔ تب فرمایا کہ اب انشاء اللہ امن و اطمینان ہے۔ اب جاؤ۔

یہ سب صحبت کی برکات ہیں۔ طبیب سے یہ کام نہیں ہوتا۔ اس کے لئے تو صحبت کی ضرورت ہے۔ آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں صحابۂ کرام رض بیٹھتے تھے۔ صحابۂ کرام رض کی صحبت میں تابعین بیٹھے۔ اور تابعین کی صحبت میں تبع تابعین۔ بیٹھے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا آرہا ہے۔

بڑے بڑے اشکالات صحبت میں بیٹھ کر حل ہو جاتے ہیں۔ حضرت تھانوی رح فرماتے تھے کہ میں کچھ شکوک و شبہات لے کر گنگوہ جاتا۔ حضرت گنگوہی رح کے یہاں، لیکن پوچھنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ بغیر پوچھے حل ہو جاتے تھے۔ کبھی تو ایسا ہوا کہ جو سوال میرا تھا وہی سوال کسی اور نے کر لیا۔ اس کا جواب حضرت گنگوہی رح نے دیا جس سے میرا شبہ بھی دفع ہوگیا۔ کبھی ایسا ہوا کہ حضرت گنگوہی رح خود ہی بات فرماتے

اور بغیر پوچھے ہی شبہ کا جواب بھی بیان فرما دیتے۔ کبھی ایسا ہوا کہ کچھ نہیں فرمایا مجلس میں بیٹھنے سے ہی شبہ حل ہو گیا۔

ایک دو باتیں حضرت گنگوہیؒ سے پوچھیں۔ حضرت نے دریافت فرمایا سائل کون ہے؟ عرض کیا: اشرفعلی۔ حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نہ یہ فرمایا کہ اتنی سیدھی اور کھلی بات کا جواب تم کو چاہیئے۔ نہ یہ اس کا جواب مشکل ہے۔ نہ یہ کہ پھر پوچھنا۔ کچھ نہیں! بلکہ مکمل خاموشی اختیار فرمائی۔ اس خاموشی سے جس طرح وہ دو مسئلے حل ہوئے ہیں۔ اب خیال آتا ہے کہ حضرت تقریر فرماتے تو بھی اس طرح سے حل نہ ہوتے۔ جس طرح اس خاموشی سے حل ہو گئے۔

کیا بات ہے، بات یہ ہے کہ اصل فیضان حق تعالیٰ کی طرف سے شیخ کے قلب پر ہوتا ہے وہی فیضان پاس بیٹھنے والوں کو حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ مناسبت ہو، بشرطیکہ عقیدت ہو کوئی خرخشہ قلب میں نہ ہو۔ خرخشہ ہو گا تو کوئی فائدہ و فیضان نہ ہو گا۔ خرخشہ نہیں، قلب صاف ہے تو فیضان ہوتا ہے، اصل فیاض ذات باری تعالیٰ ہے۔ شیوخ تو وسائط ہیں۔ سنگِ مرمر کی چھت پر جیسی صاف بارش آسمان سے برستی ہے، اس چھت پر پانی ویسا ہی گرے گا جیسا آسمان سے اُترے گا۔ اس کا ایک پرنالہ ہے۔ اس پرنالے کے نیچے جو آئے گا پرنالے سے فیض اس کو پہنچے گا۔ پرنالہ کے اندر پانی پیدا نہیں ہوتا۔ پانی آسمان سے آتا ہے، یہ پرنالہ واسطہ ہے۔ اس واسطہ سے بھی تعلق رکھنا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے گارا گوبر اس پرنالہ میں بھر لیا تو جو پانی اس پرنالہ سے آئے گا۔ اس گارے وگوبر سے متأثر ہو کر آئے گا وہ خراب گندہ پانی ہوگا وہ پانی آسمان سے خراب نہیں اُترا آسمان سے تو صاف چلا تھا۔ لیکن درمیان میں پرنالہ میں گارا گوبر بھر گیا ہے اسکی وجہ سے خراب ہو کر آیا ہے۔

بس یہی کیفیت شیخ کی ہے۔ کہ اگر کسی کے شیخ واقعی شیخ ہیں، حقیقی کامل عارف

شیخ ہیں۔ ان کے اوپر جو حق تعالیٰ کی طرف سے فیضان ہوگا وہ بالکل صاف ہوگا، ہاں اگر مرید کو اس شیخ کے ساتھ عقیدت نہیں، بدگمانی رکھتا ہے، شیخ کے اعمال واقوال پر نکتہ چینی اور تنقید کرتا ہے۔ تو اس کے اثرات اس کے اوپر ضرور ہوں گے؟ اور جب شیخ کے قلب میں تکدر ہوتا ہے اس تکدر کی وجہ سے فیضان نہیں ہوتا۔ اس کا ایک مستدل حدیث میں بھی آیا ہے۔ حضرت وحشی رضؓ کہ جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو اس طرح سے شہید کیا تھا کہ مثلہ کیا تھا، دل جگر نکالا تھا۔ کان، ناک کاٹے تھے۔ جب فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ بیعت کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي۔ کیا ایسا کر سکتے ہو کہ اپنی صورت میرے سامنے نہ لاؤ۔ اس لئے کہ چچا کے ساتھ جیسا معاملہ بیدردی کا کیا تھا۔ وہ یاد آیا، غم تازہ ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر اسی طرح سے جب جب یہ سامنے آئیں گے چچا کا غم تازہ ہوگا تو فیض سے محروم ہوجائیں گے چونکہ تکدر کے ساتھ فیض نہیں پہنچتا لہٰذا ان کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا کہ سامنے نہ آئیں۔ نہ سامنے آئیں گے نہ غم تازہ ہوگا۔ ہاں تعلقِ ایمانی کی وجہ سے فیض دور سے بھی پہنچے گا۔ جتنا ان کے مقدر کا ہوگا اس لئے یہ صورت اختیار کی گئی۔

منافقین کی عادت تھی کہ مخلص صحابہؓ کی شکایتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہؓ کی شکایتیں میرے پاس نہ لاؤ میں چاہتا ہوں کہ جب اپنے صحابہ کے پاس آؤں تو سلیم الصدر ہوکر آؤں۔ میرے قلب میں کسی کی طرف سے میل اور کدورت نہ ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے۔ اسی طریق پر جو مشائخ اہل حق ہیں وہ خود چاہتے ہیں کہ اپنے معتقدین مریدین میں سے کسی کی طرف سے بھی ان کے قلب میں خرخشہ نہ ہو۔ تکدر نہ ہو تاکہ فیضان صحیح صحیح پہونچے کہ اگر شیخ کے قلب میں تکدر ہوگا تو فیض نہیں پہنچے گا۔ خرابی پیدا ہوگی۔ طالب کے قلب میں

تکدر ہو گا تو بھی خرابی پیدا ہوگی۔ اس لئے دونوں کے قلب میں۔ آپس میں ربط ہونیکی ضرورت ہے۔ ربط ہوگا تو بہت جلد فائدہ ہوگا۔ بہت فیضان ہوگا۔

پہلے حضرات قوتِ تاثیر رکھتے تھے۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ بیعت ہوئے: حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے کچھ اپنا حال لکھا۔ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ جواب لکھتے ہیں۔

" اگرچہ دیر است آہو بچنگ شیر است " اگرچہ کچھ دیر ہے۔ لیکن ہرن شیر کے پنجہ میں آچکا ہے۔

تو جس طرح سے ظاہری اعضاء میں ایک قوی آدمی ایک کمزور آدمی سے پنجہ کر کے اس کے پنجہ کو مروڑ دیتا ہے۔ کشتی میں اسے دبالیتا ہے۔ ظاہری قوتوں پر حاوی ہوجاتا ہے۔ اسی طریقہ پر جو باطنی قوتیں ہیں۔ نفسِ امارہ کی سرکشی کی طاقت پر شیطان کے لگائے ہوئے پھندے اندر موجود ہیں۔ ان کے اوپر قوت پانے کے لئے بھی قوت کی ضرورت ہے شیخ کے اندر باطنی قوت قوی ہوگی تو ان باطنی قوتوں پر غالب آکر ان کی اصلاح کرے گا اور اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ اگر شیخ ہی بیچارہ کمزور ہے تو اللہ اس کے حال پر بھی رحم کرے طالب کے حال پر بھی رحم کرے (آمین) دونوں ہی قابلِ رحم ہیں۔ فقط

تاثیرِ ذکر

حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے فرمایا تھا۔ کہ اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے۔ بے اثر نہیں۔

بعضے لوگوں کی طبیعت میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم ذکر کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں تو اِدھر۔ اُدھر کے خیالات آتے ہیں۔ ایسے ذکر سے کیا فائدہ۔ یوں نہیں سوچنا چاہیئے۔ کہ ایسے ذکر سے کیا فائدہ، ایسا ذکر بھی کار آمد ہے، اللہ نے زبان کو ذکر میں مشغول ہونے کی توفیق دی اس کا بہت بڑا شکر و احسان ہے۔ اس کا شکر ادا کریں۔ اور دل کے متوجہ ہونے کی دعا مانگیں۔ دل بھی حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ زبان بھی حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ زبان کو اپنے نام کے ساتھ جاری کر دیا دل کو بھی جاری فرما دے۔ یہ جاری ہونا ہمیں نظر نہ آتا ہو۔ اس کی تاثیرات ہم نہ دیکھتے ہوں لیکن ہمیں ان پہ اعتماد کرنا چاہیئے۔ جنہوں نے تاثیرات بتائیں۔

ایک شہزادہ بیمار ہوا۔ اس زمانہ کے بزرگ عیادت کے لئے تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے۔ عصا لئے ہوئے گئے۔ وہاں پہنچکر دیکھا کہ شیخ بو علی ابن سینا جو شاہی طبیب، رئیس الاطبا، اپنے فن میں بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا وہ موجود ہے وہ نبض دیکھ رہا ہے اور تشخیص کر رہا ہے۔ بزرگ نے پہونچکر بچے کے پیٹ پر

ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا۔ پڑھ کے دم کیا، ابن سینا کہتے ہیں، یہ بڈھا کیا کر رہا ہے۔ مِنُ مِنُ چھُو۔ مِنُ مِنُ چھُو۔ یہ کیا کہتا ہے۔ ارے الفاظ تو غیر قار الذّات ہیں غیر مجتمع الاجزاء فی الوجود ہیں۔ یہ تو مُنہ سے ہوا تین حرف نکلے اور اڑ کے ختم ہو گئے۔ اس کے پیٹ میں سُدّہ بیٹھا ہوا ہے۔ گرم دوا دیجائے۔ جس سے کہ سُدّہ تحلیل ہو کر نکلے۔ اس پڑھنے سے اور چھُو کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ ان بزرگ نے ابن سینا کی طرف دیکھا اور کہا۔ کیا کہا گُتّے، کُتّے کیا بولا۔ بس جناب یہ لفظ سننا تھا کہ سخت غصّہ کے مارے حکیم ابن سینا کے چہرہ کا رنگ سُرخ ہو گیا۔ اور بزرگ نے دوبارہ پڑھ کر دم کیا، پھونک ماری، پھر ابن سینا کی طرف دیکھ کر کہا کہ گدھے اب بھی نہیں سمجھا۔

بادشاہ کے دربار میں کُتّا، گدھا کہدیا۔ ابن سینا کی حالت بدل گئی۔ غصّہ کے مارے مُنہ سے جھاگ آنا شروع ہو گیا۔ رگوں میں تنتناہٹ، بدن میں کپکپی آ گئی۔ اِدھر بزرگ نے تیسری مرتبہ پڑھ کر دم کیا اور پوچھا۔ حکیم صاحب کیا بات ہے کیسا مزاج ہے۔ چہرہ کا رنگ سرخ کیوں ہو رہا ہے۔ بدن میں کپکپی کیسی ہے۔ منہ میں جھاگ کیوں ہے۔ رگوں میں تنتناہٹ کیوں ہے۔

ابن سینا نے کہا: کہ آپ نے مجھے ایسا لفظ کہا کہ جس سے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

بزرگ نے فرمایا: کہ لفظ تو غیر قار الذّات ہے۔ غیر مجتمع الاجزاء فی الوجود ہے زبان سے نکلا اور ختم ہو گیا۔ اس سے بھی کوئی تاثیر ہو سکتی ہے۔ اور فرمایا کہ دیکھئے بعض لفظ اس طرح سے مزاج کو بدل دیتا ہے۔ جیسے آپ کا مزاج بدل گیا۔ کیا بعید ہے کہ میں کوئی ایسا لفظ پڑھ کر دم کروں جس سے مزاج بدل جائے۔ گرمی پیدا ہو جائے اور سدّہ باہر نکل آئے۔

حکیم صاحب تو ابھی تشخیص ہی کر رہے تھے۔ اللہ نے کیا وہ سُدّہ نکل کر باہر

بھی آگیا بچے کو صحت بھی ہوگئی۔

پس تاثیر ہمیں نظر نہیں آتی۔ لیکن جنہوں نے تاثیر کو بنایا وہ جانتے ہیں تاثیر ہوتی ہے۔ بغیر تاثیر کے کوئی چیز نہیں۔ حق تعالیٰ نے ہر چیز کے اندر کوئی تاثیر رکھی ہے بعض دفعہ چیز بہت چھوٹی سی معمولی سی ہوتی ہے۔ مگر تاثیر اسکی بڑی ہوتی ہے۔ بچھو چھوٹا سا ہے ایک ڈنک مار دے سارا مزاج درست کر دے۔ ایسی تاثیر اس میں رکھی ہے کوئی کہنے والا کہے اس میں کیا رکھا ہے ذرا سا ڈنک ہے یہ تو کچھ بھی نہیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا جنات انسان کو ستا سکتے ہیں۔ میں نے کہا، ہاں! ہاں۔ ستا سکتے ہیں۔ کہنے لگے: کہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اشرف المخلوقات کو کون ستا سکتا ہے، میں نے کہا۔ جی ایک بھڑ۔ چہرہ پر کاٹ لے پھر دیکھو اس اشرف المخلوقات کا کیا حلیہ بنتا ہے۔ اشرف المخلوقات کا یہ مطلب کہاں سے لے لیا۔ اشرف المخلوقات کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں ترقی کی بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں کہ خاکی ہونے کے باوجود ملائکہ سے آنکھیں ملاتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے اور ملائکہ پیچھے رہ جاتے ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی ہے۔

ہر روح میں چند قوتیں ہوتی ہیں۔ ان قوتوں کے مجموعہ سے کوئی چیز تیار ہوتی ہے۔ ایک قوت غضبانیہ۔ ایک قوتِ شہوانیہ۔ ایک قوتِ خیالیہ۔ ایک قوت واہمہ۔ ایک قوت عاقلہ۔ پانچوں قوتیں جس روح میں ہوتی ہیں اس میں قوت عاقلہ اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ بقیہ چار قوتیں کالعدم ہوجاتی ہیں گویا کہ ہیں ہی نہیں۔ ایسی روح کو روح کہتے ہیں۔

اور جس روح میں قوتِ غضبانیہ وشہوانیہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ بقیہ قوتیں اس کے مقابلہ میں مضمحل اور کمزور ہوتی ہیں وہ روح حیوانیہ ہے۔ اور حیوانیہ کی دو

قسمیں ہیں۔ ایک سبعیہ۔ ایک بہیمیہ۔

سبعیہ: وہ ہے جسے پھاڑ کھانے کی عادت ہے جیسے بلی کہ پھاڑ کھاتی ہے۔ کتا وہ بھی پھاڑ کھاتا ہے۔ شیر وہ بھی پھاڑ کھاتا ہے۔ ان سب کے اندر قوت غضبانیہ بڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے یہ حیوانات سباع ہیں۔

اور جس کے اندر قوت شہوانیہ غالب ہوتی ہے وہ روح بہیمیہ کہلاتی ہے ان کے اندر دوسری قسم کی خاصیات ہوتی ہیں۔

اور جس کے اندر قوت خیالیہ واہمہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ جنات کی روح ہے

اور جس میں پانچوں قوتیں حق تعالیٰ نے اعتدال کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں۔ وہ انسان ہے۔ انسان اشرف المخلوقات اس اعتبار سے ہے کہ حق تعالیٰ نے پانچوں قوتیں اس کے اندر اعتدال اور توازن کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں اور اس کے لئے ترقی کا راستہ کھولدیا۔ کہ یہ ترقی کر کے قوت عاقلہ کو حاکم بنالے اور خیالیہ واہمہ، غضبانیہ، شہوانیہ کو محکوم اور تابع بنالے تو یہ سب سے بڑھ جاتا ہے اور اگر اس کے اندر قوت غضبانیہ کا غلبہ ہو جائے تو ہر وقت پھاڑ کھانے کو تیار رہے، ڈانٹ، ڈپٹ۔ غصہ۔ اس کے مار دیا۔ اس کا سر پھوڑ دیا۔ اسکی ناک کاٹ لی۔ یہ سب کچھ حرکتیں کرتا ہے۔

اگر قوت شہوانیہ کا غلبہ ہو جائے تو ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ جانور بھی اس سے شرمانے لگے۔ قوت خیالیہ۔ واہمہ۔ اس کے اندر آجائے تو مسمریزم سیکھتا ہے اور ہوا میں بھی اڑتا ہے۔ اور آنکھیں بند کر کے یہاں سے وہاں پہونچ گیا وہاں سے یہاں پہونچ گیا۔ یہ سب کچھ کرتا ہے۔

انسان کو جو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ. بنی آدم کو صاحب کرامت قرار دیا ہے تو اس لئے نہیں کہ اس کی قوت غضبانیہ

بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ یا اس لئے نہیں کہ قوت خیالیہ۔ واہمہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے بلکہ اس لئے قرار دیا ہے کہ ساری قوتیں اعتدال کے ساتھ پیدا ہونے کے باوجود اس نے وہ ترقی کی جو اس کے لئے نافع ہے کہ جس کے ذریعہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور سعادت عظمیٰ اس کو نصیب ہوتی ہے۔

جانوروں کے اندر تو کمالات خلقی اور پیدائشی ہوتے ہیں۔ مثلاً تیرنا یہ خلقی ہے کتے کا بچہ بھی تیرتا ہے۔ بلی کا بچہ بھی۔ گھوڑے کا بچہ بھی اور انسان جب تک استاد سے تیرنا نہ سیکھے نہیں تیر سکتا۔

اسی طرح دوسرے کمالات جو دوسرے جانوروں میں ہوتے ہیں وہ بھی خلقی اور پیدائشی ہوتے ہیں۔

اور انسان بے کمال پیدا ہوتا ہے۔ کوئی کمال اپنے ساتھ لیکر نہیں آتا۔ اس دنیا میں آکر یہ کمالات حاصل کرتا ہے۔ سیکھتا ہے۔ ترقی کے دروازے اسکے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ بہت آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ان ترقیات پر حق تعالیٰ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا اور یوں فرمایا۔ کہ ہمیں ایسی زندگی مطلوب ہے جیسی ان کی زندگی ہے۔ جیسی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ویسی زندگی حق تعالیٰ کو مطلوب ہے اور پسند ہے۔ حق تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ سب لوگ اسی طریقہ پر چلیں۔ تو جتنے لوگ جس قدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلیں گے۔ اسی قدر حق تعالیٰ کے محبوب بنتے چلے جائیں گے۔ اصل معیار یہ ہے اس معیار پر جو چلے گا وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا چلا جائے گا۔ اور یہ قرب ایسا نہیں جو آنکھوں سے نظر آتا ہو کانوں سے سنائی دیتا ہو۔ زبان سے چکھنے کے قابل ہو۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۔ شہ رگ سے بھی حق تعالیٰ زدہ قریب ہیں اس کی ایسی ذاتِ عالی ہے کہ اس کے قرب کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ اس دنیا میں نہیں دی جا سکتی جس طرح اسکی ذات وراء الوراء ہے کوئی اس کا ادراک نہیں کر سکتا ۔ اسی طرح اس کا قرب بھی وراء الوراء ہے اس کو بھی کوئی ادراک نہیں کر سکتا ۔ اور کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتا ۔ رابستہ جو کچھ ہے قرب کا وہ یہی ہے چاہے آنکھوں سے کچھ نظر آئے یا نہ آئے ۔

بعضے اولیاء اللہ کی بڑی کرامتیں ہوتی ہیں ۔ ان کو آنکھوں سے بھی بہت کچھ نظر آتا ہے ۔ جیتے جاگتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں ۔ بیداری کی حالت میں زیارت کرتے ہیں ۔ فیض الباری میں لکھا ہے ۔ کہ جلال الدین سیوطیؒ نے آٹھ مرتبہ بیداری کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی لیکن یہ زیارت بھی ایسی ہوتی ہے کہ اسکی وجہ سے آدمی صحابی نہیں بن جاتا ۔ صحابہؓ کے مقام کو نہیں پہنچ جاتا ۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح مسجد نبوی میں باب الرحمت کے قریب درس دے رہے تھے اس میں حیات النبی کا مسئلہ آ گیا ۔ حضرت مولانا نے اس کو ثابت فرمایا ۔ طلبہ نے اشکال کیا اس کا جواب مرحمت فرمایا ۔ پھر اشکال کیا گیا پھر جواب دیا پھر اشکال کیا ، پھر جواب دیا ۔ پھر ایکدم اسطرف دیکھا ۔ روضۂ اقدس ﷺ کی طرف طلبہ نے بھی دیکھا ۔ دیکھا تو وہاں روضۂ اقدس نہیں ہے ۔ عمارت نہیں ہے جگہ صاف ستھری ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف فرما ہیں ۔ سب نے دیکھا ۔ اچھا بھئی اشکال کرتے ہو ۔ اسپر کیا اشکال کر دگے اس کے بعد پھر اپنی کتاب کی طرف متوجہ ہوئے ۔ طلبہ بھی متوجہ ہوئے ۔ پھر طالب علم نے دیکھا تو روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمارت موجود ہے ،

تو اس قسم کی چیزیں حق تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھلا دیتے ہیں سُنا دیتے ہیں۔

ایکمرتبہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بہت جگہ خطوط لکھے۔ بہت سے علماء سے دریافت کیا کہ ایک بات بتایئے۔ ایک شخص وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں کرتا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو بیداری میں زیارت کرتا ہے ان میں سے کونسی قوی ہے۔

اپنے اپنے ذوق کے مطابق سب نے جوابات دیئے۔ میں حاضر ہوا مجھے بھی فرمایا۔ میں نے کہا، حضرت: خواب کی زیارت قوی ہے بہ نسبت بیداری کے :۔

فرمایا: کیوں ؟

میں نے کہا: اسکی ذمہ داری لی گئی ہے۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِیْ ، یہ ذمہ داری لی گئی ہے، ضمانت ہے کہ جس نے خواب میں دیکھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

اس پر فرمایا: کیا بیداری کی حالت میں شیطان کو قدرت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بنالینے کی ؟

میں نے کہا: کہ شیطان کو تو اسپر بھی قدرت نہیں۔ البتہ قوتِ متخیلہ ایک صورت گھڑ سکتی ہے یہ احتمال باقی رہ جاتا ہے۔ اور خواب میں اس احتمال کو قطع کر دیا گیا۔

بات یہ ہے کہ خواب میں جس نے دیکھا وہ تو خواب کی رو سے صحیح ہے اور یہاں قوتِ متخیلہ ایک صورت بنا سکتی ہے۔ ایسے ہی قوت واہمہ صورت گھڑ سکتی ہے اور گھڑ لیتی ہے۔ جنگل میں جاتے ہوئے کتنی صورتیں نظر آجاتی ہیں اور دوسرے جانے کیا کیا نظر آتا ہے۔ اس لئے یہاں نظر آوے یا نہ آوے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہو رہا ہے۔ اور ہمارا ایمان تو قرآن پاک پر ہے۔ اپنی آنکھوں پر تھوڑا

ہی ہے۔ اپنی آنکھوں کے حوالہ کر دیا جائے تو کچھ بھی حاصل نہ ہو۔ اور ہم نے دیکھا ہی کیا :۔ جنت دیکھی، دوزخ دیکھی، عرش دیکھا، کرسی دیکھی، لوح دیکھی، حوضِ کوثر دیکھی، کچھ بھی نہیں دیکھا۔ قبر کے اندر کیا ہو رہا ہے اس کو اپنی آنکھ سے دیکھا، منکر نکیر کو قبر میں دیکھا۔ قبر میں جو روشنی کر دی جاتی ہے۔ جنت کا راستہ دروازہ کھولدیا جاتا ہے، دیکھا نہیں دیکھا۔ ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرما دیا اس پر ایمان لے آئے، آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لانے کا تو ہم سے مطالبہ نہیں۔ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ہے۔ جو چیزیں غیب ہیں ان پر ایمان کا مطالبہ ہے آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں پر ایمان لانے کا مطالبہ نہیں۔ اسی وجہ سے جب انسان کے انتقال کا وقت آجاتا ہے۔ عالمِ آخرت کی چیزیں اسپر منکشف ہو جاتی ہیں۔ ملک الموت سامنے آجاتا ہے اس وقت جو ایمان لاتے ہیں تو اس وقت کا ایمان بھی مقبول نہیں۔ غرغرہ کیحالت کا ایمان مقبول نہیں ہے۔ اس واسطے کہ ایمان بالغیب نہیں۔ رہا ایمان بالمشاہدہ تو مرنیکے بعد جب وہاں سب چیزیں سامنے آئیں گی جنکی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے تو ان کو دیکھ کر کہیں گے أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ہم نے دیکھ لیا سن لیا اب ہمیں لوٹا دیجئے دنیا میں جاکر پھر سے عمل کریں گے۔ انکی یہ بات منظور نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہاں تو ایمان بالغیب معتبر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا شیر خوارگی کے زمانہ میں۔ سولہ سترہ مہینہ کی عمر میں۔ ایک روز بچّہ کی والدہ نے کہا کہ دودھ جوش مار رہا ہے، دودھ پینے کی مدّت پوری نہیں ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسکو تمہارے دودھ کی ضرورت نہیں رہی۔ جنّت میں اس کے لئے دودھ کا انتظام ہو گیا۔ تم چاہو تو تم کو اس کی صورت دکھلا دوں، چاہو تو اسکی آواز سنوا دوں۔ ماں نے جواب دیا۔ کہ نہیں، مجھے صورت دیکھنے کی ضرورت نہیں، نہ آواز سننے کی ضرورت۔ آپ نے فرمادیا۔

بس وہ کافی ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے باوجود پھر بھی یقین کرنا دیکھنے پر موقوف رہتا تو یہ ایمان بالغیب نہ رہتا۔ یہ روایت ابن ماجہ میں موجود ہے اس واسطے یہاں ایمان بالغیب معتبر ہے۔ تو مؤمن کے ایمان کی اعلیٰ درجہ کی ترقی اور اسکی سعادت یہی ہے کہ اس کا ایمان مغیبات پر سب سے زیادہ ہو۔

اپنی آنکھوں کو جھٹلایا جا سکتا ہے اور جتنے تجربہ کار۔ دانشمند۔ ڈکٹیٹر ہوں انکی بات غلط ہو سکتی ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ سچ ہے اس کے اندر کذب کا احتمال نہیں۔ اس چیز میں انسان جتنا پختہ ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا اس کو قرب نصیب ہوگا۔ اسکی زندگی جس قدر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق ہوگی اسی قدر حق تعالیٰ کا محبوب ہوگا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ کا نام لینا خواہ غفلت سے ہی کیوں نہ ہو بیکار نہیں۔ کارآمد ہے۔ باقی کسی کا شعر ہے ؎

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر
این چنین تسبیح کے دارد اثر

مگر بعضے بزرگوں نے اس میں بھی ترمیم کر دی ؎

این چنین تسبیح ہم دارد اثر

ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر اِدھر اُدھر کی باتیں لگی ہوئی ہیں اس تسبیح کا بھی اثر ہوتا ہے بے اثر یہ تسبیح بھی نہیں۔

ایک دوسرا شعر ہے ؎

سُبحہ درکف، توبہ برلب، دل پُراز ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

ہاتھ میں تسبیح، لبوں پر توبہ، اور دل گناہ کے ذوق میں بھرا ہوا ہے۔ اب یہ گناہ کروں، اب یہ گناہ کروں۔ معصیت کو بھی ہمارے استغفار پر ہنسی آتی ہے۔

معصیت ہنستی ہے کہ یہ استغفار کر رہے ہیں۔

حضرت سری سقطی رح کا مقولہ ہے اِسْتِغْفَارُنَا مُحْتَاجٌ اِلَی اِسْتِغْفَارٍ کَثِیْرٍ۔ ہمارا تو استغفار کرنا بھی بہت سے استغفار کا محتاج ہے۔ کیونکہ استغفار کے معنیٰ یہ ہیں کہ اے اللہ میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں یہ تو زبان سے کہہ رہا ہے کیا واقعی دل میں بھی چاہتا ہے۔ اگر دل میں معصیت سے مغفرت چاہنے کے بجائے اس کے شوق میں ڈوبا ہوا ہے تو یہ تو زبان سے ایسی بات کہہ رہا ہے جو دل میں نہیں یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ کا مصداق ہے جو نفاق ہے اس لئے فرماتے ہیں اِسْتِغْفَارُنَا مُحْتَاجٌ اِلَی اِسْتِغْفَارٍ کَثِیْرٍ۔ ہمارا تو استغفار بھی بہت استغفار کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ نے زبان کو ذکر کی توفیق دی۔ اس زبان میں سچائی بھی عطا فرما دے دل کو بھی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی پسندیدہ زندگی نصیب فرمائے (آمین

تزکیہ نفس

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۝ صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی ۝

اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ تحقیق بالیقین وہ شخص کامیاب ہے جس نے تزکیۂ باطن کرلیا۔ جس نے اپنے اندر کو اپنے باطن کو سدھار لیا وہی شخص کامیاب ہے، دنیا میں کامیابی کا نقطۂ نظر بہت مختلف ہے۔ ایک شخص کو مکان کی ضرورت ہے وہ سمجھتا ہے کہ مجھے مکان مل گیا تو بس کامیاب، عالیشان بلڈنگ بنوالی تو بس کامیاب ہوگیا۔ ایک شخص کو دوکان کی ضرورت ہے وہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو فلاں جگہ دوکان ملجائے تو میں کامیاب، ایک شخص کو شادی کی ضرورت ہے وہ سمجھتا ہے کہ فلاں جگہ شادی ہوجائے تو میں کامیاب، ایک شخص کو ملازمت نہیں ملتی وہ سوچتا ہے کہ مجھے فلاں جگہ ملازمت ملجائے تو میں کامیاب۔ الیکشن آئے گا، ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میں الیکشن میں کامیاب ہوجاؤں پارلیمنٹ کا ممبر بن جاؤں، تو بس کامیاب۔ غرض کہ ہر ایک کا نقطۂ نظر الگ الگ ہے اور صحیح ان میں سے وہ ہے جو ان سب کے پیدا کرنیوالے نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ

نے جس کو کامیاب فرمایا وہ درحقیقت کامیاب ہے۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ چیزیں ہیں وہ کامیابی کی نہیں۔ بھلاوے کی چیزیں ہیں۔ معمولی طور پر ایک چمک دمک کی چیزیں ہیں بہت جلد فنا ہو جانے والی ہیں۔ کامیاب تو وہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ ہے۔ تزکیۂ باطن سے اخلاق فاضلہ حاصل ہوتے ہیں۔ اعمال صالحہ حاصل ہوتے ہیں وہ اخلاقِ فاضلہ وہ اعمالِ صالحہ انسان کا ساتھ دینے والے ہیں۔ دنیا میں بھی، قبر میں بھی، حشر میں بھی، پلصراط پر بھی، میزان پر بھی۔ ہر جگہ ساتھ دینے والے ہیں۔ درحقیقت ایسی چیز کسی کو میسر آجائے۔ تو وہ کامیابی کی چیز ہے۔

اگر کسی کے پاس روپیہ ہو۔ بہت سارا جمع کر لیا ہو۔ نوٹوں کی گڈیاں جمع کر لیں لیکن ایک دیمک کا کیڑا اس پر مسلط ہو جائے تو سب کو کھا کے ختم کر دے یہ بھی کوئی کامیابی ہے جس کو ایک کیڑا ختم کر دے، استغفر اللہ، یہ تو کچھ بھی کامیابی نہیں، ناکامی ہی ناکامی ہے۔

ایک شخص کے پاس ہوائی جہاز ہے۔ اس سے آمدنی بہت ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں کامیاب ہوں۔ ایک پرزہ اگر اوپر سے خراب ہو جائے۔ دھم سے نیچے آگرے جہاز میں جتنے آدمی تھے وہ بھی گئے اس کا ڈرائیور چلانے والا بھی گیا سب ختم ہو گئے ایک شخص کے پاس موٹر ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں کامیاب ہوں۔ لیکن چلتے چلتے کسی جگہ ایکسیڈنڈ ایسا ہوا۔ جس سے موٹر بھی ٹوٹ گیا اور ڈرائیور بھی ختم ہو گیا۔ یہ بھی کچھ کامیابی ہے۔ ایک شخص کی ملکیت میں ایک بہت بڑی ریل ہے۔ اس کا ایکسیڈنڈ ہو گیا جس کے نتیجہ میں کتنے مسافر اس میں مارے گئے۔ کتنے تباہ و برباد ہوئے، زخمی ہوئے یہ کیا کامیابی ہے۔ غرض کہ ان میں کسی چیز میں حقیقی کامیابی نہیں۔

ایسا بھی دیکھا ہے کہ صبح کو سیٹھ گدی پر بیٹھا ہے۔ نخوت و تکبر کا یہ عالم ہے کہ کسی کالے آدمی سے بات کرنے کو تیار نہیں۔ اور جناب شام کو پستول لے کر آدمی پہونچے

اور کہا کہ اس کاغذ پر دستخط کرو کہ ہم نے یہ ساری دوکان فروخت کردیں اور قیمت وصول پائی۔ ورنہ ابھی پستول سے مارے دیتے ہیں۔ اس نے جناب دستخط کردیئے اب فوراً کان پکڑ کر اس کو اٹھا دیا کہ چلو یہاں سے۔ چلا گیا۔ شام کے کھانے تک کے پیسے اس کے پاس نہیں۔ ایسی کیفیت بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی چیز دل لگانے کے قابل نہیں۔ بھروسہ کرنے کے قابل نہیں، محبت کرنے کے قابل نہیں۔ یہ سب چیزیں دھوکہ کی ہیں انکی کوئی حیثیت نہیں۔ حقیقی کامیابی وہ ہے جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی کامیاب ہے وہ شخص جس نے تزکیہ باطن کرلیا مثلاً نفس کے اندر بخل ہے۔ بخل کو دور کرکے سخاوت کو حاصل کرلیا۔ بخل کو کیسے دور کیا جاتا ہے۔ سخاوت کو کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔ کیا سخاوت کی تعریف ہے۔ کوئی مقالہ شاندار دلائل کے ساتھ لکھ کر آدمی پڑھ کر سنادے، کیا وہ سخی ہے محض مقالہ لکھدینے سے تو سخی نہیں ہوجاتا۔ یا کسی نے رسالہ لکھ کر چھاپ دیا کیا وہ سخی ہوگیا۔ کیا سخی کی تعریف میں کوئی مستقل رسالہ لکھدے تو کیا وہ سخی ہوگیا۔ یا سخاوت جہاں جہاں کیجاتی ہے، اس کے دروازے اور راستے سارے بتادے، ساری قسمیں بتادے۔ کیا اس بتانے سے وہ سخی ہوگیا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے حالات میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس سے کہا، تو بخیل ہے۔ نفس نے کہا: میں کیوں بخیل ہوتا۔ میں تو بہت سخی ہوں۔ کہا: نہیں تو بخیل ہے۔ اس نے کہا: میں سخی ہوں۔ اچھا۔ طے یہ پایا کہ کل جتنی نقد رقم اپنے پاس ہو سب سے پہلے جو غریب ملے اس کو دیدو۔ اگر خوشدلی سے رقم دیدی تو معلوم ہوتا ہے کہ سخی ہے اور جو دینے میں خوشدلی نہ ہوئی تو معلوم ہوتا ہے کہ بخیل ہے:۔

صبح کو دیکھا پچاس اشرفیاں ان کے پاس تھیں ان کو لے کر چلے، ایک جگہ ایک

نابینا حافظ بیٹھے ہوئے کسی نائی کی دوکان پر حجامت بنوا رہے ہیں۔ پرانے سے میلے سے کپڑے ہیں۔ انہوں نے لیجاکر بہت ادب و احترام کے ساتھ وہ اشرفیاں انکی خدمت میں پیش کیں اور کہا۔ حافظ صاحب یہ پچاس اشرفیاں آپکی خدمت میں نذرانہ ہے۔ حافظ صاحب نے کہا اچھا ہوا۔ تم لے آئے میرے پاس اس نائی کو اجرت دینے کیلئے بھی کچھ نہیں تھا۔ اسے دیدو۔ انہیں خیال آیا کہ یہ نابینا ہیں۔ ان کو پتہ نہیں کہ کتنی اشرفیاں ہیں۔ نائی کی اجرت بال بنانے کی کہیں پچاس اشرفیاں ہوتی ہیں۔ حافظ صاحب نے سر اٹھاکر کہا۔ اسی واسطے تو کہتے تھے کہ تم بخیل ہو دیتے کیوں نہیں دیتے۔ افوہ یہ تو بہت دور کی پتہ کی بات بتا رہے ہیں۔ بہت شرمندگی ہوئی اور وہ سب اشرفیاں اٹھاکر نائی کے سامنے رکھدیں۔ نائی نے کہا کہ میں نے جب حافظ صاحب کے میلے کپڑے دیکھے تھے اسی وقت سوچ لیا تھا اور ارادہ کرلیا تھا کہ انکی حجامت اللہ واسطے بناؤں گا۔ ان ٹھیکروں کی وجہ سے میں اپنی نیت خراب نہیں کرتا۔ مجھے نہیں چاہیئے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی ذلت اسوقت محسوس ہوئی کہ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اشرفیاں لائے اور لاکر دریا میں پھینکدیں کہ خدا تمہیں غارت کرے جو تم سے دل لگادے وہ اسی طرح ذلیل ہے۔

تو سخاوت کی تعریف کے بجائے عمل کی ضرورت ہے۔ یہ تو عملی چیز ہے۔ سخاوت کی خالی تعریف کردینے سے، قصیدہ یا رسالہ لکھدینے سے آدمی سخی نہیں ہوجاتا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابۂ کرامؓ کی تربیت فرمائی۔ ان پر کوشش و محنت کی اللہ پاک نے ان کو کامیاب فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں۔ یُزَکِّیْھِمْ۔ بھی تو ہے کہ تزکیۂ باطن فرماتے تھے۔ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کو اٹھاکر دیکھنا چاہیئے کیسی کیسی سخاوت کی باتیں ان سے صادر ہوئیں۔

ایک جگہ چند آدمی بیٹھے ہیں آپس میں گفتگو ہو رہی ہے کہ اس وقت کون شخص زیادہ سخی ہے۔ تین آدمیوں کے نام پیش کئے گئے۔ کسی نے ایک کا کسی نے دوسرے کا کسی نے تیسرے کا نام پیش کیا۔ وہ تین نام کون تھے۔ ایک عبداللہ بن جعفر ایک قیس۔ ایک اور صاحب نابینا۔ آپس میں طے ہوا کہ ان تینوں کی آزمائش ہونی چاہیئے ان میں سے ایک اُٹھا اور عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس پہونچا۔ یہ عبداللہ ابن جعفرؓ ایسے آدمی تھے کہ جب سفر میں جاتے تو اپنی اونٹنی کو اشرفیوں سے روپیوں سے، کھانے پینے کی چیزوں سے بھر کر چلتے تھے کہ راستہ میں کسی کی خاطر تواضع کرنے میں کچھ پریشانی اٹھانی نہ پڑے۔ اس واسطے کہ اس وقت کی یہ کیفیت تھی کہ کئی کئی روز گذر جاتے تھے کہ کہیں پانی نہیں ملتا تھا۔ سائل نے ان سے جا کر کہا کہ میں ایک مسافر آدمی ہوں مجھے سواری چاہیئے۔ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ اس وقت سفر کرنے کے لئے تیار تھے۔ اونٹنی بھری بھرائی کھڑی تھی صرف سوار ہونے کی دیر تھی اور اس وقت سواری چاہنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا جیسا آج کل گھنٹے آدھ گھنٹے کے لئے کسی کی موٹر مانگ لی کہ میں ذرا سورت ہو آؤں اور لاکر واپس کر دی اور تیل کے پیسے بھی دیدیئے۔ بعض تیل کے پیسے نہیں دیتے تو موٹر والا مانگ لیتا ہے کہ تیل کے پیسے تو دیکر جاؤ۔ اسوقت سواری کا مانگنا ایسا نہیں تھا بلکہ جو سواری مانگ لی مانگ لی پھر اسکی واپسی نہیں ہوتی تھی۔ اونٹنی سامان سے اشرفیوں سے لدی لدائی تیار کھڑی تھی۔ عبداللہ ابن جعفرؓ نے وہ اونٹنی اس کے حوالہ کر دی کہ جاؤ لیجاؤ۔ وہ اس کو لیکر خوشی خوشی آئے جہاں ممتحنین کا بورڈ بیٹھا تھا۔ ان کے سامنے لاکر کہا کہ دیکھو یہ عبداللہ ابن جعفرؓ کے یہاں سے لایا ہوں۔

اس کے بعد وہ صاحب دوسرے صاحب (جنکا نام قیس تھا) کے یہاں گئے ان کے مکان پر پہونچ کر معلوم ہوا کہ قیس تو ہیں نہیں کہیں باہر گئے ہوئے ہیں

باندی نے پوچھا کیا بات ہے، کیا کام تھا۔ جواب دیا ان سے ہی کام تھا تم سے کام نہیں۔ باندی نے کہا بتاؤ تو سہی۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے بس کا نہیں۔ باندی نے کہا۔ اللہ کے بندے بتاؤ تو سہی کیا کام ہے۔ کہا: میں ایک مسافر ہوں مجھے سواری چاہیئے۔ باندی نے کہا اس کے لئے ان کے ہونے اور ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت، اتنی اجازت تو مجھے بھی ہے یہ کہہ کر اونٹوں کے گلہ میں سے عمدہ سی اونٹنی لاکر حوالہ کردی۔ یہ اونٹنی لے کر لوٹ آئے اور آکر بتایا کہ یہ انکی باندی نے دی وہ خود موجود نہیں تھے۔

پھر یہ تیسرے کے یہاں پہنچے جو نابینا تھے اور اپاہج بھی گٹھیا کی بیماری تھی اور وہ دو غلاموں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیر کو گھسیٹتے ہوئے مکان سے مسجد جارہے تھے نماز پڑھنے کے لئے اسی حالت میں سائل نے ان سے جاکر کہا کہ میں ایک مسافر ہوں مجھے سواری چاہیئے۔ انہوں نے (نابینا نے) کہا کہ میری ملکیت میں آج ان دو غلاموں کے سوا کوئی اور چیز نہیں یہ دونوں غلام میں نے تم کو دیئے تم ان کو لیجاؤ اور ان کو فروخت کرکے ان کی قیمت سے سواری کا انتظام کرلو۔ یہ کہہ کر غلاموں کے کندھے سے ہاتھ اٹھا لئے۔ کیونکہ جب کہہ دیا کہ تم کو دیئے تو ان کی ملکیت ختم ہوگئی۔ اب کندھے پر کیسے ہاتھ رکھیں اس لئے ہاتھ اٹھالئے اور چونکہ گٹھیا کی بیماری تھی اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوسکتے تھے۔ گرے گھٹنوں میں بھی چوٹ آئی۔ نابینا بھی تھے اور اپاہج بھی۔ سائل نے کہا۔ آپ کو غلاموں کی ضرورت ہے آپ ان کو رکھئے میں اپنی سواری کا انتظام دوسری جگہ سے کرلوں گا۔ انہوں نے کہا: اچھا تم نہیں لیتے تو میری طرف سے یہ آزاد۔ میں نے اپنی ملکیت ختم کردی سائل نے واپس آکر واقعہ بتایا۔

تو بھئی سخاوت دیکھنا ہو تو ان حضرات کی سخاوت کو دیکھو کس شان کی تھی ہے

حضرت عدی بن حاتم رضؓ حاتم طائی کے بیٹے ہے (حاتم طائی کی سخاوت تو پوری دنیا میں مشہور ہے) ایک صاحب نے کہا کہ میرے یہاں ایک تقریب ہے۔ مہمان آئیں گے۔ کچھ برتن چاہئیں گے، پوچھا کتنے مہمان آئیں گے۔ جواب دیا اتنے مہمان آئیں گے اور اونچے پیمانہ پر تقریب کرنی ہے، فلاں روز اور فلاں تاریخ میں آئیں گے جواب دیا اچھی بات بھیجدیں گے۔ اب وہ دن گنتے جارہے ہیں وہ برتن نہیں بھیج رہے ہیں دس روز رہ گئے۔ نو روز رہ گئے، آٹھ روز۔ سات روز۔ چھ روز۔ پانچ روز۔ چار روز۔ تین روز۔ دو دن رہ گئے۔ ایکدن رہ گیا۔ وہ برتن نہیں بھیج رہے ہیں ان کو بھی زیادہ پریشانی نہیں کہ برتن نہیں آئے۔ مہمان آجائیں گے تو کیا ہوگا۔ یہاں تک کہ تاریخ آگئی۔ مہمان بھی آگئے۔ جب مہمان آگئے اس وقت انہوں نے برتن بھیجے اور برتن میں شاندار اعلیٰ قسم کا کھانا تیار کرا کے بھیجا وہ خوش ہوگئے کہ اچھا ہوا مجھے کھانے کا انتظام بھی نہیں کرنا پڑا پکا پکایا کھانا بھجوادیا۔ انہوں نے مہمانوں کو کھلایا۔ جب برتن واپس کئے تو کہا کہ میں نے تو خالی برتن منگائے تھے کھانا تو نہیں منگایا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے گھر سے کبھی برتن خالی گیا ہی نہیں۔ خالی برتن بھیجنا خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ سخاوت کرنے والے وہ حضرات ہیں سخاوت کی تعریف اور چیز ہے۔ سخاوت کے ساتھ متصف ہونا اور چیز ہے۔

"تزکّی" کے معنی تعریف کرنے کے نہیں، جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں جو صفتِ کلام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زید وعمرو کے درمیان کلام کو پیدا کرنیوالا ہے۔ خود کلام کے ساتھ متصف نہیں۔ اس کا یہ کہنا غلط ہے۔

سخاوت تو ایسی چیز ہے کہ آدمی خود اس سے متصف ہو۔

انہیں عبداللہ ابن جعفرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے سے زیادہ بھی کوئی سخی پایا ہے؟ کہنے لگے لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں کیا اور میری سخاوت کیا۔ سارا عرب مجھ سے زیادہ

سنی ۔ بتلایا ۔ میں نے ایک جگہ پر دیکھا ۔ ایک باغ ہے ہرا بھرا اور ایک آدمی اس کی خدمت کر رہا ہے ، تھانولے پینڈے لگا رہا ہے اور پانی دے رہا ہے میں کچھ دیر بیٹھا رہا پھر اس سے پوچھا بھئی اس باغ میں سب سے زیادہ عمدہ پھل کونسے درخت کا ہے اس نے جواب دیا ۔ کہ مجھے نہیں معلوم میں مالک نہیں ہوں میں تو محافظ و خادم ہوں میں نے چکّھا نہیں ۔ یہ بھی غور کرتے جایئے وہ محافظ ہے باغ کا ۔ نہیں جانتا کہ کون سے درخت کا پھل ۔ کونسے رنگ کا پھل سب سے بڑھیا ہے ۔ اور ہم لوگ بھی مدرّ والے محافظ ہوتے ہیں ۔ ذرا دیکھ بھال کے چلنا ۔ ان کو بہت خیال آیا کہ بھئی یہ تو بہت عمدہ آدمی ہے ۔ اس سے پوچھا تمہارے مالک کا کیا نام ہے بتلایا یہ نام فلاں جگہ پر ہے ۔ اتنے میں اس کے پاس روٹی آئی ۔ کوئی لایا ۔ اس کے پاس ایک کتا بھی تھا باغ میں کتّا بھی رہتا تھا ۔ روٹی دیکھ کر کتّا بھی آگیا ۔ ایک نوالہ یہ خود کھاتا تھا اور ایک نوالہ کتّے کو دیتا تھا ۔ جتنا بڑا نوالہ خود نے لیا ، اتنا ہی بڑا نوالہ کتّے کو دیا ۔ یہاں تک کہ دو روٹی ختم ہوگئیں ۔ انہوں نے پوچھا تمہارا مالک تم کو کیا دیتا ہے ۔ کہا تم نے دیکھ ہی لیا دو روٹی دیتا ہے ۔ پوچھا : تم نے یہ کیا معاملہ کیا کہ ایک نوالہ کتّے کو دیتے تھے اور ایک نوالہ خود کھاتے تھے ۔ بتایا ، کہ یہ کتّا میرا رفیق ہے ۔ میں بھی باغ کی حفاظت کرتا ہوں ۔ یہ بھی باغ کی حفاظت کرتا ہے ۔ جب باغ کی حفاظت کرنے میں میرا رفیق ہے تو جتنی اجرت مجھ کو ملتی ہے اس میں بھی یہ میرا برابر کا شریک ہے ۔ ان کو اسکی بڑی قدر ہوئی ۔ اس کے مالک کے پاس گئے اور جاکر کہا : میں نے تمہارا باغ دیکھا ہے ، مجھے بے حد پسند آیا ۔ میں اس کو خریدنا چاہتا ہوں ۔ کہا اچھی بات بیچدیا ۔ انہوں نے قیمت لاکر دیدی ۔ پھر پوچھا تمہارے یہاں کوئی باندی بھی ہے کہا : ہاں باندی بھی ہے ۔ کہا پھر بڑھیا سی باندی بھی لا دو ۔ باندی لے کر آیا وہ بھی خریدلی ۔ پھر کہا جو شخص باغ کا محافظ ہے میں اس کو بھی خریدنا

چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا میں اس کو بیچنا نہیں چاہتا اس واسطے کہ بچپن سے ہمارے یہاں رہا ہے، پلا ہے، سارے خاندان کو اس سے تعلق ہے کہا کہ بھئی مجھے تو اس کے خریدنے کی بڑی تمنا تھی۔ اس نے کہا: اچھا آپکی تمنا ہے تو بہت اچھا میں نے فروخت کر دیا۔ انہوں نے اسے بھی خرید لیا۔

باندی کو لے کر آئے اور اس باغ کے محافظ سے کہا کہ بھئی میں نے یہ باغ خرید لیا اس نے کہا بہت اچھا۔ اللہ برکت دے یہ کہہ کر وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا کہ اب میرا کیا کام۔ میرے مالک کا باغ رہا نہیں۔ انہوں نے کہا ٹھیرو۔ میں نے اس باندی کو بھی خرید لیا ہے اس نے کہا اللہ اس میں بھی برکت دے۔ کہا میں نے تمہیں بھی خرید لیا۔ اس نے کہا مجھے اس سے قلق ہوا اس واسطے کہ میں بچپن سے اس گھر میں رہا ہوں۔ اس خاندان سے مجھے تعلق ہے بہر حال جب آپ نے خرید لیا تو اللہ اس میں بھی برکت دے۔

انہوں نے کہا کہ اس باندی کا نکاح تم سے کر دیا اس نے کہا بہت اچھا اللہ برکت دے پھر کہا کہ میں نے تم دونوں کو آزاد کیا تم کو بھی اور باندی کو بھی یہ باندی تمہاری بیوی اور یہ باغ تم دونوں کو دیدیا۔ پہلے محافظ ہونے ہونے کی حیثیت سے وہ شخص باغ میں رہتا تھا اور خدمت کرتا تھا، اب وہ مالک ہو گیا۔ ان حضرات کی سخاوت کا یہ عالم تھا۔

ایک صاحب چلے ہوئے جارہے تھے ایک کھیت پر گذر ہوا۔ ایک نوجوان اٹھا اس نے کہا: السلام علیکم: میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس نے کہا اللہ مغفرت فرمائے، تم کو صبر و سکون دے۔ اس نے کہا میں نے جب حساب کے کاغذات دیکھے تو اس میں اتنے ہزار روپے والد صاحب کے تمہارے ذمہ ہیں۔ کہا اچھی بات جب جی چاہے لے لینا۔ جو خادم ساتھ تھا اس سے فرمایا کہ جب یہ لینے

کے لئے آئیں تو اتنے ہزار روپے ان کو دے دینا اور چلے گئے۔ ایک دو روز بعد پھر ادھر سے گذر ہوا پھر وہ لڑکا اٹھا اور کہا مجھ سے سمجھنے میں غلطی ہوگئی۔ میرے والد صاحب آپ کے ذمہ نہیں چاہیئے۔ بلکہ آپ کا چاہیئے والد صاحب کے ذمہ۔ انھوں نے فرمایا اچھا میں نے معاف کیا۔ لڑکے نے کہا میں معاف نہیں کراتا ہیں تو دوں گا کہا اچھی بات دیدو۔ کہا سب تو ہیں نہیں دے سکتا۔ فرمایا: جتنا ہو اتنا دیدو اس نے کہا روپیہ تو ہے نہیں۔ زمین کا یہ ٹکڑا لے لو۔ کہا اچھی بات اس کو لے لیا۔ اس زمین میں مصلیٰ بچھایا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس کو وقف کردیا اور آگے چلدیئے۔

ان حضرات کی سخاوت اس کیفیت کی تھی۔ وہ محض زبانی سخاوت نہیں کرتے تھے۔ قلبی سخاوت نہیں کرتے تھے۔ سخاوت تو انکی گھٹی میں پڑی تھی بخل پاس کو نہیں تھا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى بہت ہی کامیاب ہے وہ شخص جس نے تزکیۂ باطن کرلیا مثلاً بخل کو دور کردیا اور سخاوت کو اپنے اندر پیدا کرلیا۔ حاصل کرلیا۔

ایک شخص نے ایک صاحب سے آکر کہا کہ بڑی پریشانی کی بات ہے فلاں شخص کے میرے ذمہ اتنے روپیئے میری طرف چاہئیں، اس نے مجھے پکڑا میں نے کل کا وعدہ کرلیا اور میرے پاس کل کو دینے کو نہیں، وہ آئے گا تو ذلیل کرے گا۔ انہوں نے کہا روپیہ تو میرے پاس ہے نہیں۔ تمہیں ترکیب بتلائے دیتا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں کل کو تجھ کو دونگا اور وعدہ دَین ہوتا ہے اَلْعِدَۃُ دَیْنٌ وعدہ بھی دین ہوتا ہے۔ لہٰذا دین ہوگیا۔ تم میرے اوپر قاضی کے یہاں جاکر عدالت میں دعویٰ دائر کردو کہ اس کے اوپر اتنا دین چاہیئے۔ میں کہوں گا میرے پاس دینے کو نہیں تم کہنا یہ غلط کہتا ہے۔ اس کے پاس ہے۔ قاضی مجھے جیل میں ڈالدے گا میرے گھر کے خاندان کے فلاں فلاں عزیز کو خبر کرنا وہ جائیں گے اور جاکر کے روپیہ دے کر چھڑالیں گے تب تم روپیہ اس کو دے دینا۔ چنانچہ اسکی خاطر اس کو برداشت کیا کہ خود جیل میں چلے

جائیں۔

خَیۡرُ الۡبَشَرِ بَعۡدَ الۡاَنۡبِیَاءِ: انبیاء کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ان کا درجہ ہے مقام کتنا بلند ہوگا مگر حالت یہ تھی کہ سفر سے واپس آرہے ہیں بچوں نے دیکھ لیا تو دوڑے دوڑے گئے لپٹ گئے ان کے اپنے بیٹے نہیں محلہ کے بچے انہوں نے ایک کو آگے بٹھایا ایک کو پیچھے بٹھایا۔ ان کو لے کر چلے آئے، سفر میں جاتے تو محلہ کے لڑکے آکر لپٹ جاتے کوئی دامن پکڑ رہا ہے کوئی آستین پکڑ رہا ہے کوئی ہاتھ پکڑ رہا ہے۔ مزاج میں ایسی شفقت تھی یہ امیر المومنین کا حال تھا۔ بڑے شاندار آدمی تھے یہ نہیں سوچا کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں۔ یہ میری شان کے خلاف ہے۔ یہ تقاضائے شفقت تھا۔ جو مقتضیٰ بدل جاہ ہے۔

غرض کہ جو بخل کی صفت ہے اس کو دل سے نکالنا اور سخاوت کی صفت پیدا کرنا یہ چیز ہے۔ سخاوت قلب سے ہوتی ہے۔ ہاتھ تو اس کا ذریعہ اور آلہ ہے۔ حقیقی سخاوت قلب سے ہے خَیۡرُ الۡغِنٰی غِنَی الۡقَلۡبِ۔ جو قلب کا غنی ہے وہ درحقیقت کارآمد ہے۔ اس واسطے کہ آدمی کو یہ پریشانی ہوتی ہے۔ میں نے اتنا روپیہ دے دیا تو میرے پاس کہاں سے آئے گا اور جب قلب کے اندر غنیٰ ہو اور مالک الملک پر اعتماد ہو کہ اس کے پاس سب کچھ ہے وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ ہر چیز کے خزانے اس کے پاس ہیں اسکے خزانے پر اعتماد ہو اپنے ہاتھ کے روپئے پر اعتماد نہو اپنی جیب کے روپیہ پر اعتماد نہو بلکہ خداوند تعالیٰ کے خزانے پر اعتماد ہو یہ اعتماد اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس لئے کہ جب آدمی بخل کرتا ہے تو بخل کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جو چیز میرے پاس ہے وہ دوسرے کو دیدونگا تو میں خالی رہ جاؤنگا۔ میری ضرورت کی چیز ہے۔

دوسرے وقت - مجھے کہاں سے ملیگی - کماؤں گا ملے نہ ملے، کامیاب ہوں یا ناکامیاب
یہ سب لغویات ہوتی ہیں - جن کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے اور اگر حق تعالیٰ پر اعتماد
ہو کہ جس نے پہلے دیا آئندہ بھی وہی دے گا تو پھر کوئی بات نہیں ہوتی بڑا اطمینان
رہتا ہے پاس ہے تو مطمئن نہیں ہے تو مطمئن - اپنے پاس نہیں اللہ کے خزانے میں
تو ہے اللہ تعالیٰ نے دینے کا وعدہ کیا ہے وہ دینے والے ہیں تو کاہے کو پریشان ہو -
ایک صاحب کی بیوی نے آٹا گوندھا، طشت میں رکھا اور محلہ میں آگ لینے کے لئے
گئی - پیچھے کوئی سائل آیا شوہر نے ادھر ادھر دیکھا کہ کچھ اور تو ہے نہیں - وہ آٹا رکھا ہوا
ہے طشت اٹھا کر سائل کو دے دیا کہ لیجاؤ - بیوی آگ لیکر آئی پوچھتی ہے یہاں
آٹا رکھ کر گئی تھی وہ کیا ہوا، شوہر نے کہا وہ روٹی پکنے گیا - اس نے کہا ٹھیک بتاؤ
مذاق مت کرو، کہا میں تو ٹھیک ہی بتا رہا ہوں مذاق نہیں ہے - سائل آیا تھا میں نے
دیکھا اور تو کچھ ہے نہیں اٹھا کر میں نے وہی دے دیا وہ روٹی پکا لیگا - اس نے
کہا: اللہ تمہیں ہدایت دے یہاں تو بچوں کے کھانے کے لئے کچھ اور ہے بھی نہیں -
اس نے کہا ہو یا نہ ہو اسکی مجھے خبر نہیں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ سامنے آٹا رکھا
ہوا ہے اور میں کہدوں کہ ہے نہیں یہ نہیں ہو سکتا - یہ غیرت ہوتی تھی انکی کہ جس
ذاتِ عالی نے پہلے عطا کیا پھر نہیں دے گا وہ خود دے گا یہ اعتماد اصل چیز ہے
جس کو یہ اعتماد حاصل ہو جاتا ہے بس وہ پاکیزہ ہے - اللہ کا مقبول بندہ ہے -
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی اور اپنے رب کا نام کثرت
سے لیتا ہے، ذکر کی بڑی تاکید آئی ہے، قرآن پاک میں بھی احادیث میں بھی نماز متعین
چیز ہے دن بھر میں پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے - روزہ متعین ہے سال میں ایک دفعہ
ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں - حج ساری عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن ذکر کے
متعلق ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً

وَ اَصِیلًا۔

یہ جو صبح، شام کی تسبیح بتائی جاتی ہے ان آیات سے ہی ماخوذ ہے۔ صبح کی تسبیح شام کی تسبیح وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا اور ذکر بتایا کثرت سے کرو۔ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اور ایک حدیث میں ہے کہ خدا کا اتنا ذکر کرو کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ یہ پاگل ہو گیا۔ مجنوں ہو گیا۔ اذکروا اللہ حتیٰ یقال انہ لمجنون۔ اتنا ذکر کرو حق تعالیٰ کا کہ لوگ پاگل کہنے لگیں۔ لیکن ایسا نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ ہی کہنے لگے کہ تو پاگل ہو گیا، غلط طریقہ پر ذکر کرنا۔ بے موقع ذکر کرنا، مخلوق کو پریشان کر ڈالنا۔ کہ کسی کو سونے نہیں دیتے۔ بیٹھے ضربیں لگا رہے ہیں، ایسا نہیں۔ بلکہ بندوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے۔

وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ:۔ اپنے رب کا نام لیتا ہے اس کا ذکر کرتا ہے کہاں نام لیتا ہے۔ کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھے، سو کر اٹھے تو بسم اللہ پڑھے اور لیٹے تو بسم اللہ پڑھے، بازار جائے تو بسم اللہ پڑھے۔ غرض ہر جگہ اللہ کا نام لیتا ہے فَصَلّٰى نماز پڑھتا ہے۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا:۔ بلکہ عام طور پر لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہیں۔ چونکہ دنیا کی زندگی نظروں کے سامنے ہے جتنے سال ہوتی ہے۔ اور آخرت کی زندگی نظروں کے سامنے نہیں بلکہ وہ غیب ہے۔ غیب پر ایمان لانے کا حکم ہے اور جو دنیا کی زندگی ہے وہ مشاہدہ ہے معائنہ سے متعلق ہے۔ بلکہ اسی پر بھروسہ ہے۔ اس میں روپے خرچ کر دیئے تو کیا ہو گا۔ اور کہاں سے آئیں گے۔ جو اپنی جیب میں ہے وہ فقیر کو دے دیا تو ہمارے پاس کہاں سے آئے گا۔ ہاں وہ جو آٹا دے دیا تھا۔ ابھی بات کر ہی رہے تھے کہ ایک شخص ایک کپڑے میں گرم گرم روٹی لپٹی ہوئی لے کر آیا۔ اور سالن کا پیالہ بھی ساتھ لایا۔ ہدیہ

کے طور پر۔ بیوی نے کہا یہ تو واقعی روٹی پکنے کے لئے گیا تھا۔ میں تو اتنی جلدی پکا بھی نہ پاتی۔ جتنی جلدی یہ پک کر آگیا۔ یہ آٹا تو سالن بھی لے کر آیا۔ ان کا معاملہ خدا کی مخلوق کے ساتھ یہ تھا کہ آٹا دیدیا۔ اور خداوند تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ تھا۔ کہ سالن بھی دیدیا اور روٹی بھی پکی پکائی دیدی تو جیسا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کرتا ہے حق تعالیٰ بھی ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔

اپنے آپ کو کمتر و عاجز سمجھنا یہ اصل چیز ہے اور ہر چیز کو یہ سمجھنا کہ خدائے پاک کے قبضۂ قدرت میں ہے اسکی طرف سے اجازت ہوگی تو یہ چیز مجھے ملیگی۔ نہیں اجازت ہوگی نہیں ملے گی۔

روٹی ہاتھ میں ہے یوں نہ سمجھے کہ میں تو کھا ہی لوں گا۔ روٹی میری ملکیت میں ہے خدا کی طرف سے منظوری ہے تو روٹی کھائی جائے گی۔ نہیں منظوری ہے تو نہیں کھائی جائیگی سامنے سے اٹھا لیجائیگی۔ ہاتھ میں نوالہ لئے ہوئے ہے منہ میں نوالہ جانیکے بعد نوالہ منہ سے نکل جائیگا۔ اس قسم کے واقعات سب پیش آتے رہتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ کیطرف سے جو چیز منظور ہے وہ اصل چیز ہے اور وہ نظروں سے غائب ہے اس کا پتہ نہیں۔ اس لئے جو چیز حاصل ہے، دنیا کی ظاہری زندگی۔ آدمی کو اسپر اعتماد ہے اور جو زندگی غیب ہے جو کچھ حق تعالیٰ کیطرف سے مقدر ہے وہ اس کے علم میں نہیں اسپر اعتماد کیضرورت ہے۔ اگر حق تعالیٰ کو منظور ہے تو ضرور ملے گا ورنہ تو نہیں۔

وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی:۔ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر ہے باقی رہنے والی ہے۔ دنیوی زندگی تو فنا ہونے والی ہے۔ آدمی نے بہت کچھ مال و دولت کما لیا۔ لیکن جب جائیگا تو کیا سارے مال و دولت کو قبر میں ساتھ لے کر جائے گا کچھ نہیں۔ سب یہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ شاندار باغ لگایا، بلڈنگ بنائی، موٹر خریدی، دوکان کی، کارخانے قائم کئے، فیکٹریاں کھولیں، ملازمت کی،

ممبر بنا،

سب کچھ کیا۔ کونسی چیز ان میں سے ساتھ جائیگی۔ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں۔ ساتھ میں جو جائیں گے، اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ جائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

صلوٰۃ و سلام ہونے کیلئے نظر آنا ضروری نہیں

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد:-

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملائکہ کو دنیا میں پھیلا رکھا ہے روئے زمین پر جہاں سے بھی کوئی صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔ ملائکہ لیجا کر خدمتِ اقدس میں پیش کرتے ہیں۔ کہ فلاں ابن فلاں نے آپ کی خدمت میں یہ سلام درود پڑھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوتے ہیں۔ جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں کوئی اگر کہنے لگے کہ یہاں تو اتنی دیر تک صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا۔ ہمیں تو کوئی فرشتہ نظر نہیں آیا۔ ہونے کیلئے نظر آنا کہاں ضروری ہے کہ اگر نظر آئے تو تسلیم کرو اگر نظر نہ آئے تو کہو کہ موجود نہیں۔ اپنی آنکھ کو معیار بنانا غلط ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا بس وہ بات ٹھیک ہے۔

ایک دفعہ ایک جگہ سفر میں گیا ہوا تھا۔ وہاں جب مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا، سڑک پر ہی ایک صاحب نے ہاتھ پکڑا اور کہا کہ مولانا صاحب ایک مسئلہ پوچھنا ہے یہ بتایئے خدا کہاں ہے۔ اگر ہے تو وہ نظر کیوں نہیں آتا، جب تک میں یہ چیز نہ دیکھ لوں میں تسلیم نہیں کرسکتا۔

میں نے کہا: کہ مسٹر جواب ذرا دیر طلب ہے، سڑک پر کھڑے کھڑے جواب دشوار ہے فلاں جگہ پر میرا قیام ہے۔ وہاں تشریف لے آیئے۔ کہنے لگا، واہ مولانا صاحب

ذرا سے مسئلہ کے واسطے بھی آپ کے دربار عالی میں حاضر ہونا پڑے گا۔ بس ان کی اسی بات سے مزاج کا پتہ چل گیا۔ سارے مزاج کا شروع سے اخیر تک۔ کیسا مزاج ہے میں نے ان سے کہا: اگر آپ نے ڈاکٹری پڑھی ہو، آپریشن میں مہارت حاصل کی ہو۔ آنکھ کے آپریشن میں آپ بڑے ماہر ہوں۔ تو اگر اس وقت یہیں کھڑے کھڑے ایک شخص کہے کہ ڈاکٹر صاحب میری آنکھ میں موتیا آ گیا۔ آپ کے پاس آپریشن کرنے کے لئے اوزار بھی ہیں ذرا میری آنکھ کا آپریشن کرتے جائیے۔ آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ کہیں گے بھئی آپریشن اس طرح نہیں ہوا کرتا، ہسپتال میں آؤ وہاں داخلہ لو، وہاں پیٹ صاف کیا جائے گا۔ تمہاری آنکھوں کے بال کاٹے جائیں گے۔ تمہیں لٹایا جائے گا تمہاری آنکھ کو بے حس کیا جائے گا۔ تب آپریشن ہو گا پھر پٹی بندھیگی۔ اتنے گھنٹے تک سیدھے لیٹے رہو گے چلو گے نہیں۔ پھر کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی آنکھ کا آپریشن اس طرح سے ہو گا تب وہ آپ کے اس جواب پہ کہنے لگے واہ ڈاکٹر صاحب تھوڑی سی بات کے واسطے بھی آپ کے دربار عالی میں حاضر ہونا پڑے گا۔ تو آپ کیا جواب دینگے اگر آپ نے اس کے فقرے سے متاثر ہو کر وہیں کھڑے کھڑے آپریشن کر دیا تو میں کہونگا کہ آپ نے اس مریض کے ساتھ بدخواہی کی۔ اسکی آنکھ پھوڑ دی، آپنے اپنے فن کیساتھ خیانت کی۔ حکومت کو اگر پتہ چل جائے کہ آپنے اس طرح سڑک پر کھڑے کھڑے آپریشن کر دیا تو آپ کا ڈپلومہ ضبط کرلے آپ کو سزا دے، فوراً انکی سمجھ میں آ گیا۔ کہا کہ اچھی بات ہے میں آتا ہوں۔ یہ لوگ دلائل کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ نظائر کو جانتے ہیں نظائر سے بہت جلدی سمجھ جاتے ہیں دلائل سے نہیں سمجھتے۔ مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی رح ریل میں سفر کر رہے تھے، اسی گاڑی میں اسی ڈبہ میں سرسید احمد خاں بھی تھے ان کے ساتھ کتا تھا۔ مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ نے فرمایا۔ آپ کیسے آدمی ہیں یہ کتا ساتھ میں رکھتے ہیں؟ تب انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مولوی لوگ

کہتے ہیں کہ جہاں کتا ہوتا ہے فرشتہ پاس کو نہیں آتا۔ میں نے کتا اس لئے ساتھ رکھ رکھا ہے تاکہ موت کا فرشتہ میرے پاس نہ آوے۔

مولانا نے فرمایا؛ کہ کتوں کی جان بھی تو کوئی فرشتہ نکالتا ہے آپ کی جان وہ فرشتہ نکالیگا جو کتوں کی جان نکالتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے نام سے تو واقف تھے لیکن ملاقات نہیں تھی۔ سرسید احمد نے فوراً کہا: کہ آپ مولانا عبدالحئی ہیں کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ سرسید ہیں کیا؟ اس وقت دونوں کی ملاقات ہوئی۔ تو بات معمولی سی تھی جلدی سمجھ میں آگئی۔ حضرت تھانوی رح سے کسی نے پوچھا کہ صاحب کتا پالنا کیوں منع ہے؟

حضرت نے فرمایا، کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ انکی سمجھ میں نہیں آیا۔ ان کے دماغ نے قبول نہیں کیا۔ تو حضرت تھانوی رح نے فرمایا کہ کتے کے اندر قومی ہمدردی نہیں ہے اسکی قوم کا کتا دوسرے محلہ سے آجائے تو اس کو برداشت نہیں کرتا۔ اپنے رستہ میں کو، گلی کوچے میں کو نکلنا اس کو گوارہ اور برداشت نہیں ہوتا۔ اس نے کہا کہ یہ ہے بات دیکھئے یہ کام کی بات ہے حالانکہ جو کام کی بات بتائی تھی اس کو قبول نہیں کیا یہ بات تو بیٹھر ہے جو کام کی بات بتائی تھی اس کو معدہ نے دماغ نے قبول نہیں کیا۔ اسکو قبول کیا۔ خیر۔ تو انہوں نے وعدہ فرمالیا کہ میں آؤں گا۔ چنانچہ پھر ایک روز وہ آئے اور انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں وہ ہوں کہ جس نے آپ سے مسئلہ پوچھا تھا۔ میں نے کہا کہ اچھا اب کہیئے اپنا سوال۔ میں بھی فارغ آپ بھی فارغ۔ انھوں نے کہا: کہ خدا کہاں ہے؟ اگر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا جب تک میں پانچوں چیز سے نہ دیکھ لوں میں تسلیم نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کہیں سے یا کسی سے یہ الفاظ سن لئے ہیں اور بغیر معنیٰ مطلب سمجھے آپ نے ان کو یاد کرلیا۔ جیسے طوطا رٹا کرتا ہے نبی جی، میاں مٹھو۔ جس طرح وہ مطلب

سمجھے بغیر بولدینا ہے۔ اسی طرح آپ نے کہیں سے یہ الفاظ سن لئے اور مطلب سمجھے بغیر آپ نے بول دیئے۔ ان کو یہ بہت ناگوار گذرا۔ کہنے لگے کہ آپ نے کیسے کہدیا؟ کہ میں نے مطلب نہیں سمجھا۔ میں نے کہا میں نے ایسے کہدیا کہ آپ اپنے سوال کی تشریح نہیں کرسکتے جب میں آپ سے تشریح پوچھوں۔ انہوں نے کہا کیسے نہیں کرسکتا ہوں میں ابھی تشریح کردوں گا۔ پوچھیئے آپ۔ میں نے کہا کہ بتایئے پانچ چیزیں آپ کے پاس کیا ہیں دیکھنے کے لئے۔ اس نے کہا یہی حواسِ خمسہ، باصرہ۔ شامہ۔ سامعہ ذائقہ۔ لامسہ سب یہی پانچ چیزیں ہیں؟

میں نے کہا قدرت نے دیکھنے کیلئے باصرہ بنائی ہے بقیہ چار چیزیں دیکھنے کیلئے نہیں بنائی۔ کسی چھوٹے بچہ سے پوچھو کہ تم کس چیز سے دیکھتے ہو؟ وہ کہے گا آنکھ سے اس سے کہو کہ کان سے دیکھتے ہو تم۔ تو کہے گا کہ نہیں غلط ہے کان سے نہیں دیکھتا۔ کان کا کام دیکھنا نہیں سننا ہے۔ کہو کہ ناک سے دیکھتے ہو؟ کہیگا کہ نہیں، ناک کا کام سونگھنا ہے اس سے کہو کہ زبان سے دیکھتے ہو کہے گا کہ نہ۔ زبان کا کام چکھنا ہے۔ کہو کہ ہاتھ سے دیکھتے ہو۔ کہے گا کہ نہیں ہاتھ کا کام چھونا ہے۔ غرض یہ کہ بچہ بھی یہ باتیں سمجھتا ہے اور آپ نے اتنی تعلیم پائی خدا جانے کیا کیا پڑھا ہوگا گریجویٹ کہیں کے ہوئے ہوں گے آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں۔ پھر ذرا اچھی طرح سلجھا کر انکو سمجھایا تو کہنے لگے کہ ہاں بات تو ویسی ہی ہے اور کہا کہ اب سوال کیجئے۔ تو انھوں نے پھر سوال کیا کہ خدا کہاں ہے۔ اگر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا جب تک میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اس وقت تک تسلیم کر نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا آپ کے اس سوال کے خیمہ کے پانچ ستون تھے جن میں سے چار تو گر گئے۔ ایک رہ گیا اس پر آپ اب تک اتنی شدت سے قائم ہیں؟ مجھے بتایئے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں کیا سب کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ہی تسلیم کرتے ہیں بغیر دیکھے تسلیم نہیں کرتے اپنا

کان دیکھا ہے آپ نے آئینہ میں عکس دیکھا ہوگا۔ کان نہیں دیکھا ہے اگر کوئی کہے کہ آپ کے کان نہیں تو آپ کہیں کہ ہے کان۔ تو کیا آپ نے کبھی دیکھا ہے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ اپنی آنکھ دیکھی ہے؟ آئینہ میں آنکھ دیکھی ہے اپنی۔ اگر کوئی کہدے کہ آپ نابینا ہیں۔ اندھے ہیں آپ کے آنکھ تو ہے نہیں بتائیے؟ آپ نے اپنی آنکھ دیکھی ہے آنکھ سے۔ آپ نے اپنی گردن دیکھی ہے؟ سینہ میں دل دیکھا ہے؟ زبان دیکھی ہے؟۔ جگر دیکھا، کمر دیکھی؟ کچھ بھی تو نہیں دیکھا آپ نے، دنیا میں آکر دوسروں کی تو یہ چیز دیکھتے پھرتے ہو اپنی نہیں دیکھی۔ ان میں سے کسی ایک چیز کی نفی کیجائے آپ ماننے کو تیار نہیں۔ میں نے کہا کہ اچھا بتائیے کہ اس شہر کی آبادی مردم شماری کتنی ہے؟ انھوں نے فوراً بتادیا ایک لاکھ چھتیس ہزار۔ میں نے کہا کہ ہر فرد کو دیکھا ہے آپ نے؟ یوں بتادیا ایک لاکھ چھتیس ہزار کیا ہر شخص کو دیکھا ہے۔ تب وہ خاموش ہوگئے۔ میں نے کہا آنکھ کی روشنی بھی دیکھی ہے؟ آنکھ کی پتلی تو آپ نے دیکھ لی ہوگی اور جو آنکھ کے اندر روشنی ہے جس کو نگاہ کہتے ہیں وہ تو آئینہ میں بھی نظر نہیں آتی۔ لیکن ہے آپ کے پاس۔ یقین ہے آپ کو کہ موجود ہے حالانکہ آپ نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔

بہت ساری مثالیں دیں۔ کسی چیز کو رد تو کر نہیں سکے وہ۔ باقی ہاں سمجھ میں آرہا تھا کہ ان کا دل قبول نہیں کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ بتایا۔ والد کا نام کیا ہے؟ بتایا۔ میں نے کہا کہ والد کا والد ہونا بھی دیکھا ہے آپ نے؟ ایک شخص کو تو دیکھا ہے لیکن والد کہنے کی بنیاد بھی دیکھی ہے۔ یہاں آکر وہ خاموش رہے۔

اتنا بڑا دعویٰ: کہ جب تک میں اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں اس کا وجود تسلیم نہیں کر سکتا۔ بتائیے صدر جمہوریہ ہند کو آپ نے دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا

مکہ دیکھا ؟ مدینہ دیکھا ؟ انگلینڈ دیکھا ؟ کچھ نہیں دیکھا لیکن ان سب چیزوں کا یقین ہے بغیر اپنی آنکھ سے دیکھے تسلیم کرتے ہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ قدرت نے یہ جو پانچ چیزیں دی ہیں پہلے تو آپ ان پانچ چیزوں سے دیکھنے کے دعویدار تھے اب وہ چار چیزسے دیکھنے کو تو ختم کر دیا۔ لیکن کیا ان چار چیز سے کسی قسم کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ اچھا آنکھ کو آپ نے کارآمد قرار دیا بقیہ چار چیزوں کو بیکار قرار دیا۔ آپ کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اپنی آنکھ سے دیکھیں گے تو یقین کریں گے اور ان چار سے کوئی چیز حاصل ہو۔ علم میں آئے تو اس کا یقین نہ کریں گے ؟ تو گویا آپ کے نزدیک حواس خمسہ میں سے چار بیکار ہوئے ایک کارآمد ہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ یہ مطالبہ کہ جب تک اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں تسلیم نہیں کر سکتا کہاں تک صحیح ہے۔ بالکل غلط ہے آئندہ کہیں کسی سمجھدار آدمی کے پاس ایسی بات نہ کہیئے گا۔ میں نے کہا کہ یہ سوال کرتے کہ ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں یا نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ تو کہنے لگے کہ اچھا یہی بتا دیجئے۔ میں نے کہا کہ ہاں دیکھ لیں گے۔ آپ بتائیے کہ اگر آپ صدر جمہوریہ امریکہ کو دیکھنا چاہیں تو آپ کا مطالبہ ہو کہ اسی وقت یہیں بیٹھے بیٹھے اسی حال میں دیکھ لیں تو کیا دیکھ لیں گے ؟ نہیں دیکھ سکتے۔ آپ کو سفر کرنا ہوگا۔ مختلف سواریوں کا سفر کرنا ہوگا آپ کو ویزا، پاسپورٹ بنوانا ہوگا۔ آپ کو کسٹم پر تمام چیزوں کی جانچ کرانی ہوگی۔ بمبئی میں پورا معائنہ کرانا ہوگا کہ کوئی خلاف قانون چیز تو نہیں لئے جا رہے ہو۔ وہاں کی زبان سیکھنی ہوگی۔ وہاں کا لباس اختیار کرنا ہوگا وہاں صدر کے جو لوگ مقرب اور دربار کے لوگ ہیں ان سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ تب کبھی جا کر آپ اس کو دیکھ سکیں گے حالانکہ وہ آپ ہی جیسا گوشت پوست سے بنا ہوا ایک انسان ہے لیکن اپنے جیسے گوشت پوست سے بنے ہوئے انسان کو آپ اس جگہ اسی وقت یہیں بیٹھے بیٹھے دیکھنا چاہیں تو نہیں دیکھ سکتے۔ تو مالک الملک کو جو سارے عالم کا

خالق ہے اس کو کیسے دیکھ سکتے ہیں اس کے لئے بھی آپ کو سفر کرنا ہوگا. جیسے صدر جمہوریہ امریکہ کو دیکھنے کیلئے سفر کرنا ہوگا ۔ اس مالک الملک کو دیکھنے کے لئے بھی سفر کرنا ہوگا پاسپورٹ ، ویزا بھی دیکھا جائے گا آپ کا۔

قبر کا سفر کرنا ہے ۔ وہاں منکر نکیر آپ سے کچھ سوالات کریں گے جانچ کریں گے ، کہ کوئی غلط قسم کی چیز تو دنیا سے نہیں لے کر آئے ؟ اس کے بعد ایک مدت تک وہاں آپ کو رکھا جائے گا ۔ پھر چل کر میدان حشر میں اعمال تولے جائیں گے تمام حساب و کتاب ہوگا ۔ کیا دھرا سامنے آئے گا ۔ خدا جانے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے یا بائیں ہاتھ میں ملے ، بہرحال اس کو پڑھنا ہوگا پھر پلصراط پر گذرنا ہوگا تب جاکر وہاں دیکھ پائیں گے ۔ یہ جسم آپ کا وہاں کارآمد نہیں یہ ختم ہوجائے گا یہ آنکھیں کارآمد نہیں دوسرا جسم ملیگا دوسری آنکھیں ملیں گی ۔ دوسرا دماغ ملیگا ۔ دوسری طاقت ملیگی ۔ یہ جسم اس دنیا کے لئے ہے ہزار قسم کی بیماریاں اس جسم میں لگی ہوئی ہیں ۔ ڈاکٹر طبیب وغیرہ سے علاج کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ جوانی ہے یہ ختم ہونے والی ہے یہاں کی ۔ بڑھاپا آئے گا ۔ یہاں کی راحت ختم ہوتی ہے تو رنج آتا ہے ۔ غرض قسم قسم کے حوادث یہاں لگے ہوئے ہیں وہاں یہ حوادث موجود نہیں ہیں وہاں ایسی جوانی ملیگی جس کے بعد بڑھاپا نہیں ۔ ایسی طاقت ملیگی جس کے بعد کمزوری نہیں ۔ ایسی تندرستی ملیگی جس کے بعد بیماری نہیں ۔ ایسی زندگی ملیگی جس کے بعد موت نہیں وہاں جاکر دیکھیں گے ۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہاں حق تعالیٰ کا دیدار جنت کی ایک اہم نعمت ہے جس وقت حساب و کتاب ہو کر وہاں پہونچ جائیں گے تو اس وقت کہا جائے گا کہ دنیا میں جو جسکی پرستش کرتا تھا اس کے ساتھ چلا جائے ۔ کچھ لوگ چاند کی پرستش کرتے تھے ۔ کچھ لوگ سورج کی ۔ کچھ آگ کی ۔ کچھ پانی کی ۔ غرض ان کے معبودانِ باطلہ کیساتھ جائے

کے لئے ان سے کہا جائے گا۔ جو مسلمان صرف حق تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ ٹھہر جائیں گے۔ ان کے سامنے ایک صورت نمودار ہو گی کہ میں تیرا خدا ہوں وہ دیکھ کر انکار کر دیں گے کہ نہیں تو ہمارا خدا نہیں پھر دوسری صورت میں ظہور ہو گا کہ میں تمہارا خدا ہوں تو سب کے سب سجدہ میں گر جائیں گے۔ یہاں ایک طالبعلمانہ اشکال پیدا ہوتا ہے یہ کہ پہلی مرتبہ جب صورت سامنے آئے گی اور آواز دیگی کہ میں تمہارا خدا ہوں تو یہ نہیں پہچان پائیں گے اور انکار کر دیں گے تو یہ کیوں انکار کر دیں گے۔ اس سے پہلے کبھی خدا کو دیکھا تھا انہوں نے۔ اس کی آواز سنی نہیں، جھوٹ کی وہاں جگہ نہیں سچ ہی سچ ہے وہاں تو۔ آخر یہ کیوں انکار کر دیں گے؟ دوسری آواز میں کیوں یہ ایک دم سجدہ میں گر جائیں گے کہنے لگیں گے کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔

حضرت سید عبدالعزیز دباغ رحہ نے اس کا جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے حق تعالیٰ کی مہربانیوں شفقتوں رحمتوں راحتوں کا جو کچھ تجربہ کیا تھا، کیسے رحیم، کیسے رؤف کتنے کتنے انعامات کئے کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائیں وہ جو پہلی دفعہ آواز ہو گی کرخت آواز ہو گی شفقت سے خالی آواز ہو گی جس نہج پر شفقت کا دنیا میں تجربہ کیا تھا وہ رحم و شفقت اس آواز میں نہیں ہو گی اس وجہ سے انکار کر دینگے کہ تم ہمارے خدا نہیں۔ ایک شخص اپنے بیٹے کو آواز دیتا ہے بیٹا دوسرے کمرے میں ہے تو وہ بیٹا غصہ سے بھری آواز میں زور سے کہتا ہے۔ ہاں جی۔ باپ سمجھتا ہے کہ بیٹا تو ایسا نہیں ہے کبھی ایسی کرخت آواز سے نہیں بولتا۔ بیٹا نہیں وہ تو کوئی اور بول رہا ہے۔ اسی طریقہ پر وہاں پہلی آواز ہو گی۔ اور دوسری آواز میں وہی شفقت وہی رحمت ہو گی جس کا دنیا میں تجربہ کیا تھا۔ وہاں جا کر دیکھیں گے۔ دنیا میں رہتے ہوئے ایسی طاقت نہیں کہ اس مالک الملک کو دیکھ سکیں۔ اس کی پیدا کی ہوئی چیز سورج کو دھوپ کے وقت تیز گرمی میں نہیں دیکھ سکتے۔ آنکھ کی طاقت بہت کمزور ہے

بہت ضعیف ہے۔ واجب الوجود کو یہ آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ دوسری آنکھ دیکھے گی۔ اس آنکھ سے دیکھیں گے تو بھی آج اگر فرشتے یہاں نظر نہیں آتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی پر یقین کرنا چاہیئے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل صحیح ہے ؎

ذاتِ عالی پر جہاں سے جو بھی پڑھتا ہے سلام ؎ لا کے پہنچاتے ہیں خدمت میں ملائک من وعن
سامنے آکر پڑھے جو اس کو وہ سنتے ہیں خود ؎ ہے یہ ثابت اس پہ شاہد بیہقی کی ہے سنن

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی نَائِیًا عَنِّیْ اُبْلِغْتُہٗ۔

بیہقی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری قبر پر آکر درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے تو مجھ تک پہونچا دیا جاتا ہے"

اس واسطے ہماری آنکھ کسی چیز کو نہ دیکھے تو ہمارے لئے آنکھ بھروسہ کی چیز ہی نہیں۔ ہمارے لئے تو بھروسہ کی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے چاہے ہماری آنکھ کو نظر آئے یا نہ آئے اور خاص کر شبِ جمعہ میں اور یوم جمعہ میں درود شریف کی زیادہ تاکید آئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی مسرت ہوتی ہے جب کوئی درود شریف پڑھتا ہے۔ اس لئے آج رات میں جتنا بھی زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے۔ پڑھئے ویسے ہمیشہ ہی پڑھتے رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مذمتِ کبر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حدیث قدسی میں ہے کہ اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْھُمَا اَدْخَلْتُہُ النَّارَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَذَفْتُہُ فِی النَّارِ۔ رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۳

حدیث قدسی : وہ کہلاتی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں تو وہ نہیں ہے تو معلوم ہوا وحی جلی نہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی نسبت اللہ کی طرف کی ہے وہ حدیث قدسی کہلاتی ہے اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ۔ کبریار کے معنیٰ بڑائی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں بڑائی میری چادر ہے۔ کوئی شخص اگر کسی کی چادر چھیننے لگے دنیا میں تو اس کو کیسا سمجھا جائے گا۔ بہت خراب آدمی ہے تو جو شخص بڑائی اپنے لئے ثابت کرنا چاہتا ہے دوسروں میں بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اپنی بڑائی کی دھونس دکھانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی چادر کو چھین رہا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی چادر کو چھینے گا اس کا

حال معلوم ہے۔ کوئی اپنے جیسا انسان ہو اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اپنے سے
دوگنا تین گنا طاقت ہو پھر بھی اس کا کسی چیز سے مقابلہ ہوجاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ
کی طاقت اور قدرت غیر متناہی ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ تمام بندوں پر قاہر ہے
هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ
اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اوپر
سے عذاب نازل کر دیں۔ چاہیں تو قدموں کے نیچے سے عذاب لیکر آئیں۔ اللہ تعالیٰ
کو ہر طرح سے قدرت ہے کل کائنات حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے سانپ بچھو یہ بھی
خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ شیر بھیڑیئے یہ بھی خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں اپنے جس
مجرم کو اپنی جس مخلوق سے پٹوا دیں۔ جس سے چاہیں سزا دلوا دیں اس کو یہ پورا اختیار ہے
اور یہ برابر ہوتا رہتا ہے۔ امراض انسان کے بدن میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی انسان
کے دشمن ہیں۔ خارجی حوادث ہیں وہ بھی انسان کے دشمن ہیں۔ کسی کے گلٹی نکل آئی۔
کالرا ہوگیا۔ دق ہوگئی۔ ایسے ایسے امراض پیدا ہوجاتے ہیں یہ امراض بھی خداوند
تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اپنے جس بندے کو جس مجرم جس ملزم کو جس مخلوق سے
چاہیں پٹوا دیں۔ اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کی چادر کو چھینے گا۔ گھسیٹے گا تو اللہ تعالیٰ
اسے کسی سے پٹوا دیں گے۔ پس بڑائی اپنے اندر پیدا نہیں ہونی چاہیئے۔ آدمی غور کرے
کاہے سے پیدا ہوا ہے؟ ناپاک نطفہ سے مَاءٍ مَّهِيْنٍ سے، صَلْصَالٍ سے، حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ
سے پیدا ہوا۔ ایسے طریقہ پر کہ جب باپ اور ماں آپس میں ملتے ہیں چھپ کر ملتے ہیں کہ
کوئی دیکھ نہ لے اور اس ملنے کا اثر یہ ہوا کہ شریعت نے ان کو کہہ دیا کہ تم ناپاک ہو
نماز پڑھنے کے قابل نہیں تم۔ مسجد میں جانے کے قابل نہیں۔ قرآن کو ہاتھ لگانے
کے قابل نہیں۔ اس طریقہ پر تو پشت پدر سے شکم مادر میں انسان آیا۔ حدیث
میں آتا ہے کہ جب نطفہ ہوتا ہے تو ایک ملکِ موکل فرشتہ جو اس کے اوپر مسلط ہوتا ہے

کہتا ہے یَارَبِّ نُطْفَۃٌ اے پاک پروردگار یہ نطفہ ہے آپ کا کیا ارشاد ہے اسے باقی رکھنے کا یا ختم کردینے کا۔ اگر اس کو باقی رکھنا ہوتا ہے تو چالیس روز میں وہ علقہ بنتا ہے پھر فرشتہ پوچھتا ہے یَارَبِّ عَلَقَۃٌ یارب یہ تو علقہ ہوگیا پھر اس کو باقی رکھنا ہوتا ہے تو چالیس روز میں وہ مضغہ ہوجاتا ہے پھر فرشتہ کہتا ہے کہ یَارَبِّ مُضْغَۃٌ پھر اس کو باقی رکھنا ہوتا ہے تو اس کے بعد پھر اس کے اندر ہاتھ پیر پیدا ہوتے ہیں جان پڑتی ہے اور کیا کیا ہوتا ہے۔ جو خون ہر مہینہ عورت کو آیا کرتا تھا حمل کے بعد وہ خون آنا بند ہوجاتا ہے۔ جو بچہ پیٹ میں ہے۔ اسکی جسم کی تیاری کے لئے ضرورت اس خون کی ہے تو خون وہاں مستقل غذا بن رہا ہے۔ پھر اس کے اندر جان پڑگئی وہی خون اس کی غذا بن رہا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوجاتا ہے پھر حق تعالیٰ اس خون کو دودھ کی شکل میں بدل کر پلانے کیلئے بھیجدیتے ہیں کہ ماں بچہ کو دودھ پلاتی ہے اور بچہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کو کوئی تمیز نہیں کوئی علم نہیں۔ طاقت نہیں نہ کروٹ بدل سکتا ہے، نہ بیٹھ سکتا ہے نہ بات کرسکتا ہے، اور نہ اپنی کسی تکلیف کو بتاسکتا ہے۔ سر میں درد ہے، پیٹ میں درد ہے، کچھ پتہ نہیں کہاں درد ہے۔ روتا ہے بے تحاشہ روتا ہے اس کو چپ کرنے والے بہلانے والے بھی تھک جاتے ہیں۔ نجاست میں ملوث ہوگیا اس کو کچھ پتہ نہیں، وہ اپنے ہاتھ کو چوسنا شروع کردیتا ہے چاہے نجاست میں بھرا ہو اس کو کچھ پتہ نہیں۔ غرض یہ کہ ایسی حالت میں انسان پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ اسکے حالات حواس درست ہوتے رہے، عقل آتی رہی، سمجھ آتی رہی، بولنا سیکھا۔ بات بولنے لگا۔ غذائیں کھانے لگا۔ تو جس کا مبدأ یہ ہے وہ کس واسطے تکبر و غرور کرتا ہے غور کرنا چاہیئے قرآنِ پاک میں ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اپنے نفسوں میں دیکھتے نہیں ہو غور نہیں کرتے۔ سوچنا چاہیئے کیسے کیسے پیدا ہوئے تھے کیسے اور کیا کیا اطوار ہمارے اوپر گذرے ہیں اور موجودہ حالت میں جب جوانی کا زمانہ

آیا۔ بچپن کا زمانہ ختم ہوگیا۔ جوانی دیوانی کہلاتی ہے اَلشَّبَابُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْجُنُوْن مشہور ہے۔ جوانی میں زیادہ طاقت ہوتی ہے لیکن خود دیکھ لے کہ کتنی مصیبتوں سے بھرا ہوا ہے۔ روزانہ کتنا پیشاب اس سے نکلتا ہے، کتنا پاخانہ نکلتا ہے اور اسکی کیا حالت ہے۔ سیب کھایا، امرود کھایا۔ تین گھنٹے کے بعد کس صورت میں وہ نمودار ہو کر باہر نکلتا ہے۔ نہ اس کے نام لینے کو جی چاہتا ہے، نہ آنکھ سے دیکھنے کو دل چاہتا ہے، اور نہ ناک سے سونگھنے کو جی چاہتا ہے۔ نہ ہاتھ لگانے کو جی چاہتا ہے۔ اس کا نام ہی غلیظ رکھا گیا۔ غرض غذا کیسی صورت میں نمودار ہوئی۔ یہ حضرتِ انسان کی صحبت سے بنا ہے وہ اچھی غذا اشرف المخلوقات کے پیٹ میں داخل ہوئی تھی اسکی صحبت میسر آئی جس سے اس کا رنگ بھی بدل گیا۔ اس کا ذائقہ بھی بدل گیا۔ اس کی تاثیر بھی بدل گئی خوشبو بھی بدل گئی۔ اسکی سب چیز کا ناس ہوگیا۔ اس حالت میں وہ غذا نکلی اور انسان اتنا ضعیف و کمزور ہے سوتا ہے تو کہیں چھت میں سے سانپ گر پڑے کاٹ لے وہ کیا کر سکتا ہے۔ کوئی چور داخل ہو کر اس کا گلا گھونٹ دے وہ کیا کر سکتا ہے؟ بچھو کاٹ لے کیا کر سکتا ہے؟ زلزلہ آئے تو نیچے زمین کے اندر دھنس جائے۔ اس کے قابو میں کوئی چیز نہیں۔ سہارنپور میں ایک صاحب نے اپنے مکان میں نیا کمرہ بنایا۔ ایک پرانا کمرہ تھا ایک نیا کمرہ ہوگیا۔ پرانے کمرے میں رات کو لیٹے ہوئے تھے۔ برسات کا زمانہ تھا بارش زور کی آگئی۔ خیال ہوا کہ پرانا کمرہ ہے کہیں ٹوٹ نہ جائے گر نہ جائے۔ نئے کمرے میں چلنا چاہیئے۔ تو جناب مرد و عورت بچے سب نئے کمرے میں چلے آئے جیسے ہی نئے کمرہ میں پہونچے اسکی چھت گر گئی۔ نئے کمرے کی سب ختم ہوگئے۔ گئے تھے بچاؤ کے واسطے لیکن ختم ہوگئے۔ اس لئے حق تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والے ہیں۔ انسان اتنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ اندر بھی اس کے دشمن۔ باہر بھی سب اس کے دشمن۔ نجاست اور غلاظتوں میں گھرا ہوا ہے۔ کیا تکبر کرتا ہے؟ کیا بڑائی کرتا ہے؟ کس بات

پرا بیٹھتا ہے؟ اگر اس کو یہ خیال ہے کہ میرے اندر اعلیٰ درجہ کی طاقت ہے۔ میں پہلوان ہوں۔ ہاں پہلوان میں طاقت تو ضرور ہے۔ لیکن اگر فالج پڑ جائے تو فالج کا علاج مشکل ہے۔ تو اپنے ہاتھ سے مکھی نہیں اڑا سکتا۔ کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ اگر اس کو روپیہ کا خیال ہے کہ میرے پاس روپیہ بہت ہیں تو ایک دیا سلائی میں سارا روپیہ ختم ہو جائے۔ اسی سال کی بات ہے شعبان کے مہینہ میں ہنورا جانا ہوا ضلع باندہ میں۔ وہاں معلوم ہوا۔ کھیتی کٹ کر غلہ جمع تھا اس میں آگ لگ گئی۔ اور آگ اس طرح لگی۔ تار بجلی کا درمیان سے ٹوٹا وہ گرا تو اس سے غلہ میں آگ لگ گئی جتنا غلہ تھا سب جل گیا۔ کیا کیا منصوبے بنا رکھے تھے کہ لڑکی کی شادی کرنی ہے اس کیلئے جہیز کی ضرورت ہوگی۔ غلہ فروخت کر کے جہیز بنائیں گے۔ لڑکے کی شادی کرنی ہے اس کا ولیمہ کرنا ہے دعوت کرنی ہے۔ مکان بنانا ہے۔ کسی کا قرضہ چاہیئے۔ اس کو دینا ہے۔ حج کا ارادہ ہے۔ اس میں آگ لگ گئی اور سب منصوبے ختم ہو گئے تو حفاظت کرنے والا صرف اللہ ہے اور کوئی نہیں۔ اس لئے جو شخص اتنا محتاج ہو۔ ایسا گھرا ہوا ہو ضروریات میں۔ دشمنوں میں۔ اندر بھی دشمن، باہر بھی دشمن وہ کس بات پر غرور اور تکبر کرتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص کے دل میں تھوڑا سا تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ جب تک دوزخ کی آگ میں جل جلا کر اس کا تکبر سارا نہ نکال دیا جائے اس کے بعد جنت میں۔ اس سے پہلے تو داخل ہو ہی نہیں سکتا۔

تو۔ جو صفت اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے تجویز فرمالی اس کو آدمی کھینچنے لگے؟ اور پھر پڑھنے اور عالم ہونے کے بعد، اگر آدمی تھوڑا سا بھی پڑھ لیتا ہے تو بس اس میں اتنا نشہ آتا ہے کہ اللہ کی پناہ اتنا شراب میں بھی شاید نشہ نہ ہو۔ وہ کسی کو نظر میں نہیں لاتا۔ حالانکہ علم حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس کی تجلی انسان کے قلب پر گرتی ہے

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں لَیْسَ الْعِلْمُ بِکَثْرَۃِ الرِّوَایَۃِ اِنَّمَا ھُوَ نُوْرٌ یَقْذِفُہُ اللّٰہُ فِی الْقَلْبِ :۔ علم کثرتِ روایت کا نام نہیں۔ بلکہ وہ تو ایک نور ہے جو قلب میں رکھا جاتا ہے۔ جب قلب میں نور رکھا جاتا ہے اور قلب روشن ہوتا ہے تو سب سے پہلے تو قلب ہی کو دیکھے گا۔ قلب نظر آئے گا۔ جیسے کہ ایک اندھیرا کمرہ ہے۔ تہ خانہ ہے۔ کچھ پتہ نہیں اس میں کیا ہے ؟ اس میں آپ نے ایک گیس جلا دیا۔ ایک بلب جلا دیا اب نظر آتا ہے کہ اُدھر تو سانپ جا رہا ہے۔ اِدھر تو بچھو جا رہا ہے۔ یہ کاٹنے والا ہے یہ ڈسنے والا ہے تو سب سے پہلے تو اس نور سے قلب کے اندر کی چیزیں نظر آنی چاہئیں۔ کہ قلب کا کیا حال ہے۔ قلب کے اندر حسد ہے۔ قلب کے اندر بخل ہے قلب کے اندر ریاکاری ہے قلب کے اندر دوسروں کو اذیت پہنچانا ہے۔ قلب کے اندر چوری کرنا ہے۔ اور کیا کیا چیزیں قلب کے اندر ہیں۔ لہٰذا علم کی روشنی میں سب سے پہلے آدمی کو اپنا جہل محسوس ہونا چاہیئے کہ کتنا میں جاہل ہوں۔ یہ علم کا صحیح فائدہ ہے کہ اس کو اپنے جہل کا ادراک ہو۔ حضرت شیخ الہندؒ کا مقولہ نقل کیا حضرت تھانویؒ نے۔ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے "القول الجلیل"۔ اس میں یہ مقولہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے" کہ ہمیں تو سب کچھ پڑھ کر پتہ چل گیا کہ ہم جاہل ہیں"۔ دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ رح طلبا کو فرمایا کرتے "جاہلین"، جاہلین کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے اور جب ان کی بخاری ختم ہو گئی تو اس روز فرمایا کہ آج سے تم لوگ مجاہلین ہو گئے۔ اور وہ علم ہی کیا ہے جو انسان کے اپنے عیوب نہ بتا سکے۔ سب سے بڑا علم کا اثر یہ ہے کہ آدمی کو اپنے عیوب و ذنوب کا پتہ چل جائے۔ آنکھیں کھل جائیں کہ میرے اندر کیا کیا عیب ہے کیا کیا گندگی ہے۔ جو حق تعالیٰ کی ناخوشنودی کا باعث ہے یہ ہے علم کا فائدہ۔ اور اگر علم کے ذریعہ سے دوسروں ہی کے عیوب و ذنوب کو تلاش کرنے لگ جائے آدمی تو یہ اہل علم کے لئے تباہ کرنے والی چیز ہے۔ برباد کرنے والی چیز ہے جن

لوگوں کو چسکا پڑ جاتا ہے دوسروں پر تنقید و تبصرہ کرنے کا کہ ہر ایک کے اندر عیب نکالتے رہتے ہیں تو ساری زندگی انکی ایسی گذرتی ہے کہ اپنے کسی عیب پر ان کو کبھی توجہ نہیں ہوتی۔ کہ اس میں کیا کیا عیب ہیں۔ حالانکہ علم دیا گیا ہے اپنے عیوب کو تلاش کرنے کے لئے۔ اپنے ذنوب کو دیکھنے کے لئے۔ اپنی اصلاح کے لئے دیا گیا، آدمی کو اپنا عیب معلوم نہ ہو تو کیا علم ہے۔ ایک صاحب کے متعلق میں نے اپنے والد صاحبؒ سے پوچھا کہ فلانے صاحب عالم تھے؟ وہ بدعتی لوگوں میں تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا علم جو سنت اور بدعت میں فرق نہ کر سکے وہ کوئی علم ہے؟ یوں فرمایا۔

حضرت سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز جو غوثِ اعظم کہلاتے ہیں بہت اونچے مقبولین میں سے تھے اور اولیاء اللہ میں سے تھے ان کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کو ادراک ہوا، احساس ہوا کہ خداوند تعالیٰ کا خاص قرب ہے اور انوار و برکات کی بارش ہو رہی ہے۔ بہت سی چیزیں نظر آ رہی ہیں، اسی اثنا میں ان کو پیاس محسوس ہوئی تو سامنے ایک صورت نکلی جس کے ہاتھ میں سونے کا پیالہ اور اسمیں چھلکتا ہوا عمدہ پانی پیش کیا گیا۔ چونکہ ان کے پاس غیب سے کھانے پینے کی چیزیں آیا کرتی تھیں، خوارق و کرامات ان سے بہت صادر ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے اُن کی طرف سے عقیدے بھی لوگوں کے بہت زیادہ خراب ہوئے۔ بس سمجھتے ہیں کہ سب کچھ تقسیم کرنا ان ہی کے سپرد ہے اور لوگ ان ہی سے مانگتے ہیں خدا سے نہیں مانگتے جو شرک ہے، پانی سامنے پیش کیا گیا پینے کا ارادہ کیا۔ خیال آتا ہے کہ سونے کا برتن استعمال کرنا تو حرام ہے۔ رک گئے۔ پھر خیال آتا ہے کہ حرام کرنے والے کون ہیں؟ ہم نے حرام کیا، ہم ہی دے رہے ہیں۔ پیو، نہیں پیو گے تو ناشکری ہو گی، ناقدری ہو گی، کفرانِ نعمت ہو گا۔ پکڑے جاؤ گے۔ پھر پینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو پھر خیال آتا ہے کہ یہ تو تلبیسِ ابلیس معلوم ہوتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ شریعتِ

محمدیہ میں نسخ نہیں۔ جو احکام ہیں وہ قیامت تک کے لئے ہیں یہ نہیں کہ کسی کے کہنے سے منسوخ ہو جادیں کہ سونے کا برتن استعمال کرنا جائز ہو، لاحول پڑھی۔ نہ وہ صورت رہی نہ وہ ہاتھ رہا، نہ وہ پیالہ، نہ پانی رہا۔ وہ انوار و برکات بھی سارے ختم اتنے بڑے شیخ وقت کو شیطان نے پھانسنے کے واسطے ایسا پنڈال تیار کیا کہ انوار و برکات نظر آ رہے تھے لاحول پڑھی تو بھاگا اور بھاگتے بھاگتے کہتا ہے کہ تم اپنے علم کے زور سے بچ گئے ورنہ تو اتنے اولیاء اللہ کو میں نے اس مقام میں لاکر جہنم میں بھیجا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ شیطان تو خیر نفع کی بات کہہ ہی نہیں سکتا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ اس میں بھی اسکی چال ہے جواب میں کہتے ہیں کہ علم کے زور سے نہیں بچا، اللہ کے فضل سے بچا، اللہ کا فضل اگر شامل حال نہ ہو تو علم کیا کر سکتا ہے۔ کچھ نہیں کر سکتا ہے۔

اس واسطے شیطان کا چکر ایسا ہوتا ہے کہ اتنے بڑے بزرگ کو بھی پھانسنا چاہتا ہے۔

امام رازی رح کے حالات میں ہے کہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں ملا شیطان۔ لگا مناظرہ کرنے۔ سامنے سے ایک گاؤں والا آ رہا تھا کھیتی کرنے والا۔ کندھے پر پھالی لئے ہوئے۔ امام رازی رح نے شیطان سے پوچھا۔ کہ بتا میرا ایمان قوی ہے یا اس کسان کا۔ شیطان نے کہا: کہ تیرا ایمان تو چٹکی میں اڑا دینگے ایمان تو اس کا قوی ہے۔ امام رازی رح نے فرمایا کہ میرا ایمان تو تحقیقی ہے۔ استدلالی ہے۔ اس کا ایمان تقلیدی ہے۔ استدلال کی چیز کو کیسے اڑا سکتا ہے۔ شروع ہو گئی بحث، اتنے میں وہ کسان قریب آ گیا۔ اس سے پوچھا: کیوں بھئی، خدا کتنے؟ اس نے کہا ایک، شیطان نے کہا: اور جو میں نے دلیل سے دو ثابت کر دیئے۔ اس نے پھالی اٹھا کر کہا کہ ابھی میں تیرا پیٹ پھاڑ دونگا

شیطان نے کہا اس دلیل کا کیا جواب ہوگا۔ شیطان تو اہل علم کے دلائل کا جواب دیتا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے۔ شیخ شعرانی نے بھی اس سوال وجواب کو نقل کیا ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری، جو اونچے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے تھے وہ غالباً نماز جارہے تھے راستہ میں ابلیس ملا۔ انہوں نے پہچان لیا کہ یہ ابلیس ہے۔ ابلیس نے بھی سمجھ لیا کہ انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ ابلیس نے کہا، سہل تم کہتے ہو کہ میری بخشش نہیں ہوگی میرے اوپر رحمت نہیں ہوگی۔ حالانکہ قرآن شریف میں ہے اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ۔ یہ قضیہ موجبہ کلیہ ہے رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ کیا میں شے نہیں ہوں؟ لا شیءٌ ہوں لاشیٔ کہنا تو محال ہے میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ نہیں کہہ سکتے کہ میں لاشئے ہوں۔ لامحالہ شئے ہوں۔ حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ اس کے اس سوال پر میرا یہ حال ہوگیا کہ مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ سانس پورا نہیں آتا۔ آدھا سانس اندر کو آدھا سانس باہر کو آرہا ہے۔ منہ کا لعاب خشک ہوگیا۔ ایسا زبردست اعتراض کیا۔ چنانچہ میں جی جی میں لاحول پڑھتا رہا اور پھر جواب دیا اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فسأکتبھا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ یہ رحمت کس کے لئے۔ ان لوگوں کے لئے جو اقامت صلوٰۃ کریں، ایتاء زکوٰۃ کریں اور دوسرے فلاں فلاں ارکان ادا کریں۔ اور تو یہ کام نہیں کرتا۔ لہٰذا تیرے واسطے رحمت نہیں۔ ابلیس کہنے لگا کاش آپ چپ ہی رہتے (گوہرافشانی نہ فرماتے تو بہتر تھا)

کیا جواب دیا؟ ارے سہل تقیید تیری صفت ہے۔ اسکی صفت اطلاق ہے تو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ اسکی رحمت کو مقید کردیا فسأکتبھا للذین یتقون کے ساتھ تقیید تو تیری صفت ہے۔ کیا کہ قیاس الغائب علی الشاہد ناجائز ہے قیاس الواجب علی الممکن ناجائز ہے۔ تو ممکن ہے تو مخلوق ہے۔ وہ خالق ہے واجب ہے

ممکن پر قیاس کرتا ہے ۔ یہ کہہ کر مذاق اڑاتا ہوا چلا گیا ۔

سہل ابن عبداللہؒ کہتے ہیں اس کے بعد اس اعتراض کا مجھے جواب نہیں آیا ۔ تو شیطان ایسے ایسے چکر دیتا ہے ۔ ایسے ایسے دلائل پیش کرتا ہے کہ آدمی ہکا بکا رہ جائے ۔ اس واقعہ کو حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے بھی نقل کیا فیض الباری میں فرماتے ہیں کہ افسوس میں نہیں سمجھا کہ شیخ سہل بن عبداللہؒ کس بات کی وجہ سے خاموش ہو گئے اہل علم کا علم ۔ وہ ملعون کہاں شیطان ۔ میرے سامنے آئے میں جواب دیتا ہوں ۔ تو انہوں نے جواب یہ دیا کہ قرآن پاک میں رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت میں وسعت ہے ہر شئے کی ۔ جیسے کوئی شخص کہے اس کمرہ میں وسعت ہے پچاس آدمیوں کی ۔ چاہے بالفعل اس میں ایک بھی آدمی موجود نہ ہو لیکن اگر آنا چاہیں تو پچاس آدمی اس میں آ سکتے ہیں ۔ تو رحمت میں وسعت ہے کوئی آنا چاہے تو آ سکتا ہے ۔ جب خود ہی وہ نہ آئے انلزموکموھا وانتم لھا کارھون کیا زبردستی ہدایت کو چپکا دیا جائے گا نہیں فرمایا کہ اس میں رحمت کی کیا خطا ہے جب وہ خود ہی اس میں آنا نہیں چاہتا ۔ یہ جواب شاہ صاحبؒ نے دیا ۔ غرض اہل علم حضرات کو زیادہ چکر دیتا ہے ۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم دیا گیا تھا اپنے عیوب معلوم کرنے کیلئے تاکہ اپنے عیوب کی اصلاح کیجائے ۔ اس کو شیطان نے خود اس عالم کے خلاف استعمال کرانا شروع کر دیا ۔ کہ وہ اس علم کی روشنی میں دوسروں کے عیوب و ذنوب پر نظر کرتا رہے ۔ ان کے درپے ہو گیا ۔ ان کے عیوب نظر آئیں گے ۔ اپنا کوئی عیب نظر نہیں آئے گا تو اپنے دل میں اپنی بڑائی بڑھتی چلی جائے گی ۔ دوسروں کی ذلت وحقارت بڑھتی چلی جائے گی یہ نہایت خطرناک چیز ہے ۔ پھر ایسے علم سے کوئی خیر و برکت نہیں ہو گی ۔ جب صاحب علم کے اندر تکبر بھرا ہوا ہو ۔ دوسروں کو حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ اپنے آپ کو بڑائی کی نظر سے دیکھتا ہے

تو پھر اس کے علم میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے ؟ کچھ نہیں ۔ اہل علم حضرات کو خاص طور سے تکبر سے بچنے کی ضرورت ہے ۔ ورنہ اُن کی جتنی محنت ہے پڑھنے کی پڑھانے کی وہ ساری کی ساری برباد ہو جائے گی ۔ حق تعالیٰ جن حضرات کو اپنا علم عطا فرماتے ہیں اگر اس علم کے ساتھ اپنا فضل بھی عطا فرما دیں ۔ جو کہ اس علم کی حفاظت کرے کہ وہ شیطان کے آلۂ کار نہ بن جائیں تو ان کا حال دوسرا ہوتا ہے ۔ حضرت امام محمدؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا انتقال کے بعد ۔ پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا ۔ فرمایا کہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چپکے سے میرے کان میں کہا گیا ۔ کہ اے محمد اگر تم کو عذاب دینا ہوتا تو اپنا علم تمہارے سینے میں محفوظ نہ کرتا ۔ بس کچھ پوچھ گچھ نہیں ہوئی کہنے لگے کہ انتقال کس حال میں ہوا آپ کا ۔ فرمایا کہ کیا کہوں باب المکاتب کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا مجھے پتہ بھی نہیں چلا اور جان نکل گئی ۔

کسی نے حضرت امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا ۔ ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا ۔ فرمایا کہ عرش کی داہنی جانب مجھے سونے کی کرسی پر بٹھا کر سچے موتی مجھ پر نثار کئے گئے ۔ امام محمدؒ نے پوچھا کہ امام ابو یوسفؒ کہاں ۔ کہا کہ اس کے اوپر ہیں امام ابو حنیفہؒ کہاں ہیں ؟ کہا کہ وہ فوق الفوق ہیں ۔

جن حضرات کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے ۔ علم کے ساتھ اپنا فضل بھی عطا فرمایا ہے ۔ اس فضل نے احاطہ کر لیا ۔ ایسی چیزوں پر کہ شیطان کو رخنہ اندازی کا موقع نہ ملے ۔ تو وہ نور علیٰ نور ہیں ۔ ان کی زندگی کا کیا کہنا ؟ اور جہاں یہ چیز نہ ہو وہاں بہت پریشانی ہوتی ہے اور فضل ملتا تو ہے خدا کی طرف سے لیکن کب ملتا ہے یہ اس وقت ملتا ہے جب آدمی اپنے کو چھوٹا سمجھے ، اپنے آپ کو حقیر سمجھے ذلیل سمجھے اپنے مبدا پر غور کرے کہ میں کس چیز سے پیدا ہوا ، کتنی ناپاکی نجاست میرے اندر لگی ہوئی ، کتنی خرابیوں میں مبتلا ہوں اور پھر بیمار ہوں گا ۔ مرنے کے بعد

قبر میں کیڑے مکوڑے کھائیں گے۔ بدن پھٹے گا۔ پیپ نکلے گی۔ خون نکلے گا۔ تمام اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اور حسین چہرہ نہ جانے کیسا بن جائے گا۔ بدن کی طاقت کیسی ہو جائے گی، ان چیزوں پر آدمی غور کرے۔ تو تکبر پیدا نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ کا فضل شامل حال رہتا ہے۔ علم صحیح سمجھ میں آتا ہے اور اس علم میں ایسی برکت ہوتی ہے کہ ایک ایک آدمی لاکھوں کا استاذ، لاکھوں کے دلوں کو روشن کرنے والا بنجاتا ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حقیقتِ شکر

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم ، اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید ۔

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ اگر تم شکر ادا کرتے رہو تو ہم انعامات میں زیادتی کرتے رہیں گے زیادہ نعمت دیں گے، اور اگر تم نے ناشکری کی، کفرانِ نعمت کیا، شکر ادا نہیں کیا۔ تو میرا عذاب بہت شدید ہے۔ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے کتنی بڑی نعمت ہے کہ ہمیں تمہیں روزہ رکھنے کی توفیق دی۔ تلاش کرکے دیکھئے کتنے لوگ ایسے ملیں گے کہ روزہ نہیں رکھتے۔ رمضان کا احترام نہیں کرتے ہیں۔ بے تکلف کھاتے پیتے پھرتے ہیں اللہ نے ہمیں اس سے بچایا ہے۔ قانون شکنی ایک تو چوری چھپے سے ہوتی ہے کسی شخص نے چوری کر لی پوشیدہ طریقہ پر دوسرے کو پتہ لگ گیا پھر اس کے بھی ہاتھ نہ آیا۔ ایک کھلم کھلا علی الاعلان قانون کے خلاف کرنا۔ پھر ایک شخص کا نہیں بلکہ ایک قوم کا قانون کے خلاف کرنا۔ بالکل یوں سمجھئے کہ قانون کے خلاف گویا ایک احتجاج ہے مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ رمضان میں قانونِ خداوندی یہ ہے کہ دن بھر روزہ رکھو۔ جو لوگ روزہ نہیں رکھتے۔ ہوٹل کھول رکھے ہیں کھلا رہے ہیں پلا رہے

ہیں۔ ان کو پتہ ہی نہیں کہ رمضان آیا بھی یا نہیں آیا۔ یہ کیا ہے ؟ اجتماعی حیثیت سے کھلم کھلا علی الاعلان خدائے پاک کی قانون شکنی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب ایسا وقت آجائے کہ شراب عام طور پر پی جانے لگے۔ گانا بجانا عام ہو جائے۔ لوگ خدا کی نافرمانی کھلم کھلا علی الاعلان کریں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہو تو اوشک اللہ ان یعمھم بعقاب۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عام عذاب دے گا۔ عام گرفتاری ہو جائے گی اس میں کرنے والے نہ کرنے والے سارے پکڑے جائیں گے۔ جو لوگ ہوٹل کھول کر بیٹھتے ہیں دکان پر کام کرتے ہیں کھانا پکاتے ہیں کھلاتے ہیں ماہ رمضان کے دنوں میں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ جرم کرنے والوں میں نہیں وہ خود بھی مجرم ہیں جو کھاتے پیتے ہیں بلا عذر شرعی کے وہ بھی مجرم اور جوان کو کھلاتے ہیں وہ بھی مجرم، یہ نہ کرنے والوں میں نہیں۔ نہ کرنے والے تو دوسرے لوگ ہیں دیکھ رہے ہیں کہ بیٹا روزہ نہیں رکھتا مگر باپ کچھ نہیں کہتا۔ اگر وقت پر دکان نہ گیا لڑکا تو باپ ناراض ہوتا ہے سخت کلمات کہتا ہے۔ اگر ملازمت پر نہیں گیا تو ناراض ہوتا ہے۔ کھیت پر نہیں گیا تو ناراض ہوتا ہے۔ باپ جس کام پر لگا ہوا ہے اس کام میں اگر وہ ہاتھ نہ بٹائے تو ناراض ہوتا ہے۔ بہت خفا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہمیں معلوم ہے کہ ایک خاندان ایسا ہے کہ بڑی بڑی مونچھیں رکھتے ہیں۔ داڑھی منڈاتے ہیں۔ مونچھیں بڑی بڑی رکھتے ہیں۔ یہ بھی حدیث کا مقابلہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ داڑھی بڑھاؤ مونچھیں کتاؤ۔ وہ کیا کرتے ہیں ؟ اسکی ضد کرتے ہیں۔۔ جیسے کہ موسیٰ کی قوم نے مانگا تھا کہ من وسلویٰ کھاتے کھاتے ہمارا جی بھر گیا۔ ہمیں تو دال چاہیئے، پیاز چاہیئے۔ کہا گیا کہ اچھا اس شہر میں داخل ہو جاؤ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ اور کہو کہ اے خدا ہمارے جرم وخطا کو معاف فرما۔ جھک کر سجدہ کی حالت میں داخل ہونا۔ انہوں نے کیا کیا ؟ لیٹ گئے سیدھے، پیر پہلے داخل کر دیئے اور بجائے حِطَّةٌ کہنے کے

حِنْطَۃٌ کہہ رہے ہیں ہمیں تو گیہوں چاہیئے گیہوں، من وسلویٰ نہیں چاہیئے۔ یہ مغضوب علیہم کی شان ہے۔ خداوند تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم فرمایا ہے اس کے خلاف علی الاعلان کرنا حضورؐ نے حکم فرمایا کہ داڑھی بڑھاؤ مونچھیں کٹاؤ، وہاں کیا ہے مونچھیں بڑھاؤ داڑھی کٹاؤ، داڑھی منڈاؤ، اس خاندان میں بڑی بڑی مونچھیں رکھتے ہیں، ایک بچہ جوان ہوگیا، اس نے مونچھیں نہیں رکھیں باپ نے اس کو ڈانٹا اور دھمکی دی کہ تمہیں عاق کر دوں گا، جائیداد سے کچھ نہیں ملیگا مار مار کے گھر سے نکالدوں گا، ہمارے خاندان میں شعار ہے کہ مونچھیں رکھی جاتی ہیں۔ یہ خاندانی شعار ایسا ہے کہ جسکی وجہ سے بیٹے نے اگر مونچھیں نہیں رکھی تو گھر سے نکالنے کے لئے تیار، عاق کرنے کے لئے تیار، لیکن وہی بیٹا اگر خدا کا حکم نہیں مانتا روزہ نہیں رکھتا۔ تو باپ کی زبان ٹوٹ گئی کہ کچھ نہیں بولتے سزا دینے کیلئے۔ بیٹا نماز نہیں پڑھتا ہے، تو باپ کچھ نہیں کہتا۔ کیا قیامت میں اس کا سوال نہیں ہوگا کہ تمہارے خاندانی شعار کی مخالفت کی تو تم ناراض ہوئے اور ہمارے رسولؐ کی سنت کی مخالفت کی گئی۔ کیا اس پر بھی تم ناراض ہوئے؟ ہمارا حکم ہمارے رسولؐ کا حکم توڑ رہا تھا تم سے کچھ نہیں ہوسکا، تمہاری زبان ٹوٹ گئی تھی۔ تمہارے مونچھ کی بالوں کی قدر وقیمت تمہارے نزدیک ہمارے حکم سے زیادہ ہے؟ ہمارے رسولؐ کے فرمان سے زیادہ ہے؟ کیا جواب ہے اس کا؟ کوئی جواب نہیں۔ اگر کوئی کہے سوال کرے باپ سے تو کہتے ہیں ارے صاحب ہم نے تو کہہ دیا تھا نہیں مانتا تو ہم کیا کریں؟ اس کو اپنی قبر میں سونا ہے ہمیں اپنی قبر میں سونا ہے، ہاں یہ توصیح ہے کہ اس کو اپنی قبر میں سونا ہے اور آپ کو اپنی قبر میں سونا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر کسی بستی میں چھپّر کے مکانات ہوں اور ایک شخص نے کچھ بیوقوفی کی اپنے چھپّر میں آگ لگادی تو اور بستی کے لوگ کیا کرتے ہیں؟ یہ نہیں سوچتے کہ اس کا گھر جلے گا ہمارا

اس سے کیا نقصان ہو گا۔ ہمیں اس سے کیا لینا، کیا یہی سوچتے ہیں؟ نہیں سب کے سب چل کر جلدی سے جلدی جا کر اس آگ کو بجھائیں گے۔ حتیٰ کہ جو شخص اس کا مخالف اور دشمن ہے اس کے گھر میں بھی آگ لگ جائے اور وہ پڑوس میں رہتا ہے۔ سب سے پہلے وہ آگ بجھائے گا۔ کوئی کہے کہ تمہارا دشمن ہے اس کا گھر جلنے دو، کیا جواب دے گا؟ وہ کہے گا کہ اسی کا گھر تھوڑا ہی جلے گا وہ تو ہمارے گھر کو بھی جلائے گا۔ اس کے چھپر کی آگ وہاں سے یہاں تک آئے گی۔ وہاں نہیں سوچتے ہیں کہ اسے اپنی قبر میں سونا ہے اور ہمیں اپنی قبر میں سونا ہے، ہاں دین کا معاملہ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو اپنی قبر میں اور ہمیں اپنی قبر میں سونا ہے یہ نہایت خطرناک چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نافرمانی اللہ کی عام ہو جائے کھلم کھلا نافرمانی کی جانے لگے۔ دیکھنے والے دیکھتے رہیں اور کوئی روک ٹوک نہ کرے تو عنقریب ایسا عذاب آئیگا کہ کرنے والے اور نہ کرنے والے سب پکڑے جائیں گے۔ بیٹا نماز نہیں پڑھتا ہے خدا کے قول کو ترک کرتا ہے کسی کو توفیق نہیں ہوتی اسکو کہنے کی، بیٹا داڑھی منڈاتا ہے، کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہنے کی، بیٹا شراب پیتا ہے کسی کو توفیق نہیں ہوتی۔ ہاں ان کا اگر کوئی حکم ہو اس کو نہ مانے تو سب کے سب ناخوش ہوں گے، ناراض ہوں گے، کتنا ظلم ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ تم میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو تو تمہیں زیادہ نعمتیں دوں گا۔ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اور اگر تم نے ناقدری، ناشکری کی تو میرا عذاب سخت ہے اور خداوند تعالیٰ کا عذاب جب سخت آتا ہے تو اللہ کی پناہ، اس سے کوئی نہیں بچ سکتا ہے۔ تاریخ بھری ہوئی ہے جس وقت میں بغداد میں فتنہ اٹھا ہے۔ بس ان حالات کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں یہ کیا ہو گیا۔ جو لوگ غریب تھے، اذیت میں تھے جنکی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان کو ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا وہ مسلمان نہیں تھے۔ غیر

مسلم تھے۔ ان کے اوپر مسلمان حضرات زیادتی اور ظلم کرتے تھے۔ جو حکومت کے نشہ میں چور تھے بہت سختیاں کرتے تھے۔ ایک بوڑھے شخص نے پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اے مسلمانوں کے خدا۔ اپنے خدا کو نہیں پکارا بلکہ کہا۔ اے مسلمانوں کے خدا۔ مسلمان تجھے عادل و منصف کہتے ہیں کیا یہی تیرا انصاف ہے جو تیرے لاڈلے کر رہے ہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تب وہاں غیب سے آواز آتی ہے کہ تم حملہ کرو ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے اس نے قوم کو جمع کر کے حملہ کیا وہ جو غلام تھے مظلوم تھے حقیر و ذلیل تھے نہ حکومت میں انکا کوئی حصہ تھا نہ تجارت میں کوئی حصہ تھا بہت ہی جانوروں جیسی زندگی گذار رہے تھے۔ انہوں نے جس وقت حملہ کیا اور بہت بری طرح سے حملہ کیا۔ اور ایسا رعب انکا چھایا ہے کہ تاریخ کامل ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ ڈیڑھ سو مسلمان فوجی ہتھیار لئے ہوئے بھاگے جا رہے ہیں جان بچانے کے لئے، ایک تاتاری آدمی آکر کہتا ہے کہ کہاں جا رہے ہو ٹھہر جاؤ۔ میرے پاس چھرا نہیں ہے، اپنے خیمہ سے چھرا لے کر آتا ہوں۔ تم کو ذبح کریں گے۔ ان کے پیر جم گئے رُک گئے بھاگ نہیں سکے۔ اس کے حقوق کو ناپید کرنے کیوجہ سے وہ گیا اور اپنے خیمہ سے چھرا لے آیا اور کہا کہ لیٹ جاؤ یہاں۔ وہ لیٹ گئے ہیں اور اس نے ذبح کیا۔ جیسے مرغیوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اتنا رعب چھا گیا تھا ان پر۔ اس لئے کہ خدا کی نافرمانی کی۔ خدا کی مخلوق کو ستایا۔ ناحق ستایا۔ اللہ کی طرف سے فتح ہوئی۔ ایک جگہ پر پچاس آدمی ایک مقام میں چھپے ہوئے تھے ایک عورت آتی ہے ان پچاس آدمیوں کو جیسے گاجر مولی کو کاٹا جاتا ہے اس طریقہ سے کاٹ ڈالا یہ بیس لاکھ مسلمان وہاں آباد تھے اس زمانہ میں جن میں سے چودہ لاکھ قتل کر دیئے گئے۔ یہ کیفیت تھی۔ یہ سب کیا ہے؟ خدا کی نافرمانی علی الاعلان ہو۔ جرم عام ہو۔ اللہ کے احکام توڑے جائیں اور کوئی روک ٹوک کرنیوالا بھی کچھ نہ کرے سب خاموش رہیں اس وقت بھی یہ چیزیں سامنے آتی ہیں

اور ہندوستان میں بھی اسکی مثالیں موجود ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہوا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے یہاں دلی میں لوگوں کے دروازوں پر جا جا کر زنجیر کھٹکھٹا کر بلا بلا کر کہا: کہ اللہ کے بندو! اب تو خدا کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔ مجھے دلی کی گلی کوچوں میں خون بہتا ہوا نظر آرہا ہے۔ لیکن لوگ نہیں ملنے۔ ارے ملّا لوگوں کا تو کام ہی یہ ہے ان کا تو دماغ صحیح نہیں ہے۔ آخر کار ہوا جو کچھ ہونا تھا۔ آفت آئی مصیبت آئی۔ اللہ کی پناہ، اللہ کی پناہ۔ احمد شاہ ابدالی آیا، نادر شاہ آیا اور بادشاہ کو جس وقت اطلاع کی گئی کہ دشمن آرہا ہے حملہ کرنے کے لئے تو کہا کہ ارے ارے ارے ایک پیالہ اور دیدو "این دفتر بے معنیٰ غرق مے اولیٰ" اس پرچہ کو شراب کے پیالہ میں ڈبو دیا کہا کہ ایک پیالہ اور دو، آخر کار وزیروں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا، اور اعزاز و اکرام کے ساتھ لے کر آئے، شاہی مہمان بنائیے، لڑنے کی تو طاقت تھی نہیں اب یہاں کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد جو باتیں سنانے لیٹے ہیں تو کہا "او مار ڈالا مار ڈالا مار ڈالو" نادر کی فوج کو قتل کر دو۔ انہوں نے کہا اُف او یہ تو سازش معلوم ہوتی ہے جو ہماری دعوت کی

دلّی کی سنہری مسجد کی فصیل پر تلوار نیام سے نکال کر نادر شاہ بیٹھ گیا جسکی بنار پر قتل عام ہوا اور انہیں قتل کرنا شروع کیا۔ دریائے جمنا کا پل لاشوں سے بھر گیا۔ لاشوں کی کثرت سے پانی کی روانی بند ہو گئی۔ دلی کی جامع مسجد، فتح پوری کی مسجد، قاضی حوض یہ سب لاشوں سے بھرے ہوئے تھے یہ کیفیت اس وقت کی ہو چکی ہے اور واقعۃً دلی کی گلیوں کوچوں میں خون بہا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے دیکھا ہے اس وقت میں کچھ خاندانِ بقائی کے لوگ تھے۔ کسی طرح سے چھپ چھپا کر وہاں سے آئے ہیں اور اپنی پگڑی بادشاہ کے قدموں میں رکھدی اور کہا کہ بادشاہ سے بادشاہ کی لڑائی ہے رعایا کا کیا قصور ہے۔ ان کو کیوں قتل کیا جارہا ہے۔ نب اس تلوار کو نیام

میں واپس کیا گیا ہے اس واسطے یہ قتل کی صورتیں۔ یہاں بھی پیش آئی ہیں اور اب بھی پیش آتی رہتی ہیں جگہ جگہ۔ بہت کچھ ہوا مکہ مکرمہ میں بھی ہوا، مدینہ طیبہ میں بھی ہوا۔ سب تاریخ میں بھری پڑی ہے، یہ کیوں ہوا؟ یہ اس وقت ہوتا ہے جب احکام خداوندی کی عظمت قلب سے نکل جائے اور نافرمانی کھلم کھلا کیجانے لگے اور قلوب اس سے متاثر نہ ہوں۔ بیٹے کو کوئی چپت مار دیتا ہے تو قلب متاثر ہوتا ہے ساری طاقت خرچ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ کے قانون کو توڑا جا رہا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو چھوڑا جا رہا ہو اس پر کوئی اثر نہیں، اللہ کو بہت ناگوار گذرتا ہے بہت سخت چیز ہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ غصہ میں آتے ہیں۔ وہاں بغداد شریف میں یہ ہوا ۱۴ لاکھ قتل کر دیئے گئے۔ بیس لاکھ میں سے اس کے بعد پھر ان لوگوں نے جنہوں نے ہمت کر کے قتل کیا تھا جو پہلے غلام تھے ماتحت تھے، ذلیل وحقیر تھے انہوں نے اپنی کمیٹی کی اور کمیٹی کر کے کہا کہ ہم نے اپنے خدا سے نہیں مانگا تھا مسلمانوں کے خدا سے کہا تھا۔ فریاد تو مسلمانوں کے خدا سے کی تھی۔ ہماری فریاد سنی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا سچا ہے۔ مذہب اسلام سچا ہے۔ وہ لوگ اپنے مذہب پر قائم نہیں تھے خدا کی بات نہیں مانتے تھے۔ مذہب کی بات نہیں مانتے تھے، اس لئے وہ ذلیل وخوار ہوئے۔ اب ہمارے علم میں سب کچھ آ گیا ہے اس لئے ہم سب مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ تو مسلمان احکام خداوندی کو اس طرح سے ذلیل وحقیر کریں گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو لا کھڑا کر دے گا۔ مصیبت ان کی ہے جو مسلمان ہونے کے باوجود خدا کی نظروں میں مغضوب بنیں، مقہور بنیں، عذاب ان کے اوپر آیا، ان کو تباہ وبرباد کیا گیا۔ وہ لوگ کامیاب ہیں جنہوں نے ان کو قتل کیا اور قتل کر کے پھر وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اسی سلسلے میں سولہ سترہ پشت تک سلطنت چلی ہے جنہوں بغداد شہر کو تباہ کیا اور مسلمانوں کو

قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت دیدی۔ اس لئے قرآن پاک میں ہے لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اگر تم شکر کروگے تو ہم نعمت زیادہ دیں گے وَلَئِن كَفَرْتُمْ اور جو تم نے ناشکری کی إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ پھر میرا عذاب بہت سخت ہے۔ اس لئے خدا کے عذاب و قہر سے ڈرنا چاہیئے۔ دیکھئے۔ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے روزہ کی توفیق دی سارے مجمع کو کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ نے کتنی بڑی نعمت عطا فرمائی۔ تراویح پڑھنے کی توفیق دی قرآن پاک سن رہے ہیں تین حافظ صاحبان سنا رہے ہیں کتنا بڑا احسان ہے ان کا کہ بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کتنے لوگ اس وقت چوری کرنے میں مشغول ہوں گے۔ کتنے لوگ فحش خانوں میں گئے ہوئے ہیں کتنے لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ سر پھٹول ہو رہی ہے کتنے لوگ چوروں کو پکڑنے میں مبتلا ہیں۔ اللہ نے ان ساری چیزوں سے محفوظ فرمایا اور امن دے رکھا ہے، عافیت دے رکھی ہے، موقع دے رکھا ہے کہ اطمینان سے نماز پڑھو، اطمینان سے قرآن شریف پڑھو۔ اطمینان سے تسبیح پڑھو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے۔ کسی کو کھانا پکانے کی ضرورت نہیں۔ چائے پکانے کی ضرورت نہیں، بازار سے سودا لانے کی ضرورت نہیں۔ خدا نے ہر چیز کا انتظام کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے قلوب میں ڈالا کہ ہمارے بندے آئے ہوئے ہیں، یہاں رمضان گذارنے کے لئے وہ روزے رکھیں گے۔ اعتکاف کریں گے تم انکے لئے کھانا تیار کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح سے کھانے کا انتظام فرمایا۔ اپنے اوقات کو قدر کی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ گپ، شپ میں وقت نہیں گذارنا چاہیئے کہ یہ بڑی خطرناک چیز ہے اور وقت بڑی قیمتی چیز ہے ؎

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے ؎ یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

اس جزر و مد کو، اس سانس کے اُتار چڑھاؤ کو ضائع مت کرو، یہ جواہر کی لڑی ہے

ایک ایک سانس میں آدمی کتنا کتنا کام کرسکتا ہے، کتنی مرتبہ سبحان اللہ پڑھ سکتا ہے
کتنی مرتبہ الحمدللہ پڑھ سکتا ہے، قل ہو اللہ پڑھ سکتا ہے، درود شریف پڑھ سکتا ہے، نہ
کرے بات اِدھر اُدھر کی درود شریف پڑھتا رہے، نماز پڑھتا رہے، قرآن شریف
پڑھتا رہے کتنا بڑا فائدہ ہے، کتنی بڑی کمائی ہے، حق تعالیٰ کے انعامات اس سے زیادہ
ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرما رکھی ہے، کتنے لوگ سخت سے سخت امراض میں
مبتلا ہیں۔ آج یہاں کسی مسماۃ کا انتقال ہوگیا ہے، سنا ہے کہ وہ بیچاری بہت سخت بیماری
میں مبتلا تھی۔ اور روزہ رکھنے سے گھر کے لوگوں نے منع کیا مگر نہیں مانی۔ رات سحری بھی
کھائی۔ سخت ترین بیماری کے باوجود۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حالت میں اس کو بلایا۔ آج
انتقال ہوگیا۔ رمضان میں جس کا انتقال ہوجائے، انشاء اللہ اس سے حساب وکتاب نہیں
ہوگا۔ قبر کا سوال وجواب معاف۔ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے، اس واسطے ضرورت ہے کہ
ہم اپنے اوقات کی قدر کریں، خداوند تعالیٰ کی ان نعمتوں کو سمجھیں کہ کتنی بڑی نعمت ہے
اور اس کے غور کرنے کی صورت یہی ہے کہ ان نعمتوں سے کام لیں یعنی اپنی جوانی۔ اپنی
صحت و تندرستی۔ اپنی بے فکری، فراغت کو ضائع نہ کریں۔ یہ کس قدر کارآمد نعمتیں ہیں
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روزانہ روزہ رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
معلوم ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا روزانہ روزہ رکھتے ہو۔ کہا کہ جی۔ فرمایا کہ ایسا مت
کرو۔ مہینہ میں تین روزے ایام بیض کے رکھ لیا کرو۔ وہ بولے کہ حضورؐ میں جوان ہوں۔
مجھے اپنی جوانی سے کام لے لینے دیجئے۔ بڑھاپے میں کہاں روزے رکھے جائیں گے۔
گھٹاتے، گھٹاتے۔ یہاں تک کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اچھا ایک دن روزہ رکھو ایک دن
افطار کرو۔ تو وہ حضرات اپنی جوانی کی قدر اس طرح سے کرتے تھے کہ بدن میں طاقت
ہے روزہ رکھ لینے دیجئے۔ آج ہماری جوانی کہیں اور کسی چیز میں پھنس چکی ہے ہم
کہنے کو ان کے نام لیوا ہیں، ان کے خدام ہیں صحابۂ کرامؓ کے، مگر طرز زندگی ہمارا بالکل

ان کے خلاف ہے۔ اس لئے اپنی جوانی، اپنی فراغت ان الشباب والفراغ والجدۃ مفسدۃ للمرء ای مفسدۃ۔ جوانی فراغت اور مالداری یہ تینوں چیزیں جب جمع ہو جائیں کسی شخص کے پاس بس یوں سمجھو کہ فساد کا مادّہ جمع ہو گیا۔ حالاں کہ ان ہی تینوں چیزوں کے ذریعہ سے آدمی آخرت کو کما سکتا ہے۔ بڑے فائدے حاصل کر سکتا ہے، خداوند تعالیٰ کو خوش کر سکتا ہے ورنہ تو یہ کہیں اور کسی چیز میں خرچ ہوتی ہیں۔ ان حضرات کی زندگی کا حال یہ تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جا رہے ہیں ایک مکان سے کسی شخص نے کوڑا کباڑ پھینکا۔ اس میں چمڑے کا ایک ٹکڑا بھی تھا بس یہ آگے بڑھے اور بڑھ کر چمڑے کو اٹھالیا۔ کہا کہ الحمدللہ تین دن کا تو انتظام ہو گیا اس چمڑے کے ٹکڑے کو دھویا صاف کیا پاک کیا اس کو سکھا کر جلایا راکھ بنائی۔ تین روز غذا کے طور پر اس کو استعمال کیا۔ تو غذا کے معاملہ میں تو ان کا حال یہ تھا۔ کوئی فکر نہیں تھی کہ مستقل غذا ہونی چاہیئے، مستقل آمدنی ہونی چاہیئے دکان ہونی چاہیئے۔ کھیتی ہونی چاہیئے۔ باغ ہونا چاہیئے۔ کوئی فکر نہیں۔ کوڑے کباڑ میں سے ایک چمڑے کا ٹکڑا اٹھایا تین روز کی غذا کے لئے کافی ہو گیا۔ اور یہی سعد بن ابی وقاصؓ وہ ہیں جو گھوڑے کی پشت پر چڑھ کر گئے ہیں ملک فارس کو فتح کرنے کے لئے، ملک فارس انہوں نے فتح کیا خدا کے دین کی خاطر ان کے عزائم یہ تھے اور اپنی ذات کی خاطر یہ تھا۔ اب تو تصوّر بھی نہیں۔ اور ان کی کمر میں دنبل تھے۔ جس وقت جہاد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اس لئے میدان جہاد میں شرکت کے بجائے مکان کی چھت پر بیٹھ کر وہیں سے سامنے میدان تھا جس میں جہاد ہو رہا تھا۔ بس وہیں سے بیٹھ کر فوج کی کمان کرتے تھے۔ ایک بڑا تکیہ رکھ کر گھٹنوں پر اس طرح سے یہاں تکیہ رکھا اور بیٹھے کہنیوں پر اور سارے لشکر کو دیکھ رہے ہیں نہ ان کے پاس دوربین تھی۔ نہ ان کے پاس بولنے کے لئے لاؤڈ اسپیکر تھا ایک ایک شخص تک کو نظر میں رکھتے تھے۔ کون کدھر ہے کون کدھر ہے اور وہیں سے

آواز دے کر کہتے۔ ارے فلانے دس قدم داہنی طرف کو ہو جا۔ فلانے تم بائیں طرف کو ہو جاؤ۔ فلانے تم آگے ہو فلاں دیکھو تمہارے پیچھے کون ہے؟ اس طرح سے کمان کرتے تھے ایک روز بہت زور کی لڑائی ہوئی تھی اس روز یہ اپنے مکان کے نیچے اتر آئے اور سب لشکر کے سامنے بیٹھ کر کمر سے کپڑا ہٹا کر دنبل (زخم) دکھلوائے تاکہ کسی کو بدگمانی کا موقع نہ ملے کہ یہ میدان میں نہیں آئے مگر ایک شاعر نے شعر کہے جس کا حاصل یہ تھا کہ آج کا معرکہ بہت زوروں کا تھا ہم میں سے بہت سو کے بچے یتیم ہو گئے بہت سو کی بیویاں بیوہ ہو گئیں۔ مگر ہمارے سپہ سالار بہت ہی عیش و راحت کے ساتھ کاشانۂ عشرت میں تشریف فرما رہے۔ وہ اشعار ان کے کان میں پہنچے فوراً ہاتھ اٹھا کر کہا اَللّٰھُمَّ اقْطَعْ لِسَانَہٗ، یعنی یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رض مستجاب الدعوات تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ ان کو مستجاب الدعوات بنا دے چنانچہ انہوں نے کہا ابھی تک چہرے پر ہاتھ نہ پہنچائے تھے کہ دشمن کا ایک تیر آیا شاعر کے حلق پر لگا وہ وہیں ختم ہو گیا۔ اپنی زندگی کا طرز یہ تھا دین کی خاطر محنت و مشقت کا حال یہ تھا اور اپنے نفس کے ساتھ میں کیا معاملہ کرتے تھے کیسی کڑی نگرانی کرتے تھے بہت واقعات ہیں ان کے مستجاب الدعوات ہونے کے جس کے لئے دعا کی کیا ہو گیا کیا سے کیا ہو گیا یہ کوفے کے گورنر بھی رہے ہیں۔ وہاں سے ایک شخص نے شکایت کی حضرت عمر رض کی خدمت میں کہ آپ نے ایسے شخص کو گورنر بنا دیا جس کا حال یہ ہے کہ اسے نماز بھی پڑھانی نہیں آتی۔ کئی شکایتیں تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ نماز پڑھانا نہیں جانتے۔ حضرت عمر رض نے ان کو طلب فرمایا یہ کہنے لگے کہ بھئی میں تو بڑے خسارہ میں رہا۔ اگر مجھے نماز پڑھانی نہیں آتی۔ حالانکہ میں نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز سیکھی ہے، مجھے نماز نہیں آتی تو مجھ سے زیادہ خسارہ میں کون ہو گا۔ حضرت عمر رض نے پوچھا۔ آپ نماز کیسے پڑھاتے ہیں۔ بتایا ایسے، فرمایا کہ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسی ہی

پڑھاتے تھے مجھے بھی اسی طرح سے یاد ہے شکایت غلط تھی۔ بہرحال حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا۔ حضرت محمد ابن مسلمہؓ کو بھیجا وہ گئے ہیں اور گھانس کی ایک گٹھری خریدی اور ان کے دروازہ پر گھانس کی گٹھری کو ڈال کر اس میں آگ لگا دی شعلہ اس کے بلند ہو گئے یہ طریقہ تھا لوگوں کو اکٹھا کرنے کا۔ شعلے بلند ہوئے سب دوڑے ہوئے آئے۔ بھئی کیا بات ہوئی کیا بات ہوئی سعد کے سامنے ان کو معزول کیا گیا، یہ بیٹھے رہے فکرمند وہاں کچھ نہیں بولتے، کچھ بھی بد دعا نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ بازار میں جا رہے تھے ایک لڑکی جا رہی تھی ہوا کا جھونکا آیا۔ اس کا کپڑا اٹھا جس سے اسکی پنڈلی کھل گئی حضرت عمرؓ نے درّہ اُٹھایا اس پر کہ ہوشیاری سے نہیں چلتی؟ یہ بھی موجود تھے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، انہوں نے کہا دیکھئے صاحب اس کا قصور نہیں۔ وہ اپنی طرف سے پورا انتظام کر کے چلی ہے کپڑے میں لپیٹ کر۔ ہوا پر تو اس کا قابو نہیں۔ ہوا کا جھونکا زور سے چلا اس کا پلّا اٹھ گیا۔ پنڈلی بھی کھل گئی۔ میں آپ کے لئے بد دعا کرتا ہوں۔ بس فوراً حضرت عمرؓ نے ان کے ہونٹ پکڑ لئے اور درّہ دیدیا کہ پٹائی کر لو باقی بد دعا مت کرنا۔ اتنا گھبراتے بھی تھے ان کی بد دعا سے۔ تو ان کی زندگیوں کا رخ کچھ اور تھا ہماری زندگیوں کا رخ کچھ اور ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اصلاح فرمادے اور نیک توفیق عطا فرمادے۔

ذکر، نسبت، اجازت

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قال اللہ تعالیٰ۔ یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً

اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ جتنی عبادات فرض کی گئی ہیں ان کی مقدار متعین کر دی گئی ہیں۔ لیکن ذکر کی کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کو تکثیر کے لئے کہا گیا۔ کثرت سے ذکر کرنے کی برکت سے پاس والا بھی متاثر ہوتا ہے داہنے، بائیں، آگے، پیچھے جو بھی ہو سب ہی متاثر ہوتے ہیں درو دیوار پہ بھی اثر ہوتا ہے، جانوروں پر بھی اثر ہوتا ہے۔ اس کی برکات بہت دور تک پہنچتی ہیں اور پھر جب مجمع ذکر کرنے والا ہو، سب کے قلوب بیک وقت اللہ کی طرف متوجہ ہوں بڑی خیر و برکت ہوتی ہے اور بسا اوقات اس سے آدمی یوں سمجھنے لگتا ہے کہ مجھے نسبت حاصل ہوگئی۔ دیکھتا ہے اپنے قلب میں صفائی نورانیت توجہ الی اللہ، دنیا کی رغبت کم دیکھتا ہے۔ معاصی کی طرف توجہ نہیں ہے۔ طاعات کی طرف توجہ ہے تو احسان بھی حاصل ہو جاتا ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ سوچتا ہے کہ مجھے نسبت حاصل ہوگئی۔ اور یہ نسبت حاصل بھی ہوگئی غلط نہیں سوچتا صحیح ہے مگر یہ نسبت بہت ہی ضعیف ہے۔ سارے ماحول کے اثر کا نتیجہ ہے تنہا اپنی محنت

کا نہیں۔ پائیدار وہ چیز ہوتی ہے جو اپنی محنت سے حاصل کیجائے۔ اور جو چیز دوسرے کے پاس بیٹھنے سے یا ماحول کے اثر سے ہو تو ماحول بدل جائے تو وہ کیفیت بھی بدل جاتی ہے۔ ابھی ابھی ذکر کر رہے تھے دوسرے ماحول میں پہونچ گئے تو وہاں دوسری حرکتیں شروع کیں۔ وہاں کے ماحول کا اثر ہو گیا۔ اس واسطے اس سے یوں نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم ذکر میں کامیاب ہو گئے ایسے کامیاب ہو گئے کہ اب ہمیں ضرورت نہیں رہی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ جب مرض الوفات میں مبتلا تھے میں بھی گیا چند روز میں نے بھی قیام کیا۔ مجھے بلوایا فرمایا کہ مولوی محمود! جانتے ہو مشائخ جو مجاز بنایا کرتے ہیں۔ اجازت دیا کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ میں نے کہا حضرت میں نہیں جانتا کہ کیا مطلب ہوتا ہے فرمایا کہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ طالب نے اپنے شیخ کی فرماں برداری میں خدمت کے لئے گویا کہ اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اتنی خدمت کی اپنے شیخ کی اتنی اطاعت اور فرماں برداری کی کہ ہر چیز اپنی اپنے شیخ کی خواہش کے مطابق کی، اپنی خواہش کو فنا کر دیا اور اس خدمت میں اس کو رسوخ حاصل ہو گیا۔ یہ خدمت اور اپنے آپ کو چھوٹا اور عاجز سمجھنا اور بڑوں کی خدمت کرنا گویا کہ اب اس کے لئے ملکۂ راسخہ بن گئی۔ جب یہ ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے تو شیخ اجازت دیتا ہے کہ بھائی جو معاملہ تواضع اور عاجزی اور خدمت کا تم نے میرے ساتھ کیا ہے میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ یہی معاملہ تم تمام مخلوقِ خدا کے ساتھ کرو خدا کی ہر مخلوق کے ساتھ یہی معاملہ کرنا جو معاملہ اپنے شیخ کے ساتھ کیا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے شیخ کے سامنے فنا کر دیا، تمہارا ارادہ کوئی ارادہ نہیں رہا اپنی خواہش کوئی خواہش نہیں رہی۔ بس شیخ کو راحت پہونچانا۔ جس چیز کو شیخ کہے پوچھے اس کو کرنا۔ بس ساری مخلوقات کے ساتھ یہی معاملہ کرنا یہ مطلب بتایا تھا انہوں نے اجازت دینے کا۔ یہ مطلب نہیں کہ مشیخت کی مسند پر بیٹھ جائیں اور

حکمرانی شروع کردیں. بلکہ اپنے آپ کو سب کا خادم سمجھے سب کا غلام سمجھے خلق خدا کیسا اچھا معاملہ کرے حضرت تھانوی رح تھانہ بھون میں تھے، حضرت مدنی رح دیوبند میں تھے مسائل سیاسی تھے ۔کش مکش چل رہی تھی ایک جماعت ایک طرف دوسری جماعت دوسری طرف وہ اس کو حق کہے وہ اس کو حق کہتے ۔گڑ بڑ بہت تھی حضرت رائے پوری سہارنپور تشریف لائے، حضرت مولانا الیاس صاحب بھی تشریف لائے ۔ تذکرہ آگیا ۔حضرت مولانا الیاس صاحب نے فرمایا کہ بھئی بات یہ ہے فیض کی نہ یہاں کمی نہ وہاں کمی ۔ فیض کی نہ تھانہ بھون میں کمی نہ دیوبند میں کمی معترض یہاں سے بھی محروم وہاں سے بھی محروم ۔پھر حضرت رائے پوری رح نے کہا کہ ہمارا جی تو بہت چاہتا ہے حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہونے کے لئے، لیکن ہم لوگ بے سلیقہ وبے شعور ہیں ۔ بزرگوں سے ملنا ان کے پاس جانا بیٹھنا ہمیں آتا نہیں ہے اور حضرت رح کی طبیعت تو اور نازک ہے ایسا نہو کہ ہمارے بے سلیقہ پن سے ہم سے کوئی تکلیف پہونچ جائے اس لئے جانے کی ہمت نہیں ہوتی ہے ۔ ایک طالب علم جو حضرت تھانوی سے تعلق رکھنے والا تھا وہ مجلس میں موجود تھا ۔بس اس نے جلدی سفر کیا تھانہ بھون جاکر حضرت تھانوی کے یہاں حضرت رائے پوری کا یہ مقولہ نقل کیا ۔حضرت تھانوی نے فرمایا ۔افسوس میں نے سفر ترک کردیا ورنہ میں خود رائے پور حاضر ہوتا وہ فقرہ یہاں پہنچا ۔سہارنپور اس وقت تک حضرت رائے پوری اور مولانا الیاس موجود تھے ۔ یہاں مولانا الیاس نے کہا کہ بس حضرت اب تو چلیں گے تکلیف پہونچ جائے ہم سے پڑی پہونچ جائے، ہم تکلیف پہونچانے نہیں جارہے ہیں بچے ۔بڑوں کے کپڑوں پر پیشاب بھی کردیتے ہیں جب انہیں گود میں لیا جاتا ہے ہم حضرت کے بچے ہیں اس لئے تکلیف پہونچ جائے گی پڑی پہونچ جائے ہم تکلیف پہونچانے نہیں جارہے ہیں ۔چنانچہ تھانہ بھون گئے وہاں اور بھی کچھ لوگ گئے اور جناب

اس طالب علم نے آگے جاکر حضرت تھانویؒ کو اطلاع کردی کہ فلاں فلاں آرہے ہیں
حضرت کے یہاں نظام فاروقی تھا۔ مجمع کو خطاب کرکے حضرت نے فرمایا کوئی اپنی جگہ سے
نہ اُٹھے سب اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں میں اٹھوں گا میرا اٹھنا سب، کا اٹھنا شمار ہوگا۔
چنانچہ حضرت اٹھ کر دروازہ پر تشریف لائے۔ ملاقات کی معانقہ کیا اور ساتھ لیجاکر
اپنی مسند پر بٹھایا جہاں خود بیٹھتے تھے کچھ دیر تو سکوت رہا۔ کوئی کچھ نہیں بولتا
پھر حضرت تھانویؒ نے پوچھا خود ہی ابتدا فرمائی کہ میں رائے پور میں حاضر ہوا بڑے
حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کے زمانہ میں ایک دفعہ گیا پھر تو جانے کی ہمت ہی
نہیں ہوئی۔ آپ کو وہاں دیکھنا یاد نہیں پڑتا۔ پہلے تو حضرت رائے پوریؒ نے
پوچھا کہ حضرت کیا بات پیش آگئی تھی کہ آپ پھر تشریف نہیں لے گئے۔ فرمایا کہ حضرت
گنگوہیؒ کی وفات کے بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنا بزرگ تصور کرتے
ہوئے۔ انہوں نے میرے ساتھ معاملہ میری حیثیت سے بہت اونچا کیا۔ مجھے برداشت
کرنا مشکل ہوگیا۔ تاہم رات کو مجھے لٹا دیا گیا۔ میری آنکھ کھلی کچھ دیر بعد۔ دیکھا کہ
کوئی لاٹھی لئے ہوئے میری چارپائی کے قریب کھڑے ہیں ٹہل رہے ہیں دیکھا کہ
مولانا عبدالرحیمؒ ہیں بس گھبرا کے اٹھا کہ حضرت کیا بات ہے فرمایا کہ یہاں کے لوگ ایسے
ہی بے سلیقہ ہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چلے اور پیر کی آہٹ سے تمہاری نیند اچاٹ ہوجائے
میں نے کہا کہ حضرت بس میرا آنا تو ختم ہوگیا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ کو وہاں
دیکھنا یاد نہیں پڑتا۔ حضرت رائے پوریؒ نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس وقت کب
پہچانتے۔ حضرت کو خیال ہو کہ ایک شخص آدھی آستین کی کمری پہنے ہوئے ایک گھٹنیا
(گھٹنوں تک پائجامہ) پہنے ہوئے مہمانوں کے لئے چارپائی بچھاتا، ہاتھ دُھلاتا تھا
بستر بچھاتا تھا، دسترخوان بچھاتا، کھانا لاتا تھا حضرت تھانویؒ نے ذرا غور کرکے
فرمایا کہ ہاں اس حلیہ کا جوان آدمی تھا تو صحیح۔ پنجابی شکل کا۔ کہا کہ حضرت یہی

خادم تھا حضرت کیا پہچانتے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

جب وہاں سے چلنے لگے تو حضرت تھانویؒ بھی اٹھنے لگے اپنی جگہ سے، ضعف کی وجہ سے اٹھنا ذرا مشکل ہو رہا تھا تو حضرت رائے پوریؒ نے بغل میں ہاتھ دیکر اٹھا دیا۔ تو ایک جملہ عجیب و غریب حضرت تھانویؒ نے کہا "آگے بھی خیال رکھنا کہیں بھول جاؤ۔ خدمت بڑی عجیب چیز ہے۔ اپنے آپ کو فنا کر دینا حضرتِ شیخ کی خدمت میں۔ فنا کے کیا معنیٰ ہیں؟ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ جو مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے خاص خادم تھے اور پھر جانشین بھی بعد میں ہوئے۔ ان کے ملفوظات میں ہے " فناء سے مراد فناء ارادہ ہے کہ اپنا ارادہ کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے مالک الملک کا ارادہ ہے۔ چنانچہ حضرت رائے پوریؒ ایک مرتبہ سہارنپور تشریف لائے۔ پوچھا گیا کہ کیا ارادہ ہے۔ فرمایا اپنا ارادہ کچھ نہیں جو کچھ وہ چاہیں وہی ہے۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے ملفوظات میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس برس تین مشائخ کی خدمت کی ہے اس کے بعد پھر تیس برس سے ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہا۔ اب فنا تام حاصل ہوا۔ اپنے آپ کو مردہ تصور کرتا ہوں۔ جو لوگ میرے پاس آتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ تیری قبر پر آرہے ہیں کسی کا سلام پہنچاتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری قبر پر کھڑے ہو کر سلام پہنچا رہے ہیں جس کو میں سن رہا ہوں پھر سوچتا ہوں کبھی میں زندہ ہوں۔

ایک فنا فی الشیخ ہوتا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حالات میں کتاب تصنیف کی ہے "نقشِ حیات" اس میں لکھا ہے کہ میں مدینہ طیبہ میں جب ذکر کرتا تھا تو ذکر کرتے وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا جسم میرا نہیں ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کا ہو گیا۔ اس چیز کو گنگوہ جاکر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے تذکرہ کیا اس کا

فرمایا کہ ہاں اپنے کو بھی یہ بات پیش آئی کہ اپنا جسم نہیں ہے۔ جب آدمی اپنے آپکو فنا کر دیتا ہے تو ایسا ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا حضرت رائے پوری رحمے کہ حضرت نسبت کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ آدمی کو پہلے اپنے شیخ سے محبت ہوتی ہے محبت کے بعد عشق کا درجہ ہو جاتاہے پھر یہ ہوتا ہے کہ اپنے صفات کی کمی ہوتی چلی جاتی ہے اور شیخ کے صفات اس کے اندر آتے چلے جاتے ہیں اور اسکی نسبت سے اخلاق فاضلہ ملکۂ راسخہ بنتے چلے جاتے ہیں ۔۔یہی نسبت ہے۔ جب محبت ہوتی ہے تو شیخ کے صفات منتقل ہوتے ہیں اور اپنے صفات ختم ہو جاتے ہیں۔ اپنے مزاج میں بخل تھا۔ شیخ کو اللہ نے سخی بنایا تھا تو بخل ختم ہوکر شیخ کے اندر کی سخاوت اس کے اندر آجاتی ہے اور پھر شیخ کی صفات ایک ایک کرکے آتی چلی جاتی ہیں اور انہیں کا اسپر غلبہ ہو جاتاہے۔ رائے پور میں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب موجود تھے ان کے اندر حضرت رائے پوری رح کے صفات اتنے آگئے تھے کہ حضرت رائے پوری رح کے انتقال کے بعد میں نے جو ان کو دیکھا تو مجھے شبہ ہوگیا کہ یہ تو حضرت رائے پوری رح بیٹھے ہیں۔ چلنا۔ پھرنا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا ہر چیز حضرت رائے پوری رح کے مزاج پر ہوگئی۔ بات جو کرتے تھے تو اسی طرح سے کرتے ہیں اس طرح سے نسبت تو یہ حاصل ہوتی ہے تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب مجمع یہاں موجود ہے اور اللہ کے فضل سے عبادات میں مشغول رہتے ہیں ذکر کرتے ہیں، تسبیح پڑھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں نفلیں پڑھتے ہیں مراقبہ کرتے ہیں تو نسبت تو حاصل ہو ہی جاتی ہے مگر اس نسبت کیوجہ سے مغرور نہیں ہونا چاہیئے۔ یوں نہیں سمجھنا چاہیئے کہ صرف ہماری اپنی ذاتی محنت ہے نہیں معلوم کرکس کے طفیل میں کس کو حاصل ہو رہی ہے کون اللہ کا بندہ یہاں مقبول ہے ہم نہیں جانتے اپنے یہاں جا کر گھر پر بھی یہ قائم رہے تو وہ ٹھیک ہے ورنہ تو وہی حال ہو گا۔ کہ عطر فروش کی دکان پر گئے۔ وہاں اگر بتی جل رہی، اس کی خوشبو ناک میں آئی مگر وہ خوشبو اپنی نہیں، دکان سے ہٹ

گئے خوشبو ختم ہوگئی۔ وہ اس ماحول کا اثر ہے جس کو اس وقت نسبت ملی وہ ماحول کا
اثر ہوگا۔ میرے والد صاحبؒ بتاتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ کی مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن
صاحبؒ جو دیوبند کے مہتمم تھے بیٹھے ہوئے تھے ہائے ہائے اچانک کہتے ہوئے مجلس سے
نکل جاتے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا۔ قلب میں تحمل ہی نہیں۔ کوئی کیا کردے۔ حضرت
مدنیؒ سناتے تھے، سبق میں سنایا تھا کہ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ یہ شیخ تھے
حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے جس سن میں انتقال ہے حضرت میانجی نور محمد صاحبؒ
کا اسی سن میں پیدائش ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی ۱۲۶۹ھ
ہیں۔ تو حضرت میاں جی صاحب کے متعلق حضرت مدنیؒ فرماتے تھے ایسا ضبط تھا کہ
جو کیفیت حضرت منصورؒ پر دفعۃً کے لئے آئی تھی جس سے وہ انا الحق کہہ اٹھے وہی کیفیت
حضرت میانجی صاحبؒ پر مسلسل چھ مہینہ تک رہی مگر کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔
نقشبندیہ کے طریقہ پر توجہ دیتے تھے۔ لڑکوں نے دیکھ لیا اور ان کی
نقل شروع کی۔ ایک پیر بن گیا اور باقی سب مرید ہوگئے گردن جھکا کر سب بیٹھے
اطلاع کی گئی حضرت میاں جیؒ صاحب کو کہ لڑکے اس طرح سے نقل کررہے ہیں تو سب
کو پکڑوایا اور بلاکر کہا کہ تم میں سے پیر کون بنا تھا؟ لڑکوں نے کہا یہ بنا تھا تو باقی
لڑکوں کو کہدیا تم لوگ جاؤ۔ ان سب کو بھگاکر جو پیر بنا تھا اس کو تنہا بٹھایا۔ اور
فرمایا کہ آنکھیں بندکرو آنکھیں بندکیں۔ یہ گھبرا کے اٹھا۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ۔
جب وہ لڑکا بوڑھا ہوگیا تب اس نے بتایا کہ جب میں بیٹھا ہوں حضرت میانجیؒ کے
سامنے ایسا معلوم ہوا کہ میرے قلب پر آگ کی چنگاری رکھدی گئی۔ مجھ سے برداشت
نہیں ہوئی میں گھبرا گیا چنگاری ذرا دیر کو رکھی تھی پھر فوراً اٹھالی گئی اب تک اس کا
اثر یہ ہے کہ برسات ہے بادل ہے اندھیری رات ہے۔ مکان میں کوٹھا۔ اس کے
اندر کواڑ بندکرکے لحاف کے اندر جب لیٹتا ہوں۔ صحن میں نیم کا درخت ہے اس کے

پتے بھی ہلتے ہوئے نظر آتے ہیں حضرت میانجیؒ جب بیمار ہوئے اور لوہاری سے جھنجھانہ منتقل کیا جارہا تھا تو حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے تھانہ بھون میں ملے اور فرمایا کہ تم سے کام لینا تھا مگر وقت نہیں رہا۔ میرا وقت آخری ہے حاجی صاحبؒ رونے لگے فرمایا کہ رونے کی بات نہیں تم کو میری قبر سے وہی فیض حاصل ہوگا جو زندگی میں مجھ سے حاصل ہوتا تھا۔ مشہور ہے کہ درویش مرتا نہیں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے دیو بند میں بھی ایک صاحب کہتے تھے کہ حضرت میاں جی کی قبر پر چلنا چاہیئے۔ انہوں نے یہ فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں فرمایا تو تھا مگر حاجی صاحب سے فرمایا تھا مجھے اور آپکو تھوڑا ہی فرمایا تھا جن کی اصلاح کی، جن کی تربیت کی، جن کے قلب کو مزکیّ و مصفیّ بنایا ان کو فرمایا تھا۔ ان کو مناسبت تامہ تھی وہ فیض حاصل کرتے تھے۔ ایک صاحب کا خط آیا میرے پاس کہ یہاں ایک مزار ہے لوگ اس پر جاتے ہیں۔ آپ مجھے اجازت دیدیجئے کہ میں بھی مزار پر چلا جایا کروں وہاں جاکر صاحب قبر سے استفادہ کرلیا کروں میں نے ان کے جواب میں لکھا کہ آپ کبھی کبھی وہاں ضرور جایا کریں اور وہاں جاکر سنت کے مطابق سلام کریں۔ جیسے قبرستان میں پہونچ کر سلام کرنے کا طریقہ ہے اور کچھ قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہونچادیں۔ دعا کرلیں ان کے لئے بھی اپنے لئے بھی اور بس۔ اس سے زیادہ استفادہ نہ کریں۔ آج کل استعدادیں اتنی کمزور ہیں کہ زندہ شیخ سے سامنے بیٹھ کر استفادہ نہیں ہوتا۔ آپ وہاں بیٹھیں گے قبر پر آنکھ بند کر کے گرو گھنٹال نہ جانے کیا کیا آپ کو دکھلائے گا۔ آپ کہیں گے کہ صاحب قبر کی طرف سے فیض ہو رہا ہے۔ بڑی دشواری پیش آئے گی۔ اس لئے ایسا نہ کریں۔ بعضے بعضے آدمی کو نظر بھی آتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ دیکھا۔ میں نے یہ دیکھا میں نے ایسا دیکھا۔ ایکمرتبہ حضرت شیخ رح کے سامنے تذکرہ آگیا کہ فلاں جگہ پر جانا ہوا تھا فلاں صاحب نے بتایا ہے کہ ایسا ایسا دیکھا۔ تو بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ فرمایا

احمق کو کئی مرتبہ منع کیا یہ مت کیا کرو وہ باز نہیں آتا۔ کشف قبور کا انکار نہیں۔ بزرگوں کو ہو جاتا ہے مگر اس پر اعتماد کر کے اپنے دینی رہبران ہی کو تجویز کرنا۔ یہ ذرا دشوار ہے، ہر ایک کی بس کی چیز نہیں۔

ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ نے بیان فرمایا تھا کہ ضلع انبالہ میں ایک شخص تھے ان کے پیر تھے، پہاڑ پر وہ وہاں پیر کے پاس پہاڑ پر جایا کرتا تھا۔ سال بھر میں ایک مرتبہ وہ بیچارے بوڑھے ہو گئے اور پیر صاحب رہتے تھے پہاڑی پر۔ یہ پہاڑ پر چڑھ کر پیر صاحب کی زیارت کے لئے جاتے۔ ایک دفعہ جا رہے ہیں۔ اور سوچ رہے ہیں کہ انبالہ میں فلاں قبر ہے مجھے اجازت دیدیں کہ میں اس صاحب قبر سے استفادہ کر لیا کروں۔ اس لئے کہ یہاں پر بہت چڑھائی ہے۔ یہ تو سوچ ہی رہے تھے۔ جیسے ہی وہاں پہونچے پیر صاحب نے کہا کہ اب تم یہاں مت آیا کرو تمہارے یہاں فلاں بزرگ کی قبر ہے بس وہیں چلے جایا کرو۔ یہ مرید اپنے دل میں بہت خوش ہوئے اور وہاں صاحب قبر کے پاس جانا شروع کر دیا مگر انھوں نے انکا مزاج درست کر دیا۔ تہجد کے وقت اٹھے۔ نیت باندھی۔ وہ صاحب قبر کہتے ہیں کہ ہمارے بیٹے فلاں جگہ پر ہیں ان کے گھوڑوں کے لئے گھانس پھونس نہیں۔ انہیں جا کر گھاس لا کر دے۔ یہ گئے گھاس لا کر دیا۔ ذکر کرنے بیٹھے تو کہا کہ اجی وہاں استبل میں لید پڑی ہے جا کر اسکو صاف کر دو۔ تب انہوں نے کہا کہ اس سے تو وہی اچھا تھا کہ سال بھر میں ایک دفعہ ہی پہاڑ پر چڑھنا پڑتا تھا اب جوان پیر صاحب کے پاس ان کی قبر پر گئے تو انہوں نے ڈانٹ دیا کہ ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں جاؤ ان ہی کے پاس جہاں تم پہلے پہاڑ پر جایا کرتے تھے۔ غرض یہی ہوتا ہے۔ انبالہ میں ایک بزرگ تھے سائیں توکل شاہ صاحبؒ مجذوب بھی رہے ایک زمانہ میں بلا رکھتے تھے اپنے پاس کبھی اس کو گود میں لئے بیٹھے چوم رہے چاٹ رہے ہیں نماز بھی اسکو ساتھ لیکر پڑھتے

تھے کبھی گلے سے لپٹا رکھا ہے۔

ایک مولوی صاحب تھے ان سے دوستی تھی مولوی صاحب کا نام تو جانتے نہیں تھے مولوی صاحب کو تبلی والا کہتے تھے تبلی کہتے ہیں پنجابی زبان میں پاجامہ کو اور لوگ عامتہً لنگی باندھتے تھے مولوی صاحب پاجامہ پہنتے تھے اس لئے ان کا نام تبلی والا تھا حال یہ تھا سائین توکل شاہ صاحب کا کہ مولوی صاحب حدیث پڑھا رہے ہیں یہ ان کے پاس کھڑے ہوئے تقریر سننے کے لئے اور کہتے تبلی والا غلط بتا رہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے فتح الباری میں اس طرح ہے حالانکہ سائیں توکل شاہ صاحب خود امی تھے۔ مولوی صاحب فتویٰ لکھتے تھے اٹک گئے، سوچتے سوچتے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ سائیں توکل شاہ صاحب پہونچتے اور کہتے۔ تبلی والے فلاں مسئلہ کا جواب نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے دیکھئے۔ یہ بحر الرائق میں ہے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب نے کہا تم کیسے آدمی ہو؟ کتا ساتھ میں رکھتے ہو؟ کتا ساتھ رکھنے سے رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ ہاتھ پکڑ کر ان کا کھینچ کر باہر لے گئے۔ مولوی صاحب نے کتے کا پلا چھین کر ہاتھ سے باہر پھینکا اور ان کے کپڑے بدلوائے، غسل ان کو دلایا اور کہا کہ اب تم پاک ہوگئے۔ بس رقص آگیا۔ کہنے لگے ہون میں پاک ہوگیا۔ تبلی والا کہتا ہے کہ ہون میں پاک ہوگیا۔ ناچ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہون میں پاک ہوگیا۔ (ہون معنیٰ اب) اور وہ کتے کا پلا خبر نہیں کہاں گیا۔ یہ بھی بات تھی اتنی مدت تک کتے کا پلا ساتھ رہا نہ اس کا لعاب، پیشاب، پاخانہ کہیں ان کے کپڑوں میں لگا۔ نہ مسجد میں کہیں نہ چٹائی پر ادھر ادھر لگا۔ اللہ جانے کیا چیز ہے، کہتے ہیں کہ اپنے نفس کو صورت مثالیہ میں کتا بنا کر اس طرح سے لپٹا رکھا تھا یا دنیا کو اس طرح کتے کی شکل میں کر رکھا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا تم کیسے آدمی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہو اصل میں تو محلہ والوں نے کہا کہ یہ آزاد ہیں کہیں چلے نہ جائیں ان کے پیروں میں زنجیر

ڈال دینا چاہیئے۔ یعنی شادی کر دینی چاہیئے۔ لیکن ان سے کون کہے؟ مولوی صاحب کو واسطہ بنایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم نکاح کرلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہنے لگے لڑکی مجھے کون دیگا کہا کہ تم تیار تو ہو جاؤ؟ کہا اچھا تو کرادو۔ چنانچہ ایک عورت سے بات چیت پہلے سے کر رکھی تھی نکاح پڑھانے کیلئے ان کو لے کر چلے ہیں۔ سائیں توکل شاہ صاحب کو کپڑے بدلوا کر۔ راستہ میں کہنے لگے یہ آزاد آدمی ہے کہیں بھاگ نہ جائے اس کے پیر میں زنجیر ڈالدو۔ بس یہ کہا اور کرتہ پھاڑا، اور بھاگ گئے، آٹھ روز تک غائب رہے، آٹھ روز کے بعد آئے، تو مولوی صاحب کو دیکھا۔ مولوی صاحب کو دیکھ کر خفا ہو گئے۔ تیلی والا دھوکا دیتا ہے مجھ کو، کہتا ہے کہ سنت پر عمل نہیں کرتے، سنت پر عمل نہیں کرتے اور مطلب یہ کہ ان کے پیر میں زنجیر ڈالدو بھاگ نہ جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ کسی کا مطلب کچھ ہو تم تو سنت پر عمل کر رہے ہو۔ کسی کے کہنے سے تم پر کیا اثر پڑتا ہے، جیسی جو نیت کرے وہ جانے، کہا اچھا۔ اسکے بعد نکاح کرلیا۔

سائیں توکل شاہ صاحب سے کہا گیا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے فتویٰ دیا ہے کہ کوّا حلال ہے آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ سائیں توکل شاہ صاحب کو غصہ آگیا۔ چہرہ سرخ ہو گیا اور کہا کہ مولانا رشید احمد صاحب کے فتویٰ کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے ہو۔ میں مولانا رشید احمد کو مجلس نبوی میں مسندِ افتاء پر فائز دیکھتا ہوں۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے امیر شاہ صاحب نے بتلایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ممبر پر کھڑا کیا۔
اور مجھ سے ایک سو مسائل دریافت فرمائے جن کا جواب میں نے فقہ حنفی کے موافق دیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان فرما کر مجھے فتویٰ لکھنے کی اجازت

مرحمت فرمائی۔ (یہ واقعہ خواب کا ہے) ممکن ہے۔سائیں توکل شاہ صاحب کو یہ چیز منکشف ہوئی ہو۔

میاں عبدالرحیم صاحب سے کسی نے ایک آیت کا مطلب پوچھا تو فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔لیکن اس آیت کا مطلب میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ قیامت کو ایسے ہو جائیں گے کہ جیسے دھنی ہوئی اون (و تکون الجبال کالعھن المنفوش) تم اس کا مطلب مولانا رشید احمد صاحب سے پوچھیو سائل نے کہا۔کیا مولانا اس کا مطلب جانتے ہیں۔تو میاں صاحب نے جواب دیا کہ مولانا رشید احمد کا قلم عرش کو دیکھ کر چلتا ہے۔

اکابر کا علمی دینی ذوق

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

دہلی میں ایک بزرگ تھے انہوں نے ایک صاحب کو اپنے پاس رکھ کر تربیت کی ذکر و شغل کی تعلیم دی۔ جب دیکھا کہ پختہ ہو گئے تو ان کو بھیجا کہ ملتان جاؤ، دین کی تبلیغ کرنے کیلئے۔ وہ چلے، ان کی جوانی کا جوش۔ گرم خون۔ طبیعت میں بڑا ولولہ۔ چلتے چلتے پانی پت پہونچے۔ پیدل کا راستہ ویسے ہی تھا۔ پانی پت میں ایک جوگی تھا آس پاس کوئی مسلمان گذرتا تو اس کے اوپر حملہ کرتا۔ قلب پر حملہ کرتا، ایمان پر حملہ کرتا اور بہت صاحبِ تصرّف تھا۔ جب یہ پانی پت کے قریب پہونچے۔ اس کو پتہ چلا اس نے تو پہلے وہیں سے زور لگایا مگر وہ کامیاب نہیں ہوا پھر آیا اور آکر ان کے سامنے کھڑا ہوا۔ پوچھا تو کون ہے؟ کہاں جاتا ہے؟ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے کہا: میں مسلمان ہوں، میں ملتان جاتا ہوں، میں کہتا ہوں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ یہ کہہ کر جوگی کے قلب پر ضرب لگائی۔ ایک ہی ضرب لگی تھی کہ وہ باولہ ہو گیا، دماغ خراب ہو گیا بھاگا وہاں سے جو شخص ملتا، اس کو کہتا کہ دیکھو اُدھر مت جانا اُدھر کو مت جانا اُدھر کو ایک مسلمان ملتان جاتا ہے وہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ وہ یہ کہتا ہے اسکی مت سننا۔ تو جو آیا تھا ان کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے ایمان چھیننے کے لئے انہوں نے اسی کو آلۂ کار بنایا۔ اسی کے ذریعہ سے کلمہ پھیلایا۔ اُدھر جناب ان کے شیخ جو دہلی میں تھے ان کو اس کا ادراک ہوا کہ راستہ میں ایسا ہو رہا ہے۔

ان کو اس سے گرانی ہوئی ۔ گرانی ہوئی تو ادھر سے ان کو (مرید کو) اس کا احساس ہوا ۔ کہ پاور ہاؤس سے کرنٹ نہیں آرہا ہے، جیسے کرنٹ آتا ہے اس سے طاقت پیدا ہوتی ہے اب وہ کرنٹ نہیں آرہا ہے۔ بجائے آگے پیسے کے پیچھے لوٹے، ان کے شیخ نے ڈانٹا کہ تم کو ملتان تبلیغ کرنے کیلئے بھیجا تھا راستہ کی تبلیغ کے لئے تو نہیں بھیجا تھا پھر ایک چلہ اور کرایا اس کے بعد تاکید کرکے بھیجا کہ تبلیغ کے لئے ملتان جاؤ۔ وہ ملتان گئے، وہاں اسّی ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ پہلے یہ تھا کہ جو طاقت بھی مسلمان کو دی جاتی تھی مسلمان سمجھتا تھا کہ دین کی خاطر یہ طاقت دی گئی ہے۔ جسمانی طاقت ہو مادی، دماغی طاقت ہو، ذہن کی، قلبی طاقت ہو روحانیت کی، مال و دولت کی طاقت ہو، عزت و جاہت کی طاقت ہو۔ ہر چیز کو یہ سمجھتا تھا کہ دین کی خاطر مجھے ملی ہے۔ اور یہیں بھی ساری چیزیں دین کے واسطے۔ اسی لئے دی گئی ہیں۔ یہ دنیا عیش پرستی کے لئے تو نہیں ہے یہ تو دین کی خدمت کرنے کیلئے ہے۔ عیش کا زمانہ تو اس کے بعد آئے گا اس دنیا کے ختم ہونے کے بعد۔ آج ہم نے خداوند تعالیٰ کی ان سب نعمتوں کو سمجھ لیا کہ ہمارے نفس کے واسطے ہیں، لہٰذا ہم عیش کے لائق ہیں اور ہمارے جو فرائض تھے وہ ختم ہوگئے۔ اپنے فرائض ترک کردیئے۔ خدا کی نعمتیں جو بطور انعام کے تھیں، بطور اعانت کے تھیں تاکہ ان کے فرائض کے انجام دینے میں دشواری پیش نہ آئے وہ ساری استعمال کررہے ہیں اور جو اصل کام تھا اس کو ختم کردیا۔ بس۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے جو شخص جہاں بھی ہے جس جگہ بھی ہے۔ ہر شخص کو ہر وقت میں اس کے شائع کرنے اور پھیلانے کا موقع ہے، اپنے بیوی بچوں میں، اعزہ اقارب کو، دوست احباب کو، ہر بات میں سکھانا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ ایک مرتبہ سہارنپور تشریف لائے

علاج کے سلسلہ میں حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے تلبینہ تیار کرایا (تلبینہ کھانے کی ایک قسم ہے) اور تیار کرا کے حضرت کی خدمت میں بھیجا اور ایک پرچہ بھی ساتھ رکھا کہ حضرت کے اطمینان کے لئے عرض کرتا ہوں کہ معالج سے میں نے کھانے کے اجزاء کی ہیئتِ ترکیبیہ بتا کر تحقیق کر لیا ہے، معالج نے کہا ہے کہ حضرت کے مزاج کے خلاف نہیں طبع کے خلاف نہیں۔ اور فلاں حدیث میں اس کی ترغیب وارد ہے، حدیث بھی لکھی، مقوی قلب ہے، لہٰذا حضرت کی خدمت میں پیش ہے نوش فرمالیں۔ قبول فرمالیں مادی نفع بھی بتادیا اور عدم مضرت بھی ظاہر کر دیا۔ اور جتنی دین کی بات تھی کہ ترغیب آئی ہے حدیث میں وہ بھی بتادی۔ یہ اس واسطے دین کی بات نہیں بتائی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں نہیں تھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو بحر ذخائر تھے علوم کے، بس اپنا جو شغل تھا ان کا کہ حدیث کی اشاعت ہو، دین کی بات پھیلے، چرچے میں آئے، تاکہ ذہن علمی ذہن بنے ذوق علمی ذوق ہو، جو بات ہو بڑوں سے ہو چھوٹوں سے ہو سب علمی باتیں ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ پرچہ پڑھا اور اس کا جواب لکھا۔

محبی محبوبی! آپ نے جوشِ محبت میں اصول کی رعایت نہیں کی مجھے پہلے ہی حدیث سنا دی، اب اندیشہ مجھے یہ ہے کہ اگر مجھے کھانے کے لئے پسند نہ آئے مزہ نہ لگے تو جس چیز کی حدیث شریف میں ترغیب آئی ہے اس سے بدمزگی اور ناپسندیدگی لازم آئے گی۔ پہلے مجھے پیش کرتے میں اگر اس کو پسند کر لیتا، پھر حدیث سناتے تو زیادہ راحت ملتی۔ اب یہ ہے کہ جو چیز حدیث کی ترغیب کی ہے مجھے اگر اس میں مزہ نہ لگے تو پھر کیا ہوگا (تو یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و روایات کی اس قدر رعایت رکھنے والے تھے کہ طبعی طور پر اگر کسی چیز میں مزہ نہ لگے اور حدیث میں اس کی ترغیب آئی ہو تو یہ بھی برداشت نہیں تھا ان کو۔ ان بزرگ ہستیوں کے متعلق یوں کہا جاتا ہے کہ یہ توہین کرتے ہیں گستاخیاں کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

غور کیجیے کہ ان کے برابر حدیث کی قدر کرنیوالا کوئی ملیگا) لہٰذا آپ کا تحفہ جواب کے انتظار میں رکھا ہے ۔ پرچہ بھیجدیا جسے جواب آئے ۔ یہ بھی نہیں کیا کہ اس تحفہ کو واپس کر دیتے دل شکنی کا باعث ہوتا اسکی بھی رعایت کی حضرت تھانوی ؒ نے ۔ اس کو رکھدیا ۔ پرچہ جواب کیلئے بھیجدیا ۔

حضرت شیخ الحدیث ؒ نے جواب لکھا ۔

حضرتِ ! کھانے کا لذیذ اور غیر لذیذ ہونا یہ زیادہ تر پکانے والے کی مہارت پر موقوف ہے ، جو ماہر ہوتا ہے تو معمولی چیز کو بھی لذیذ پکا دیتا ہے ۔ اور جو اناڑی ہوتا ہے تو عمدہ چیز بھی اسکی پکائی ہوئی اچھی نہیں معلوم ہوتی ۔ اگر یہ مزیدار نہ ہو لذیذ نہ ہو تو اس کو محمول کیا جاوے پکانے والے کے فعل کی طرف کہ جس چیز کی ترغیب حدیث میں آئی ہے وہ ان کے قابو میں آئی نہیں ۔

دوسرے یہ کہ حدیث میں اس کو مفید کہا گیا ہے لذیذ نہیں کہا گیا ۔ تلخ دوا مفید ہوتی ہے مزیل مرض ہوتی ہے لیکن لذیذ نہیں ہوتی ، تیسرے یہ کہ اگر ناپسند بھی ہو تو فلاں روایت میں ہے کہ یکرہ المریض مریض کو ناگوار گذرتی ہے اس سے تو حدیث کی اور زیادہ تقویت ہوگی تائید ہوگی ۔ اس لئے نوش فرما دیں ۔

حضرت تھانوی ؒ نے اس کو نوش فرمایا ۔ اور کچھ نہیں فرمایا کہ لذیذ معلوم ہوئی یا غیر لذیذ معلوم ہوئی ۔ ان حضرات کا ذوق علمی ذوق تھا ۔ احادیث اور روایات سامنے ہیں ہر چیز بس یہ حضرات چاہتے ہیں کہ حدیث پر عمل ہو کوئی چیز حدیث کے خلاف نہ ہو ۔ ایک دفعہ کوئی چیز تھی تقسیم کے لئے کسی کو دی ۔ انہوں نے تقسیم کر دی اخیر میں حضرت شیخ ؒ نے فرمایا کہ اب میں اور تم ہی رہ گئے بس ۔ یہ کیا ہے ؟ اب تو میں اور تم ہی رہ گئے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا گیا ۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فاقہ سے تھے ان کے جی میں آیا کہ یہ تو میرے ہی لئے کافی تھا مجھے ہی عنایت

فرمادیتے اور یہ مجھے ہی حکم فرمادیں کہ سب کو پیش کروں، اور ایک ایک کو دیتے جاتے وہ جتنا پیتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے کہ شاید اب بھی کہہ دیں پینے کیلئے، یہاں تک کہ سب کو پلا دیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو میں اور تم ہی رہ گئے۔ اتنی بات میں حدیث کا اتباع ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ان حضرات کے علوم تازہ رہتے تھے۔

ایک سفر میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ دونوں تھے کسی جگہ پر پہونچ کر قیام فرمایا۔ ایک صاحب جو حضرت تھانویؒ کے خدام میں تھے، انھوں نے گھڑی پیش کی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ہدیۃً۔ حضرت تھانویؒ کے یہاں ہدیہ قبول کرنیکے بھی بڑے شرائط تھے، جلدی سے قبول نہیں کر لیتے تھے اور مستثنیات بھی تھے۔

ایک شخص لال شکر گڑ کی جو اس کے یہاں کھیت میں گنّے کی بنتی تھی۔ ذرا سی لے کر آیا اور حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پیش کی حضرت نے قبول فرمالی اور تقسیم بھی کرادی وہ ذرا ذرا سی آئی حصہ میں۔ سب نے کھالی، اس کے بعد کہنے لگا:

حضرت جی! میں مرید ہونگا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے یہاں تو یہ قانون نہیں مرید کرنیکا۔ اس نے کہا کہ میں قانون نہیں جانتا، میں تو مرید ہوں گا۔ حضرت نے کہا کہ بھئی ہم اس طرح سے مرید نہیں کیا کرتے۔ اس نے کہا کہ اچھا تو پھر میری شکر واپس کردو۔ حضرت نے فرمایا کہ شکر تم نے اس واسطے دی تھی۔ کہنے لگا کہ ہاں میں نے تو اسی واسطے دی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ تو نے بتایا کیوں نہیں تھا؟ کہا کہ آپ نے پوچھا کہاں تھا۔ پوچھتے تو بتاتا۔ فرمایا کہ اچھا کتنی تھی شکر۔ اس نے کہا کہ کتنی و تنی نہیں میں تو وہی لوں گا۔

حضرت نے اُسے مرید کر لیا۔ جب سب طرف سے راستہ بند ہو گیا تو اس نے کہا کہ اجی مجھے وظیفہ بھی بتادو۔ حضرت کے یہاں یہ دونوں کام ساتھ نہیں ہوتے تھے

کہ بیعت بھی ہو جاویں اور وظیفہ بھی بتادیں۔ حضرت نے اس کو وظیفہ بھی بتادیا۔ اس نے کہا کہ اجی مجھے تبرک بھی دیدو۔ حضرت نے ایک تسبیح دی تبرک میں۔ اس نے کہا دحی میں خدمت بھی کرونگا۔ حضرت نے پیر آگے کو پھیلا دیا۔ اس نے دبالیا پھر چلا گیا۔ حضرت نے بعد میں فرمایا کہ بڑی پکی قسمت کا تھا اپنی ساری ضدیں پوری کر گیا اور جہاں کہیں ردو قدح ہوتا تھا وہاں یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے کھیت سے ایک ککڑی لاکر پیش کی۔ حضرت نے فرمایا تم نے اس ککڑی کو پیش کرنے سے پہلے پیش کرنے کی اجازت مجھ سے کیوں نہیں طلب کی۔ کہا کہ حضرت غلطی ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کی سزا تجویز کرو۔ اس نے کہا: حضرت جو سزا تجویز فرمادیں۔ فرمایا کہ اچھا دیکھو وہ اعلان لگا ہوا ہے اس میں ہدیہ پیش کرنے کا قانون ہے۔ اس کو پڑھو اور پڑھنے کے بعد آکر مجھ سے اجازت طلب کرو ککڑی پیش کرنے کی جب میں اجازت دوں تب پیش کرو۔ اس نے کہا کہ وہ اعلان تو میں نے پہلے ہی پڑھ لیا تھا۔ فرمایا کہ تم نے اور تکلیف پہنچائی۔ اس نے کہا کہ غلطی ہو گئی؟ حضرت نے فرمایا کہ سزا تجویز کرو اس نے کہا، جو آپ تجویز فرمادیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا ککڑی اٹھاؤ۔ اپنے کھیت پر جاؤ۔ کھیت سے پھر آؤ۔ پھر اس اعلان کو پڑھو۔ پڑھ کر پھر مجھ سے اجازت طلب کرو پھر پیش کرو۔ اس نے کہا اجی حضرت جی میں کھیت میں جاتا پھروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے اور تکلیف پہنچائی۔ اس نے کہا کہ غلطی ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ تو سزا ہونی چاہیئے۔ اس نے کہا کہ سزا جو آپ تجویز کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ ککڑی اٹھاؤ اور چلے جاؤ اور آئندہ مت آنا۔ بس وہ اپنی ککڑی اٹھا کر السلام علیکم کہہ کر چلدیا حضرت نے کہا وعلیکم السلام۔ اور جو ہدیہ دینے والے ہوتے تھے وہ بھی عجیب عجیب حرکتیں کرتے تھے۔ ایک صاحب مہمان آئے۔ اس زمانہ میں اسٹیشن تھانہ بھون کا نہیں تھا جلال آباد کا تھا۔ ایک مزدور کے سر پر تین مٹکیاں لے کر آئے اور خانقاہ کے

دروازہ پر پہونچ کراس کے پیسے دے رہے تھے۔ پیسے دینے میں گڑ بڑی ہوگئی وہ کچھ زیادہ مانگتا ہے یہ کچھ کم دیتے ہیں۔ بہرحال وہ تو نمٹ گیا۔ ادھر حضرت تھانوی بھی دروازے پر پہونچ گئے، سلام و مصافحہ کیا اور مٹکیاں پیش کیں۔ حضرت نے پوچھاکہ یہ کیا؟ کہاکہ بالوشاہی ہے ہدیہ ہے آپکی خدمت میں، فرمایاکہ تم نے اجازت مانگی تھی؟ کہاکہ جی ہاں۔ فرمایاکہ خط دکھلاؤ۔ خط دکھلایا اس میں لکھا تھاکہ میرے یہاں بالوشاہی بہت لذیذ ہوتی ہے، مجھے اجازت دیجئے خدمت میں لانے کیلئے۔ حضرت نے فرمایاکہ اجازت ہے صرف تین عدد لانے کی۔ حضرت نے فرمایاکہ اس میں تین عدد لکھی ہے کہاکہ بس تین ہی ہیں اس نے باقاعدہ حلوائی سے بنوائی ہے ایک ایک بالوشاہی ایک ایک مٹکے کی۔ اس نے کہاکہ حضرت میرا جی چاہتا تھاکہ میں زیادہ لاؤں مگر حضرت نے پابندی عائد کردی تو اسکی اس کے سوا کیا صورت ہوسکتی تھی؟۔ جتنی حضرت گرفت کرتے تھے ہوشیار لوگ اس گرفت سے بچ کر نکلنا چاہتے تھے۔

ایک صاحب عالم آدمی لمبے لمبے خطوط لکھتے تھے۔ اصلاحی خطوط ہوتے تھے، حضرت نے لمبے خطوط لکھنے کو منع فرمایا اور فرمایاکہ ایک خط میں تین سطر سے زائد مت لکھو۔ اچھی بات ہے۔ اب کے لفافہ جو بھیجا ہے لمبا کاغذ لیکر اور اسکی پوری لمبائی میں تین سطریں لکھی تھیں۔ حضرت نے فرمایا یہ دیکھئے یہ انھوں نے میری تحریر کا حاصل نکالا ہے حضرت نے اس کو پڑھا نہیں اور لکھدیاکہ تین سطریں لکھو ناپ کر ناک کی برابر، حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہاکہ حضرت! یہ بھی لکھد یجئے ٹانگ کے برابر نہیں میں نے کہا یہ بھی غنیمت ہے یہ نہیں لکھاکہ کس کی ناک کے برابر؟ اگر ہاتھی کی ناک کے برابر لکھدے تو اور زیادہ بات بڑھے گی۔ اس قسم کی چیزیں چلتی رہتی تھیں۔ مگر اس سب کے ساتھ حضرت کے یہاں کچھ مستثنیات بھی ہوتے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ سے دریافت کیاکہ حضرت، پہلی مرتبہ جب آپ تھانہ بھون گئے تھے تو کیا صورت

پیش آئی تھی۔ فرمایا میں گیا ہوں، رات کو گاڑی پہونچی۔ اور میں اپنا بستر سر پر رکھ کر جلال آباد سے وہاں تک پہونچا پوچھ پاچھ کر کہ خانقاہ کا دروازہ کدھر ہے کھٹکھٹایا۔ خانقاہ کا ملازم آیا۔ اس نے کواڑ تو کھولے نہیں، کواڑ کے آڑ میں کو پوچھا کون! میں نے کہا حسین احمدؒ۔ کہا یہاں دروازہ بند ہونے کے بعد کھلنے کا قانون نہیں۔ سوچا۔ اب کہاں جاؤں؟ کسی سے جان پہچان نہیں۔ آخر حضرت تھانویؒ کا مکان پوچھ کر وہاں جاکر دروازہ کے سامنے بستر بچھا کر لیٹ گیا، صبح ہوئی بستر لپیٹا حضرت تھانویؒ تشریف لائے دروازہ کھولا حضرت نے فرمایا کون؟ عرض کیا حسین احمدؒ۔ فرمایا ماٰیں۔ تم یہاں اس وقت کیسے؟ فرمایا کہ حضرت کا قانون کسی غریب کو خانقاہ میں داخلہ کی اجازت دیتا ہے وہاں غریبوں کے لئے دروازہ نہیں کھلتا ہے یہ صورت پیش آئی۔ بس حضرت خانقاہ اپنے ساتھ لے گئے اور پہلا کام یہ کیا کہ اپنے خادموں سے جاکر کہا کہ دیکھو یہ مستثنیٰ ہیں جب آئیں ان کے لئے دروازہ کھول دینا۔ اس لئے مستثنیات بھی ہوتے تھے اور جو بغیر استثنار کے ہو اس کے ساتھ میں معاملہ دوسرا بھی کیا جاتا تھا کسی شخص پر خفا ہو گئے تھے۔ حضرت تھانویؒ اصلاحی معاملہ میں اس کو کہدیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور اپنے خادم سے فرمایا کہ اس کا سامان نکال دو باہر۔ ایک دوسرے مہمان آئے تھے وہ بہت پرانے تھے ان کو یہ حالت دیکھ کر ترس آیا۔ کہا کہ آپ کا یہ کیا طریقہ ہے کس طرح سامان نکال کر باہر کر دیا۔ خادم کو حضرت نے آواز دی اور فرمایا ان کا بھی سامان باہر نکالدو۔ یہ اپنی اصلاح کے لئے آئے ہیں یا میری اصلاح کے لئے۔ اس واسطے یہ قوانین چلتے تھے۔ تو وہ گھڑی پیش کی حضرت نے قبول فرمالی، دوسرے وقت تنہائی میں جب کوئی اور نہیں تھا حضرت سہارنپوریؒ نے کہا حضرت تھانویؒ سے اگر یہ گھڑی آپ کی ضرورت سے زائد ہو تو مجھے دیدیجئے میں اس کو خرید لیتا ہوں۔ حضرت تھانویؒ نے کہا کہ خریدنے کی کیا بات ہے؟ میں بھی آپ کا گھڑی بھی آپ کی

پیش خدمت ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے کہا کہ میں خریدنے کی ابتدا کر چکا ہوں۔ اس لئے اب اس کے ہدیہ ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں۔ ورنہ تو یہ حسنِ طلب سمجھا جائے گا اگر آپ از خود پہلے ہدیہ دیتے تو دوسری بات تھی۔ اب تو میں خریدنے کی ابتدا کر چکا ہوں۔ تھوڑے سے ردو قدح کے بعد میں معاملہ ہو گیا فروخت کر دی۔ انہوں نے خرید لی، رکھ لی، بات چھپی نہیں رہتی۔ ہوا ہی لیجا کر پہنچا دیتی ہے۔ آج کل تو ریڈیو میں ہوائیں پہنچاتی ہیں اس پر بھی پہونچ گئی۔ ان کو قلق ہوا کہ میں روپیہ بھی پیش کر سکتا تھا۔ میرا مقصود یہ تھا کہ حضرت گھڑی کو اپنے استعمال میں رکھیں۔ حضرت کو بھی ان کی دلداری منظور تھی۔ حضرت تک خبر پہونچی تو انہوں نے حضرت سہارنپوریؒ سے کہا کہ حضرت وہ گھڑی واپس کر دیں مجھے دیدیں۔ فرمایا کیوں ؟ کیا خیارِ شرط تھا ؟ فرمایا کہ خیارِ شرط تو نہیں تھا مُہدی کو اس سے بہت ہی گرانی ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا یہ شرط تھی کہ اگر مہدی کو گرانی ہوگی تو واپس کر دی جائے گی کہا کہ شرط تو یہ بھی نہیں تھی۔ بیع تو مکمل ہو گئی تھی پھر عرض کیا کہ حضرت اقالہ فرمالیں۔ فرمایا کہ اقالہ کے لئے تراضیٔ طرفین شرط ہے میں تو رضامند نہیں اقالہ کیلئے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت آپ میرے بڑے ہیں میں چھوٹا ہوں۔ بڑے چھوٹوں کیخاطر رضامند ہو جایا کرتے ہیں۔ آپ بھی رضامند ہو جائیے۔ اس میں کیا بات ہے۔ یعنی قانون تو ہو گیا ختم، ضابطہ کی اب کوئی بات نہیں کہہ سکتے، اب تو رابطہ کی بات ہے رابطہ سے کام لینا شروع کیا۔ حضرت سہارنپوریؒ نے جواب دیا کہ میں ضرور واپس کر دیتا لیکن بات دوسری ہے وہ یہ کہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں خریدی میرے ایک دوست نے مجھے وکیل بنایا تھا اور کہا تھا کہ میرے لئے ایک گھڑی خرید لینا۔ میں اس کی نیت سے خرید چکا ہوں یہ گھڑی اس کی ہو گئی۔ اس نے مجھے وکیل بالشراء بنایا تھا، وکیل بالبیع نہیں بنایا تھا یہ نہیں کہا تھا کہ میری گھڑی بیچ دیجیگا

وکیل کے جو حقوق ہوتے ہیں تصرف کے وہ مؤکل کے اعطار تک محدود رہتے ہیں مؤکل نے مجھے اتنا ہی حق دیا تھا کہ اس کیلئے گھڑی خرید لوں۔ یہ حق نہیں دیا تھا کہ اس کے لئے بیع بھی کر دوں۔ بات ختم ہوگئی اب آگے کچھ نہیں۔ دوسرے روز مجلس میں جب وہ صاحب بھی آئے جنہوں نے گھڑی ہدیہ کی تھی۔ اس وقت حضرت سہارنپوریؒ نے گھڑی نکال کر حضرت تھانویؒ کے سامنے رکھدی، لیجئے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے تو فرمایا تھا کہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں لی۔ دوسرے کیلئے لی اس نے مجھے وکیل بالشراء بنایا تھا وکیل بالبیع نہیں بنایا، واپس کرنے کا حق مجھے نہیں۔ فرمایا کہ بات اسی طرح ہے اس میں کوئی توریہ نہیں لیکن مجھے ان پر اعتماد ہے میں ان سے کہونگا کہ میں نے آپ کے لئے گھڑی خرید لی تھی اور پھر میں نے اس کو فروخت کر دیا، یا واپس کر دی تو ان کو اس سے گرانی نہیں ہوگی۔ ان کے یہاں باتیں ہوتی تھیں تو علمی ہوتی تھیں، مسائل نکلتے تھے۔ سننے والوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا اس واقعہ سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے۔ ہدیہ دینے کا خاص ادب بھی معلوم ہوا کہ دینے کے بعد گرانی نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ جس کو دیا ہے اس کو پورا اختیار ہے جو چاہے تصرف کرے۔

ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ تشریف لائے ہوئے تھے سہارنپور۔ وہ زمانہ مجلس احرار و مسلم لیگ کی سیاسی کش مکش کا تھا مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ رئیس الاحرار بھی آئے ہوئے تھے۔ ایک صاحب حضرت رائے پوری کے خادم جو بھٹ کے رہنے والے تھے وہ مسلم لیگ کے آدمی تھے وہ آئے اُن کیوجہ سے حضرت رائپوری کھڑے ہوئے تعظیم کیلئے۔ شیخ بھی کھڑے ہوئے اس وقت چلتے پھرتے تھے خوب، مولانا حبیب الرحمن صاحب کیطرف رخ نہیں کیا۔ مصافحہ کرنے کیلئے۔ بلکہ جو بات کرنی تھی دو تین منٹ میں حضرت رائے پوریؒ سے بات کر کے وہ چلے گئے۔ جب وہ

چلے گئے تب مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے کہا مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے غلطی کی۔ مجھے بھی کھڑا ہو جانا چاہیئے تھا جب اتنے بڑے بڑے بزرگ کھڑے ہو گئے تو مجھے بھی کھڑا ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر بیہقی کی روایت میں ہے کہ جو شخص کسی مالدار کے سامنے جھکتا ہے تواضع کرتا ہے تو اس کا ایک تہائی دین برباد ہو جاتا ہے اس پر حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اجی دوسری روایت بھی ہے جس میں ہے اذا جاءکم کریم قوم فاکرموہ اکرام کرنے کا بھی حکم ہے جب کوئی قوم کا کریم آئے تو اس کا اکرام بھی کرنا چاہیئے۔ تو کہا حضرت! یہ تو دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا۔ یہ تعارض کیسے دفع ہو گا؟ حضرت رائے پوریؒ نے بھی فرمایا کہ ہاں جی۔ شیخؒ نے کہا کہ حضرت آپ بیان فرمائیں حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ آپ بیان فرمائیں۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا۔ کہ اچھا حضرت میں کہوں گا اس شرط پر کہ حضرت اس پر پورہ تبصرہ کریں۔ پوری تنقید کریں۔ یہ نہیں کہ حضرت ٹھیک ہے حضرت ٹھیک ہے۔ حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ جب وہ بات ٹھیک ہو گی تو پھر تو یہی کہوں گا کہ حضرت ٹھیک ہے حضرت ٹھیک ہے یہ تو کہنے سے رہا کہ حضرت نے جو فرمایا وہ ٹھیک نہیں ہے۔ تب شیخ نے فرمایا کہ بیہقی کی روایت میں ہے مَنْ تواضع لغنی لغنائہ ذھب ثلثا دینہ:۔ دو تہائی دین جاتا رہے گا تواضع کا تعلق قلب سے ہے۔ قلب تو صرف اللہ کے سامنے جھکنے کیلئے ہے کسی مالدار کے سامنے جھکنے کیلئے نہیں بنایا گیا ہے۔ اکرام کا تعلق ظاہری معاملہ سے ہے ظاہری معاملہ کرنا اور چیز ہے قلب کا جھکنا اور چیز ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ شیخؒ نے فرمایا کہ حضرت جب دو بظاہر متعارض حدیثوں میں تطبیق سمجھ میں آتی ہے، تو اتنی مسرت ہوتی ہے کہ کسی چیز میں اتنی مسرت نہیں ہوتی۔ یہ علمی نظر کی بات ہے چلتے چلتے۔ اٹھتے۔ بیٹھتے۔ بات چیت کرنے ہر جگہ میں علمی بات ہوتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوتی تھی۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہمیں مستحضر رہے

اور یہ تصور ذہن سے غائب نہ ہونے پائے کہ میں آزاد ہوں۔ بلکہ ہم اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ اپنی زندگیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے تابع کریں ان کا اتباع کریں۔ اس لئے پیدا ہوئے۔ حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ مشائخ اور بزرگوں کے پاس رہ کر کیا چیز حاصل کیجاتی ہے علم حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ ذوق حاصل کیا جاتا ہے کہ ان کا ذوق کیا ہے؟ اس ذوق کو حاصل کرنے کیلئے صحبت کو اختیار کیا جاتا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ہے اہل علم جب غیر عالم کے ہاتھ پر بیعت ہوتے تو مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ان سے مسائل دریافت کریں بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو مسائل کتابوں میں اساتذہ سے پڑھے تھے نفس کی کاہلی اور سستی کیوجہ سے ان پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ صاحب نسبت بزرگ سے تعلق قائم کرنے کے بعد ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ جب حضرت گنگوہیؒ حجاز گئے اور حضرت حاجی امداد اللہؒ کے یہاں مہمان ہوئے وہاں اسی زمانہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس دعوت آئی مجلس میلاد کی۔ انہوں نے منظور کی اور حضرت گنگوہیؒ سے پوچھا کہ مولانا! آپ چلیں گے۔ حضرت گنگوہیؒ نے معذرت کر دی کہ میں نہیں جاتا اور بہت اچھے الفاظ میں معذرت پیش کی کہ حضرت ہم ہندوستان میں اس سے منع کرتے ہیں وہاں خرافات بہت ہوتے ہیں۔ یہاں خرافات نہیں ہوتے۔ خرافات ہونے اور نہ ہونے کو تو کوئی دیکھے گا نہیں، بات ہندوستان میں پہونچیگی۔ بس وہاں یہی کہیں گے کہ یہاں فتویٰ نا جائز ہونے کا دیتے تھے۔ وہاں پیر کے ساتھ جا کر شرکت بھی کر پائے۔ اسواسطے میں تو معذرت چاہتا ہوں حضرت حاجی صاحبؒ تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو فرمایا مولانا! اگر آپ میرے کہنے پر چلتے تو مجھے اس سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی آپ کے اس انکار سے خوشی ہوئی۔ اور جب حاجی صاحبؒ گئے مجلس میں تو حضرت گنگوہیؒ کے ایک خادم چپکے سے گئے اور وہاں سے آکر عرض

کیا کہ اگر حضرت گنگوہیؒ اس مجلس کو دیکھتے تو اس کو منع ہی کرتے ۔ وہاں تھا ہی کچھ نہیں
حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ اصل مسئلہ ایک اور ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے
درمیان مختلف فیہا ہے اصولی حیثیت سے اگر کوئی چیز مندوب و مستحب ہو اور اسکے اندر
منکرات شامل ہو جائیں ۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ اس کا استحباب ہی ختم
ہو جاتا ہے وہ چیز منکر اور مکروہ ہو جاتی ہے ۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ
اس کا استحباب جوں کا توں باقی رہتا ہے البتہ منکرات کو زائل کرنے کی ضرورت ہے
تو حضرت گنگوہیؒ اختیار کرتے تھے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو ۔ کہ ان چیزوں میں
منکرات ایسے شامل ہو گئے کہ ان سے چھٹکارا دشوار ہے لہٰذا استحباب ہی ختم ہو گیا ۔ اور
ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اختیار کرتے تھے حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کو کہ منکرات
کے باوجود اس کو مستحب قرار دیتے تھے اور منکرات کو منع کر دیتے تھے اسی وجہ سے کتابوں
میں مسئلہ لکھا ہے کہ اصل ان امور کی درست ہے ۔ تقییدات زوائد یہ غلط ہیں ۔ مگر ان سے
چھٹکارہ ہوتا نہیں، اس میں مبتلا ہو کر رہتا ہے ۔ حضرت مدنیؒ کہتے تھے کہ ایک زمانہ میں میرے
بڑے بھائی حضرت گنگوہیؒ کی ڈاک کا جواب لکھتے تھے ۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ
بھاولپور میں تھے وہاں سے انہوں نے لکھا کہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں ملازمت
چھوڑ دوں اور اپنے گھر آ کر بیٹھ جاؤں ۔ یکسوئی اختیار کر دوں، تو حضرت
گنگوہیؒ نے منع کرایا ۔ میرے بھائی نے کہا کہ حضرت کیوں منع کرتے ہیں ان کو
نفع ہو گا، فائدہ ہو گا ۔ اس سلسلہ میں تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ فائدہ
ہو گا تو پوچھنے کے نہیں ۔ چھوڑ کے آ بیٹھیں گے ۔ یہ پوچھنا خود بتا رہا ہے
کہ ابھی یکسوئی سے فائدہ نہیں ہو گا ۔ حضرت نانوتویؒ نے پوچھا تھا حضرت حاجی
صاحبؒ سے کہ ملازمت توکل کے خلاف ہے چھوڑ دوں کیا ؟ حاجی صاحبؒ نے
فرمایا تھا کہ جب پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آوے تو چھوڑ دینا ۔ حضرت تھانویؒ نے

اسکی تشریح کی کہ پوچھنا دلیل ہے تذبذب کی اور تذبذب دلیل ہے توکل تام نہونیکی
بہر حال مقصد یہ ہے کہ ان حضرات اکابر کا مزاج دینی مزاج تھا۔ علمی مزاج
تھا۔ ہر ہر چیز میں اتباع سنت کا لحاظ ہوتا تھا۔
اللہ پاک ہم سب کو سنت کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا
فرمائے۔ آمین۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ماہِ مُبارک اور قبولیّت دُعا

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

یہ مبارک مہینہ اللہ کے بڑے انعامات کا مہینہ ہے۔ بڑی نعمتیں ملتی ہیں بڑی مغفرتیں ہوتی ہیں بڑی رحمتیں برستی ہیں، آدمی کو وہ کچھ ملتا ہے جہاں تک اس کا ذہن نہیں جاسکتا۔ انسان مخلوق ہے ممکن ہے ضعیف ہے خُلِقَ الْاِنسَانُ ضَعِیفًا اس کی ہر چیز اور سمجھ بھی ضعیف ہے اپنی حیثیت تک اسکی سمجھ ہے۔ اس کی حیثیت سے آگے اس کی سمجھ کہاں جائے۔ دہلی کی جامع مسجد کو کسی بیچارہ گاؤں کے آدمی نے دیکھا سب جگہ پر اور گھوم کر کہنے لگا کہ بہت بڑی مسجد ہے اس پر کوئی خرچ ہوگئے ہوں گے دوسو روپیہ تعمیر کرنے پر۔ بیچارہ کے نزدیک دوسو روپے ہی بہت تھے اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اسکی تشریح میں بیان کرتے ہیں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ جو دعا مانگی تھی بالکل اسی طرح سے وہ پوری ہوگئی اور جلدی پوری ہوگئی۔ لوگ اسے تو سمجھتے ہیں کہ ہاں دعا قبول ہوگئی۔ کبھی اتنی جلدی دعا قبول ہو جاتی ہے کہ آدمی سوچتا ہے کہ میں نے کیوں دعا کی تھی۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتا تھا ٹیکسی کرایہ کی۔ چلدیئے بیٹھ کر اس میں۔ حرم شریف کو دیکھ کر دعا کی۔ یا اللہ جلدی واپسی ہو یہاں۔ تھوڑی دور چلے تھے۔ اس کو تیل لینا تھا، تیل لینے کی جگہ پر وہ ٹھہرا موٹر والا۔ پیسے مانگے اس نے سواریوں سے۔ ایک ترکی تھا

اس نے پیسے نہیں دیئے۔ اس نے کہا کہ میں تو دے چکا۔ اس نے ورقہ دکھلایا اپنا جو
سرکاری ملتا تھا، حالانکہ اس نے بھی کچھ محصول دیا تھا جو ورقہ تھا اس سواری کا نہیں تھا
یہ عربی میں کہے وہ ترکی میں کہے۔ نہ یہ اسکی سمجھے، وہ نہ اسکی سمجھے۔ دونوں کو غصہ آرہا
آخر اس نے اس کا بستر گاڑی میں سے اتار کر پھینکدیا نیچے کو۔ اور چلا۔ مکہ مکرمہ پہونچ گیا
ایک سواری کم ہوگئی۔ ایک سواری لینی تھی اور یہ درخواست کی تھی جتنی جلدی واپسی ہو۔ پھر
جب مدینہ طیبہ سے فارغ ہوکر جدّہ آئے۔ جدّہ سے جہاز میں سوار ہوئے اس وقت
پھر دعا کی یا اللہ جلدی واپسی ہوتی یہاں اب جہاز تو چل رہا ہے چلنا شروع ہوگیا
مگر اندر کے جو ملازمین تھے وہ پریشان ہیں۔ اِدھر جارہے ہیں اُدھر جارہے ہیں
پھر اعلان کیا کہ جہاز میں کچھ کمزوری ہے خامی ہے۔ ہم جدہ ہی واپس جارہے ہیں
میں دیکھوں کہ میں نے یوں تھوڑی ہی کہا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بعضے وقت ایسا
ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے حکم ہوتا ہے ملائکہ کو کہ جو کچھ بندہ مانگے وہی دو چاہے
ٹھیک مانگے چاہے بے ٹھیک مانگے۔ الٹی مانگے۔ جیسی مانگے ویسی مل جائے۔ اس لئے
زبان کو ذرا دیکھ بھال کر استعمال کرنا چاہیئے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ دعا کی
تھی وہ تو نہیں ملی البتہ دوسری چیز مل گئی جو اس سے بہتر تھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ جو
ذہن میں بھی نہیں تھی وہ بھی اسی دعا کا نتیجہ ہے کبھی ایسا ہوتا ہے جو دعا کی تھی وہ تو نہیں
ملی نہ اس جیسی دوسری چیز ملی البتہ کوئی مصیبت آنیوالی تھی اس کی غلطیوں کیوجہ سے
وہ مصیبت ٹل گئی وہ بھی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسکی
دعا کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ پھر وہاں قیامت میں اس کو کہا جائے گا کہ تم نے فلاں
فلاں دعا کی تھی جسکی قبولیت کا تم نے کوئی اثر نہیں دیکھا تھا ان کا بدلہ یہ ہے۔ ایسی
بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی کہ آدمی کا اس کی طرف ذہن بھی نہیں پہونچا تھا۔ تب
یہ کہے گا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میری دعا دنیا میں کوئی سی بھی قبول نہیں ہوئی ہوتی تاکہ اسکا

بدلہ یہاں ملتا۔ یہ تو بہت بڑھیا ہے۔ تو یہ دارِ دنیا دارِ فانی ہے۔ یہاں انسان کے
ذہن کی پرواز یہ بھی فانی۔ دل کی خواہش، یہ بھی فانی۔ جو چیز مانگتا ہے دارِ فانی
میں۔ فانی چیز مانگتا ہے فنا ہونے والی مانگتا ہے جو باقی رہنے والی ہے وہاں تک
ذہن پہونچتا نہیں اس کا۔ اور حق تعالیٰ جب دینے پہ آتے ہیں تو اپنی شانِ عالی
کے مطابق دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ بندہ نے دو پیسے مانگے تو دو ہی دیئے وہ بیشمار
خزانے عطا فرمادیتے ہیں۔ اس واسطے آدمی کا ذہن وہاں تک نہیں جاتا ہے۔ جو
کچھ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں ہے۔ تو یہ رمضان کا مہینہ بہت بڑا نعمتوں کا مہینہ ہے
بڑے بڑے انعام آتے ہیں، ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ شب قدر اس میں بڑی شاندار
ہے۔ اور قرآن پاک کی تلاوت کی عادت ڈال لی جائے تو اس کا اثر انشاء اللہ
سال بھر تک رہے گا۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو شراب پیتے ہیں لیکن رمضان کے احترام
میں شراب چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسکی عادت بالکل ہی چھڑا دیتے ہیں۔ کتنے
لوگ ایسے ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے لیکن رمضان میں نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
اس رمضان کی برکت سے سارے سال ان کو توفیق دیتے ہیں۔ تو جو خراب خصلتیں
آدمی کے اندر موجود ہیں۔ اللہ اس کو چھڑا دیتے ہیں اس مہینے کی برکت سے۔

اس مہینے میں اللہ پاک نے قرآن پاک نازل فرمایا جو اس کی بے شمار نعمتوں کا
خزانہ ہے، دعا کرنی چاہیے کہ جو گناہ ہمارے علم میں ہیں اور جو ہمارے علم میں
نہیں۔ تیرے علم میں ہے۔ اے اللہ ان سب کو چھڑا دے۔ اللہ تعالیٰ چھڑا دیتے ہیں دعا
قبول ہو جاتی ہے اور اگر دنیا میں وہ غفلتیں نہ چھوٹیں تو بہر حال دعا کا اجر و ثواب تو
کہیں گیا ہی نہیں وہ ضرور ملکر رہے گا۔ مگر بھئی دعا کے واسطے بھی شرائط ہیں جیسے مثلاً
نماز ہے عبادت ہے، اس کے بھی شرائط ہیں۔ کیا؟ جگہ پاک ہو، کپڑے پاک
ہوں۔ بدن پاک ہو۔ قبلہ کیطرف رخ ہو۔ یہ سب شرائط ہیں اس کے، ان شرائط کو

ترک کر کے کوئی شخص نماز پڑھنے لگے تو کیا اسکی نماز ہو جائے گی ؟ اس کا جواب نہیں اور اگر استخفافاً شرائط کو ترک کر دیا ہے تو عجب نہیں کہ مفتی صاحب کچھ اور فتویٰ دیں گے اس کے اوپر۔ کہ اسلام سے ہی خارج ہو گیا۔ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس واسطے دعا کے لئے بھی شرائط ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل قلب کی دعا قبول نہیں کرتے۔ زبان سے تو کچھ نکل رہا ہے اور ہم کہیں اور ہے دل متوجہ ہی نہیں دعا کیطرف۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں دیکھا کہ ایک شخص دن بھر بیت اللہ شریف کے غلاف سے لپٹا ہوا ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتا رہا مگر ایک آن کو بھی اس کا اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے منیٰ میں بیٹھ کر تجارت کی۔ بڑا نفع کمایا، اور ایک آن کو بھی اس کا قلب اللہ سے غافل نہیں ہوا۔ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ یہ تو قرآن پاک میں بھی موجود ہے لہٰذا جو شخص زبان سے دعا کرتا ہے اور دل میں اس کے نہیں ہے۔ اسکی دعا قبول نہیں ہوتی۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ جو شخص پاگل ہے زبان سے کچھ کچھ کہتا رہتا ہے گالیاں بھی دیتا ہے۔ آپ کی تعریف بھی کرتا ہے۔ توجہ ہی نہیں کرتا کوئی اسکی طرف۔ اس واسطے کہ وہ اپنے دل سے تھوڑی ہی کہہ رہا ہے لان المجنون لا عمد له مجنون کا کوئی قصد ہی نہیں ہوتا۔ اس واسطے دعا قبول نہیں ہوگی جب تک حاضر دل سے دعا نہ کی جائے۔ ؏

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقتِ پَرواز مگر رکھتی ہے

دعا کی قبولیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ حلال روزی کھائے۔ حدیث پاک میں ہے کہ کوئی شخص بحالتِ سفر غبار آلود بکھرے ہوئے بال والا ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے یارب یارب لیکن کھانا اس کا حرام، پینا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، کمائی اسکی حرام تو ایسی

حالت میں دعا کہاں قبول ہو۔ حرام مال کھانے سے بہت خراب اثرات پیدا ہوتے ہیں، جو گوشت حرام مال سے بنتا ہے وہ دوزخ ہی میں جانے کے قابل ہے کل لحم نبت من مال حرام فالنار اولیٰ بہ۔ ہمارے مدارس میں ہر قسم کا مال آتا ہے۔ حرام کی کثرت ہے اسی وجہ سے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے، علم میں خیر و برکت نہیں، علم مورث عمل نہیں اخلاص کا درجہ تو بہت بعد کا ہے۔ جو پیسہ آدمی اپنے اوپر خرچ نہ کر سکے، اپنے بیوی بچوں پر خرچ نہ کر سکے، ماں باپ کو نہ دے سکے۔ ایسا حرام پیسہ مدرسہ میں لاکر دیتے ہیں دیوبند میں ایک صاحب نے ایک مرتبہ منی آرڈر بھیجا۔ میرے پاس اس میں لکھا کہ میں فلاں صاحب سے بیعت ہوں۔ میرا روپیہ بینک میں جمع تھا وہاں سے یہ سود ملا ہے۔ مجھے نفع ملا ہے اس کو بھیج رہا ہوں۔ حدیث کے طلبہ پر خرچ کر دیجئے۔ میں نے واپس کر دیا اور ذرا اچھی طرح سے ڈانٹ دیا۔

"آپ کے دل میں حدیث شریف کی یہی وقعت ہے؟ لعنت کا پیسہ آپ حدیث پڑھنے والوں کو دیتے ہیں۔ کوئی حلال پیسہ آپ کی کمائی کا نہیں ہے؟ جن سے آپ بیعت ہیں ان سے میری طرف سے سلام کہہ دینا اور کہہ دینا یہ کہہ کر واپس کیا ہے؟ اس کے بعد جو کچھ آپ کی اصلاح یا میری اصلاح کے لئے کہیں اس سے مجھے بھی اطلاع کرنا۔"

اب تک خط نہیں آیا۔ کوئی اطلاع نہیں کی معلوم نہیں کیا ہوا۔ ہمارے یہاں کا جو پوسٹ مین تھا۔ اس نے پوچھا کہ حضرت جی! کیوں واپس کر دیا۔ میں نے کہا کہ بھئی ایسا ہی ناجائز سود کا پیسہ تھا۔ یہاں رکھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ اجی کسی اور کے کام آجاتا۔ میرے ہی کام آجاتا۔ یہ تو حال ہے۔ غرض اکل حلال بڑی عجیب دولت ہے۔ تھوڑی مقدار میں ملے حلال ملے۔ بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے اس سے۔ صحابہ کرام کا کیا حال تھا؟ یہی تھا۔ کئی کئی روز کے فاقے ہوتے تھے

وہاں۔ مگر ان کے اندر طاقت بہت تھی۔ وہ گھوڑوں پر سواری کرتے تھے۔ پیدل دوڑتے تھے۔ مقابلہ کرتے تھے۔ تلواروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ کہیں تیروں کا مقابلہ کرتے تھے اور کھانے کو دیکھو تو بہت ہی معمولی سا کھاتے تھے۔ یہ کیا چیز تھی؟ یہ کاہے کی قوت تھی یہ قوت حلال روزی کی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے کام لیا، ان کو حلال روزی عطا فرمائی۔ یہ صورت ان کی رہی۔ انہوں نے دین کی خدمت کی، دین کی حفاظت کی، دین کی اشاعت کی، خدا کے راستے میں جان کو جان نہیں سمجھا، مال کو مال نہیں سمجھا۔ شہادت کے شوق میں بڑھتے چلے گئے۔ ابھی اسی سفر کی بات ہے تذکرہ آیا ایک مجلس میں کہ یہ کیا بات ہے؟ تاریخ کی کتابوں میں دیکھو جب مسلمان لڑتے ہیں، قتال کرتے ہیں۔ جنگ ہوتی ہے دوسرے لوگوں سے۔ جائزہ لیکر کے دیکھو تو مسلمان تعداد میں کم، جثہ کے اعتبار سے کمزور، ہتھیار کم سواری ان کے پاس کم۔ دشمن کے پاس سواری زیادہ، پہلوان قسم کے آدمی، سامان حرب کافی۔ ان کے مقابلہ میں مسلمان کے پاس تو گویا کچھ ہے ہی نہیں لیکن جب مقابلہ ہوتا ہے تو دیکھتے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ مسلمان آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دشمن پیچھے کو بھاگتا ہے۔ میدان چھوڑے چلے جاتے ہیں۔ بھاگتے چلے جاتے ہیں، اسکی کیا وجہ ہے میں نے کہا کہ اُفوہ۔ اب تک تمہاری سمجھ میں اسکی وجہ نہیں آئی؟ یہ تو کھلی بات ہے مسلمان اس نیت سے نہیں لڑتا کہ میں دشمن کو قتل کرکے فتح پالوں۔ اس کے مال ودولت پر قبضہ کرلوں۔ بلکہ وہ تو اسواسطے لڑتا ہے کہ میری جان خدا کے دین کے کام آجائے میں شہید ہوجاؤں اس کا مقصود آگے بڑھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے اس لشکر کے جتھے میں جاکر اس کو شہادت مل جائے۔ وہاں پہونچنے سے شہادت مل جائے۔ وہ شہادت کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور جو مقابلہ میں دشمن لوگ ہیں۔ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دوسرا چاہے مرجائے میں بچ جاؤں۔ ان کو بچنے کے لئے راستہ بھاگنے میں ملتا ہے میدان چھوڑ کر اُن کا رُخ اُدھر کا ہوتا ہے اِن کا رُخ اِدھر کا ہوتا ہے اتنی سی بات ہے

اگر وہ بھی یہ ٹھان لیں۔ کہ ہمیں تو قتل ہونا ہے تو پھر نہ بھاگیں میدان سے وہ، بھاگتے تو اسواسطے ہیں کہ ان کا مقصود ہے جان کو بچانا۔ جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ جان اس طرح بچیگی جب ہیں میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں، جان بچ جائے گی۔ یہ بات ہے جو یہ جوش مسلمان پر پیدا ہوتا ہے۔ خدا کے نام پر خدا کے دین کے نام پر آدمی جان دیدے یہ کیوں پیدا ہوتا ہے ؟ اس واسطے کہ خداوند تعالیٰ کے وعدے پر اس کو اطمینان ہے، اس کا ایمان ہے، اور یہ حلال روزی کھاتا ہے۔ حلال روزی مقدار میں کم ہوتی ہے لیکن تاثیر اس کی زیادہ ہوتی ہے آج بھی چھوٹے چھوٹے گولے اور گولیاں چل گئی ہیں۔ دیکھنے میں تو جتنہ میں بہت چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں مگر اس کی تاثیر بہت بڑی ہے۔ یہ جتنے بم چل رہے ہیں دیکھنے میں تو چھوٹے سے مگر تاثیر بہت بڑی ہے خلاصہ نکال لیتے ہیں سب تباہی و بربادی اس میں جمع کر دیتے ہیں، اور جو مسلمان حلال روزی کھائے گا۔ اس کی دعا قبول ہوگی اگر کسی مال کے متعلق تحقیق ہو جائے کہ یہ حرام کا مال ہے تو پھر اس کو ہاتھ نہ لگانا چاہیئے ان کے پاس نہ جائے آدمی۔ بلا وجہ کسی کے مال کو حرام کہنا یہ بھی غلط ہے، بدگمانی کرنا یہ بھی غلط ہے ہاں اگر تحقیق ہو جائے کہ یہ حرام مال ہے قلب شہادت دے رہا ہے کہ یہ حرام مال ہے تو اس سے پورے طور پر بچنا چاہیئے۔ اور سوچنے کی بات ہے کہ جو شخص حرام مال سے بچتا ہے اللہ کے حکم پر عمل کرنے کیلئے۔ اللہ تعالیٰ کیا اس کو بھوکا رکھیں گے ؟ اور جو شخص حرام مال کھاتا ہے اللہ کے حکم کو توڑنے کیلئے معصیت کرنے کے لئے، کیا اس کو دیں گے ؟ اس کو وہ دیں اور اس کو بھوکا رکھیں۔ یہ بات نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سب کے ہی روزی دینے والے ہیں۔ اب جو شخص جس راستے سے روزی حاصل کرنے کا عادی ہوتا ہے وہی راستہ اس کے لئے مل جاتا ہے۔

میں اپنے یہاں ایک مرتبہ جنگل میں گیا کھیتوں پر۔ ایک کاشتکار میرے ساتھ۔ اس نے کہا کہ مولوی صاحب ! ہماری قسمت میں تو حرام مال لکھا ہوا ہے ہم کیا کریں ؟ میں نے

کہا کہ کیا لعنت ہے تم پر کہ حرام مال قسمت میں لکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ صاحب دیکھئے بات یہ ہے کہ یہ کھیت میرا ہے، یہ میرے پڑوسی کا۔ اس میں بھی وہی گنا، اس میں بھی وہی گنا جب گنا لینے کی ضرورت پیش آتی ہے تو میں اس کے کھیت میں سے توڑتا ہوں۔ اپنے کھیت میں سے نہیں توڑتا ہوں۔ اور اس کو جب ضرورت پیش آتی ہے تو وہ میرے کھیت میں سے توڑتا ہے اپنے کھیت میں سے نہیں توڑتا ہے۔ گنا دونوں کا ایک ہے۔ کھیت ہے چنے کا۔ چولے بھنانے کیلئے رات کو جب چلتے ہیں کھیت سے چنے توڑنے کیلئے وہ میرے کھیت میں سے لیجاتا ہے میں اس کے کھیت میں سے لیجاتا ہوں۔ چنا ایک ہی دونوں کا ہے کیا کریں؟

اب جو انہوں نے اپنے آپ کو ایسا خوگر بنالیا، عادی بنالیا حرام مال کھانے کا ان کے واسطے کون سی حجت ہے؟ کسی کے پاس مال حلال موجود نہ ہو، بھوکا مر رہا ہو آپ کہہ بیجئے کہ اضطرار کی حالت میں میتہ حلال ہے لیکن یہاں تو وہ صورت نہیں۔ یہاں تو خود اپنے اختیار سے کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں۔ اپنے کو بچا کر رکھتے ہیں، دوسروں کا کھاتے ہیں۔ اور یہ جو عقل اوندھی ہو جاتی ہے یہ بھی حرام مال کثرت سے کھانے کی بنا پر ہوتی ہے۔ اسی کا اثر یہ ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو حلال روزی عطا فرمائے۔ حرام روزی سے حفاظت فرمائے اور دعا کی ساری شرائط کو متحقق فرما کر اخلاص نصیب فرمائے۔ قلب سے دعا نکلے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

فسادِ حُبِّ مال

اور

اس کا علاج

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

امابعد

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے مَا نَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ ۔

تین باتیں بیان فرمائیں۔ خدائے پاک نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی دانش اور ایسی حکمت عطا فرمائی کہ کسی کو نہیں ملی۔ آپ کو تمام دنیا کی اصلاح کیلئے اللہ نے بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، غور کیا، کہ فساد جو دنیا میں پھیل رہا ہے اس فساد کا منشا کیا ہے؟ بنیادی طور پر تین چیزیں سامنے آئیں۔ یہ تین چیزیں سارے عالم میں فساد کا باعث ہیں، بہت پریشان کن ہیں، باپ بیٹے میں لڑائی۔ بھائی بھائی میں لڑائی، ماں بیٹے میں لڑائی، بہن بھائی میں لڑائی، پڑوسیوں میں لڑائی دوسرے رشتہ داروں سے لڑائی، ان میں سے جو پہلی چیز ہے وہ کیا ہے؟ وہ محبت مال و دولت کی محبت۔ جس شخص کے اندر دولت کی مال کی محبت بیٹھ جاتی ہے اس کی اصلاح بہت دشوار ہوتی ہے۔ مال کی محبت کی وجہ سے آدمی وہ حرکتیں کرتا ہے جو نہیں کرنی چاہئیں مثلاً مال کی محبت میں سود لیتا ہے محبت مال کی خاطر۔ حالانکہ سود لینے والے پر بھی حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔ سود دینے والے پر بھی لعنت آئی ہے۔ جو مال لعنت کے

راستہ سے آئیگا۔ اس مال سے کیا خیر کی توقع ہو سکتی ہے؟ وہ تو فساد ہی فساد پھیلائے گا تو مال کی محبت کیوجہ سے سود لیتا ہے آدمی۔ جو موجب لعنت ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک درہم سود کا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے، کتنی خطرناک چیز ہے۔ مال کی محبت جب ہوتی ہے تو آدمی غصب کرتا ہے، زمین غصب کرلی۔ دوکان غصب کرلی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی شخص اگر ایک بالشت بھر زمین کسی کی غصب کرے گا تو قیامت کو ساتوں زمین کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ کتنی خطرناک چیز ہے۔

مال کی جب محبت ہوتی ہے تو رشوت لیتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ الراشی والمرتشی کلاھما فی النار۔ دونوں دوزخ میں جائیں گے، رشوت لینے والا بھی رشوت دینے والا بھی۔

مال کی جب محبت ہوتی ہے تو موروث کے انتقال پر دوسرے ورثاء کا حق نہیں دیتا ہے ان کا حق غصب کرلینا۔ دبالینا۔ نہایت خطرناک ہے صلہ رحمی ختم ہو کر قطع رحمی اس میں آجاتی ہے۔ کچہریاں بھری پڑی ہیں فسادات کیوجہ سے۔ اس مال کی محبت کیوجہ سے مقدمہ بازی ہوتی ہے۔ لڑائیاں ہوتی ہیں سب بات ہے اس میں اور پھر دونوں فریق کو ابھارنے والے موجود رہتے ہیں کہتے ہیں کہ دیکھو فلاں کام کردو بس تمہاری فتح ہے مقدمہ بہت قوی ہے، کیس تمہارا بہت مضبوط ہے ہر وکیل اپنے مؤکل کو یہی کہتا ہے۔ جھوٹے گواہ پیش کئے جاتے ہیں، جھوٹے کاغذات بنائے جاتے ہیں۔ غرض فساد ہی فساد ہے جو مال کی محبت کیوجہ سے ہو رہا ہے۔

ایک شخص کا انتقال ہوا، اس نے دو بیٹے چھوڑے، جائداد چھوڑی۔ دونوں بیٹوں نے جائداد تقسیم کی آپس میں۔ ایک درخت باقی رہ گیا۔ بڑا بیٹا کہتا ہے کہ یہ میری ملکیت میں ہے چھوٹا بیٹا کہتا ہے کہ یہ میری ملکیت میں ہے۔ لڑائی ہو رہی دونوں میں مقدمہ بازی ہوئی اور عدالت میں جب مقدمہ لے کر آدمی پہونچ گیا تو اللہ کی پناہ۔ وہ قیامت صغریٰ

چھٹکارہ ہوتا ہی نہیں اس سے۔ مدت تک مقدمہ ہوتا رہا، نقد نہ اس کے پاس بچا نہ اس کے پاس، جائیداد تھی جائیداد کو فروخت کرتے رہے، مقدمہ پر خرچ کرتے رہے ساری جائیداد جو بڑے بھائی کے حصہ میں آئی تھی وہ فروخت ہو ہو کر مقدمہ میں لگ گئی چھوٹے بھائی کے حصہ میں جو آئی تھی وہ فروخت ہو کر مقدمہ میں لگ گئی اور اخیر میں فیصلہ یہ ہوا کہ اس درخت کو کٹوا کر آدھی لکڑیاں ایک کے یہاں بھیجدی جائیں، آدھی دوسرے کے یہاں بھیجدی جائیں۔ اور کٹوانے کے لئے پیسے بھی ان کے پاس نہیں۔ کتنی بیوقوفی کی بات ہے اس طرح سے لڑنا، مقدمہ بازی کرنا، یہ کیا ہے؟ سب مال کی محبت کی وجہ سے ہے۔ محبت نہ ہو مال کی بڑا بھائی سمجھ لے کہ کچھ مضائقہ نہیں اپنا چھوٹا بھائی اولاد کی جگہ ہوتا ہے چلو میری ملکیت ہی سہی میں نے اس کو دے دیا۔ چھوٹا بھائی سمجھ لے کہ بڑا بھائی باپ کی جگہ ہے۔ اَنتَ وَمَالُکَ لِاَبِیکَ باپ کی ملکیت میں میں بھی اور میرا مال بھی اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ میں نے سب ان کو دے دیا۔ تعلقات بھی خوشگوار رہیں گے، جائیداد بھی سلامت رہتی۔ اور لڑائی و فساد نہیں ہوتا۔ بڑی خرابیوں میں مبتلا ہوتے ہیں مال کی محبت کی وجہ سے، یہ جتنے فسادات ہیں، عدالت دیوانی کے مقدمات مال کی وجہ سے ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے سے جملہ میں ان سب کا علاج بتلا دیا مانقصت صدقۃ من مال صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا صدقہ دو صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ یہ ارشاد فرمایا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے یا جس آدمی سے محبت ہوتی ہے آدمی اس کو اپنے پاس رکھتا ہے پاس رہنے سے جی خوش ہوتا ہے اسکی فراق و جدائی بڑی شاق گذرتی ہے شاعر لوگ تو خوب جانتے ہیں اس چیز کو، فراق کیسی چیز ہے؟ جب مال اپنے پاس ہو مال کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ مال میرے پاس رہے اور جب آدمی اس کو صدقہ کرے گا۔ اپنے پاس سے دور کرے گا۔ تب اسکی محبت کم ہوگی۔ جس کی ضرورت اس صدقہ کے ذریعہ سے پوری

کی جائیگی وہ دعائیں دے گا۔ اللہ کے یہاں اس کی دعائیں قبول ہوں گی اور ساری خرابیوں سے یہ بچے گا۔ فرمایا مانقصت صدقۃ من مال صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا ایک شخص کہتا ہے کہ کمی تو ہو جاتی ہے۔ اگر ایک ہزار روپے میں پچیس روپے دیدیئے۔ کتنے رہ گئے، نوسو پچھتر رہ گئے۔ کمی تو ہو گئی۔ ہم تو گن کر دیکھ رہے ہیں کہ کمی ہو گئی۔ آپ بتائیے کہ آپ کو اپنے مشاہدہ اور گنتی پر اعتماد ہے؟ یا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اعتماد ہے؟ ایمان کا تقاضا یہ ہیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اعتماد ہو کیونکہ وہاں تو ایمان بالغیب کا حکم ہے۔ کہ ہمیں نظر نہیں آتی لیکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس لئے ٹھیک ہے، اپنی آنکھوں پر اعتماد نہ کیجئے، شبہ ہوگا کہ کیسے اعتماد نہ کریں؟ آنکھ پر تو اعتماد کیا ہی جاتا ہے، مشاہدہ تو ہوتا ہے، مشاہدہ کے سامنے تو سب دلائل سب چیزیں ہیچ ہیں، آپ بتائیے کہ یہ جو رات دن اکسیڈنٹ ہوتے ہیں کیا ڈرائیور لوگ گاڑی آنکھیں بند کر کے لیجاتے ہیں کھلی آنکھوں لیجاتے ہیں۔ آنکھ کھول کر احتیاط سے لیجاتے ہیں اس کے باوجود بھی اکسیڈنٹ ہوتا ہے۔ اس آنکھ پر کیا اعتماد کیا جائے؟ شکاری لوگ شکار کھیلتے ہیں، ہرن سمجھ کر بندوق ماری۔ تھا وہ آدمی، اس کے لگ گئی آنکھ کھول کر اس نے بندوق چلائی ہے۔ پورا اندازہ کر کے یہ انسان نہیں، ہرن ہے جانور ہے مگر وہ تھا آدمی۔ جو ہلاک ہوا۔ اس کے آنکھ کھول کر گولی چلانے سے ہلاک ہوا آنکھ بند کر کے گولی نہیں چلائی اس نے، جس آنکھ کے اتنے تجربات سامنے ہوں اس پر اعتماد کریں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر اعتماد کریں؟ اعتماد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر ہونا چاہیئے، آنکھ پر نہیں۔ ہمارے ایک بڑے زبردست عالم گذرے ہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ یہاں کے لوگ تو خوب جانتے ہیں مفتی مہدی حسن صاحبؒ وہ خود بتلاتے تھے کہ ایک فرائض تھی اس کو دیکھ رہا تھا، لمبی فرائض تھی سب دیکھ لیا، بنا دیا لیکن جمع ٹھیک نہیں آتی۔ اور یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ گڑبڑ کہاں ہے؟ بار بار اس کو دیکھتا ہوں۔

ساری رات اس میں لگ گئی حتیٰ کہ صبح صادق ہو گئی۔ تو سوچا کہ ذرا لیٹ جاؤں، لیٹ گیا چند منٹ کیلئے مگر نیند نہیں آتی تھی۔ پھر اٹھ کر دیکھا تو اب صحیح آ گیا۔ وہ کیا تھا؟ زبان سے نکل رہا ہے دو اور دو چھ۔ حالانکہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ کتنا مشہور ہے یہ دو اور دو چار یقین ہے اس بات کا۔ وہاں لکھا ہوا ہے صحیح دو اور دو چار زبان سے نکل رہا ہے دو اور دو چھ۔ اب دیکھئے آنکھوں سے یہ ہوتا ہے۔ کسی نیت کی خرابی کیوجہ سے نہیں۔ آنکھ بھی صحیح، حساب بھی صحیح ہے۔ یہ نہیں کہ حساب کرنا نہ جانتے ہوں۔ اس کے باوجود غلطی ہوتی ہے۔ تو ایسی آنکھ کا کیا اعتبار کیا جائے، جو اتنی غلطیاں کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر اعتماد کرنا چاہیئے جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں یہ ساری سننے کے بعد ان صاحب نے پھر گننا شروع کیا اور کہا کہ صاحب یہ تو اب بھی نو سو پچھتر ہی ہیں؟ پچیس روپے اس میں سے نکل گئے۔ اگر آنکھ میں نقصان ہو۔ مثلاً حکیم صاحب بیٹھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یرقان ہو جاتا ہے کسی کو تو اسے ہر چیز زرد نظر آتی ہے، حالانکہ زرد نہیں۔ یہ آنکھ کے اندر نقصان پیدا ہوا جس کیوجہ سے ہر چیز زرد نظر آتی ہے جب کہ بغیر مرض کے بغیر تکلیف کے آنکھ میں خرابیاں نمودار ہوتی ہیں تو جب آنکھ کے اندر خرابی ہو گی تو کیا کچھ نقصان نہیں ہو گا؟ بعضا آدمی ایسا ہے جس کو بھینگا کہتے ہیں عربی میں احول کہتے ہیں وہ ایک کے دو دیکھتا ہے۔ مولانا رومؒ نے بھی لکھا ہے احول کا واقعہ۔ ایک استاذ نے شاگرد سے کہا کہ اندر کمرے میں بوتل رکھی ہے اٹھا لاؤ۔ اس نے آ کر کہا کہ وہاں دو رکھی ہیں۔ کونسی لاؤں؟ کہا کہ ایک توڑ دے ایک لے آ۔ اس نے ایک توڑ دی اور کہتا ہے کہ دونوں ہی ٹوٹ گئیں۔ دیکھو یہ تو ایک ہی تھی۔ ایک کو دو دیکھ رہا ہے۔ آنکھ کے اندر یہ عیب بھی ہوتا ہے۔ جس آنکھ میں یہ مرض بھی ہو وہ کیا قابلِ اعتماد ہے مگر جتنا عدد ہے وہ تو اتنا ہی رہے گا۔ اچھا ایک شخص نے یہاں سے جانا چاہا سورت، ایک ہزار روپیہ ہے اس کے پاس۔ رات کا وقت ہے اس سے کہا بھئی ایسا کرو کہ تم پیدل مت جاؤ۔ بس میں

چلے جاؤ۔ اس نے کہا کہ میرے تو روپے کم ہو جاویں گے، اسے بہت سمجھایا کہ کم نہیں ہونے کے، کیسی بات کہہ رہے ہو۔ یہ تو کم ہو کر رہیں گے۔ جتنے کرایہ کے پیسے ہوں گے وہ کم نہیں ہونے کے۔ نہیں مانا گیا۔ راستہ میں مل گئے چور۔ پکڑ لیا اس کو پٹائی کی، کپڑے اتار لئے، روپے سارے چھین لئے۔ اب بتلائیے اگر پچیس روپے خرچ کر کے کرایہ کے چلا جاتا، جان بھی محفوظ رہتی، کپڑے بھی محفوظ رہتے، اور بقیہ روپیہ بھی محفوظ رہتا۔ اس کو کوئی یہ نہیں کہتا سمجھدار آدمی کہ روپیہ کم ہو گیا۔ جب تھوڑے پیسے خرچ کر کے بقیہ کی حفاظت کر لی جائے تو اس کو سمجھدار آدمی یہ نہیں کہتا کہ یہ کم ہو گئے۔

بات یہ ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔

سہارنپور کا واقعہ ہے ایک صاحب تھے حافظ فضل الحق صاحب، ان کا تکیہ کلام تھا "اللہ کے فضل سے" بات بات میں یہ کہا کرتے تھے اللہ کے فضل سے یوں، اللہ کے فضل سے یوں۔ بہت ہی صالح شخص بڑے صاحب آدمی تھے۔ حضرت مولانا مظہر صاحبؒ جب حدیث شریف پڑھاتے وہ پیچھے کھڑے ہو کر ان کو پنکھا جھلا کرتے تھے۔ صبح کو ایک روز آکر انہوں نے کہا مولانا سے۔ مولوی جی! (اپنی زبان میں) رات تو اللہ کے فضل سے غضب ہی ہو گیا۔ فرمایا کہ حافظ صاحب! اللہ کے فضل سے کیا غضب ہو گیا؟ کہا کہ جی میں گھر سو رہا تھا۔ کھٹ کھٹ کی آواز آئی۔ دیکھا کہ میرے تالے کو پکڑ کر جھنجوڑ رہے ہیں تین چار آدمی۔ میں نے لیٹے لیٹے تکیہ سے ذرا سر اوپر اٹھا کر کہا کون ہو تم؟ چور ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا دیکھو میرا روپیہ اسی میں ہے۔ اور جی یہ چھ پیسے کا ہے تالا، پر تم سے ٹوٹنے کا نہیں، تم اسے کھول نہیں سکتے۔ میں نے مولوی جی سے سنا تھا کہ جو شخص مال کی زکوٰۃ دے دے تو اس کا مال اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ میں اس روپے کی زکوٰۃ دے چکا۔ میری حفاظت میں تو ہی نہیں۔ یہ تو اللہ کی حفاظت میں ہے۔ تم نکال ہی نہیں سکتے۔ تو بس جی میں اپنی کروٹ بدل کر سو گیا۔ اور وہ چور صبح تک کھٹ

کھٹ کرتے رہے، ان سے تالا نہیں ٹوٹا۔ صبح ہوئی بھاگ گئے۔ خیر ایمان قوی ہو تو اللہ تعالیٰ کیطرف سے اس میں بڑی خیر و برکت ہوتی ہے۔ اس واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یقین اور اعتماد کرنے کی ضرورت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے سچے تھے، صدوق تھے، صادق تھے، امین تھے، سراپا صدق تھے۔ حتیٰ کہ کافر و مشرک بھی آپکی بات کو سچا سمجھتے تھے باوجود مخالفت کے ایمان نہیں لائے مگر حضور کی سچائی کے معترف تھے۔ ایک صحابی ہیں انصاری حضرت سعد بن عبادہؓ مکہ مکرمہ آئے وہاں اُمیّہ سے ان کے تعلقات تھے۔ اُمیّہ مشرک تھا، ایمان نہیں لایا۔ تعلقات تھے آکر اسکے پاس ٹھہرتے تھے، اور وہ جب مدینہ طیبہ جاتا تھا تو ان کے پاس ٹھہرتا تھا۔ یہ تشریف لائے انہوں نے اُمیّہ سے کہا، میرا ارادہ طواف کرنے کا ہے، دیکھ لینا کونسا وقت مناسب ہے اس نے کہا کہ جب ذرا دن چڑھے دھوپ تیز ہو جائے تو اس وقت مناسب ہے۔ چنانچہ اس وقت طواف کرنے کیلئے گئے۔ ابوجہل نے دیکھا۔ اُمیّہ سے پوچھا۔ یہ کون ہے تیرے ساتھ؟ بتلایا کہ سعد ابن عبادہؓ۔ کہا اچھا انصاری مدینے کے؟ تم نے پناہ دی ان لوگوں کو جو یہاں سے گئے۔ جن کو ہم نے یہاں سے نکالا۔ اور بڑے امن و عافیت کے ساتھ طواف کر رہے ہو۔ اسپر انہوں نے کہا دیکھ۔ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیرا راستہ روکدوں گا، تم لوگ جو ملکِ شام جاتے ہو، مدینہ کے قریب سے ہو کر گذرتے ہو، ہاشمی اور قریشی ہونے کیوجہ سے ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے لیکن اگر تم نے طواف سے روکا تو تمہارا راستہ بند کردوں گا اور تمہارا معاش اور معیشت موقوف ہے اسی سفر پر لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اِیْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ اسی پر موقوف ہے اور زور سے ڈانٹ کر کہا۔ اُمیّہ نے کہا کہ زور سے مت بول، اپنے مہمان سے کہا کہ زور سے مت بول۔ یہ سیدِ اہل الوادی ہے ابوجہل۔ انہوں نے اُسے بھی ڈانٹ دیا کہ ہٹ! میں نے سنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تجھے قتل کریں گے۔ امیہ نے کہا کہ مجھے؟ کہا کہ ہاں تجھے۔ پوچھا: کہاں؟ مکہ میں یا باہر؟ فرمایا کہ یہ نہیں بتایا۔ اسی وقت سے اس کے جی کے اندر گھبراہٹ شروع ہو گئی۔ کہ مجھے قتل کریں گے۔ حالانکہ ایمان نہیں لاتا۔ لڑائی کے لئے تیار۔ مگر بات جی میں آ گئی۔ آکر گھر اپنی بیوی سے کہا۔ بیوی نے پوچھا کہ کہاں قتل کرنے کے لئے کہا ہے۔ مکہ میں کہا ہے؟ کہا کہ یہ تو بتایا نہیں۔ اس نے کہا کہ میں تو مکہ سے باہر جانیکا ہی نہیں۔ نہیں رہوں گا۔ چناں چہ جب وقت آیا ہے غزوۂ بدر کا اُس وقت ابوجہل نے مکہ کے لوگوں کو ابھارا کہ چلو تمہارا قافلہ شام سے آ رہا ہے اس کو روکنے کے واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہیں۔ تم اس کی حفاظت کے واسطے چلو، بچاؤ کے لئے لوگوں کو اُبھارا اور بھیجا۔ امیہ سے بھی کہا۔ اُمیہ نے کہا کہ میں تو جاؤں گا نہیں۔ کیونکہ مجھے تو یہ بتا دیا کہ مجھے قتل کریں گے۔ اس نے کہا کہ دیکھ تو ہی جب تو نہیں گیا تو اور لوگ بھی نہیں جائیں گے کہا اچھا کچھ دور چل کر چپکے سے واپس آ جائیو۔ اچھی بات ہے، جانے کا ارادہ کیا بیوی سے سامان سفر تیار کرنے کیلئے کہا۔ بیوی نے کہا کہ یاد بھی ہے کیا کہا تھا تمہارے انصاری بھائی نے؟ کہا ہاں یاد تو ہے لیکن مجھے زیادہ دور نہیں جانا ہے جلدی واپس آ جاؤنگا وہ جناب ہر منزل پر ارادہ کرتا رہا کہ واپس آؤں واپس آؤں لیکن واپس نہ ہو سکا۔ چناں چہ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قتل کیا گیا۔ کہنا یہ ہے کہ جو لوگ مشرک تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے۔ ان کا دل تکذیب نہیں کرتا تھا وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُم ان کے جی کے اندر یقین بیٹھا ہوا ہے لیکن انکار کرتے ہیں یہ انکار جحودی ہے کفر جحود جسے کہتے ہیں اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ساتھ تو صدق ایسا لازم تھا کہ غیر مؤمن اور کافر کے جی کے اندر ہر بات اُتر جاتی تھی کہ ہاں یہ صحیح۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے تجربہ و مشاہدہ سب بیکار ہیں ایک مرتبہ ایک ڈاکیہ تار لے کر آیا کہ کتابیں دین کا تار ہے مدرسہ میں کتابیں دین

کا کیا کام وہاں تو کسی قسم کے بھی کتے کا کام نہیں۔ اصل میں وہ قطب الدین تھا اس کا
ناس مارکر "کتاب بے دین" پڑھ رہا ہے، لکھا کچھ ہوتا ہے پڑھتے کچھ ہیں اور جو اساتذہ کرام
بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے ہیں ان کو زیادہ تجربہ ہے۔ بچہ سنا رہا ہے یعلمون
استاذ کہتا ہے کہ دیکھ کر پڑھ وہ پھر پڑھتا ہے یعلمون استاذ نے کہا کہ دیکھ کر پڑھ
وہ پھر پڑھتا ہے یعلمون استاذ نے ایک مارا زور سے۔ قرآن شریف سننے میں
جلال بہت آتا ہے۔ یہ قرآنی جلال ہے، اس میں نہ بیٹے کی پرواہ ہوتی ہے نہ اور کسی کی،
اور اگر کوئی طالب علم بھی جلالی ہو تو اور بات ہو جاتی ہے۔ سرحد کے علاقہ میں ایک نواب
صاحب نے اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے استاذ عالم کو بلایا، اتالیق بنا کر وہ پڑھاتے تھے اس
بچہ کو، کسی بات میں استاذ نے بچہ کے کان پکڑ کر چپت مار دیا بس بچہ تھا پٹھان کا
دوڑا ہوا گیا گھر اور بندوق لے کر آیا۔ اب استاذ عالم صاحب یہ بیچارے قال اقول
پڑھانے والے ان کو بندوق سے کیا کام اب یہ وہاں سے بھاگے اور بچہ کے باپ کے
پاس گئے۔ کہ خانصاحب تمہارا لڑکا مجھے مارتا ہے۔ خانصاحب نے جواب دیا۔ او ملا
او ملا ٹیرو، ٹیرو۔ ملا تو اور بھی مل جائے گا۔ ہمارے لڑکے کا یہ پہلا پہلا وار ہے
خالی نہ جانا چاہیئے۔ غرض یہ کہ جب استاذ نے مارا چپت یعلمون پر تب نظر آیا کہ
یعلمون نہیں تعلمون ہے، دو نقطے نیچے نہیں اوپر ہیں اب وہ یعلمون
پڑھ رہا تھا اس میں تعلمون لکھا ہوا ہے۔ غلطیاں پڑھنے پر بہت ہوتی ہیں اور
یہ صرف قرآن شریف ہی میں نہیں۔ قرآن شریف والوں کو تجربہ ہوتا ہے، عربی والوں
کو بھی بہت زیادہ غلطی ہوتی ہے۔ پہلے زمانہ میں جب نقطے دینے کا رواج نہیں تھا
ایک صاحب نے قرآن شریف کو بغیر استاذ کے پڑھنا شروع کیا وہ پڑھتے
ہیں الم ذلک الکتاب لازیت فیہ: لاریب کو لازیت پڑھ رہے
ہیں۔ وجعل السقایہ فی رحل اخیہ میں رحل کی جگہ پر رجل پڑھتے ہیں

اب تو شکر یہ ہے کہ نقطے لگ گئے ۔ ایسی غلطی تو بند ہوگئی ۔ باقی ہاں اور غلطی تو بند نہیں ہوئیں ۔

ایک جگہ پر طلبا کی ایک جماعت احادیث کو لکھ رہی تھی ۔ کوئی محدث آگئے اور فرمایا اے امیہ کے لونڈو! تم لوگ حدیث کیسے پڑھتے ہو؟ اَسِید اُسَید اُمَسِّید تینوں راوی ہیں ایک طرح لکھے جاتے ہیں کیسے پڑھو گے بغیر استاذ کے تھوڑا ہی پڑھ سکو گے ۔ استاذ بتائے گا تلفظ کرے گا تو سمجھ میں آئے گا کہ کیا لفظ ہے؟ لہٰذا آنکھ کی غلطی تو بڑی کثرت سے ہوتی ہے ایک صاحب پڑھ رہے تھے ۔ حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن جبرئیل عن اللہ عن رجل سائل پوچھتا ہے کہ یہ رجل کون ذات شریف ہیں جو اللہ میاں کے بھی شیخ ہیں؟ اللہ میاں ان سے روایت کر رہے ہیں عن رجل کیا ہے؟ وہ عن رجل نہیں وہ عَزَّ وَجَلَّ تھا عز کو عن بنا دیا ۔ واو کا را بنا جل تو تھا ہی ۔

یزید بن ہارون ایک بڑے محدث گذرے ہیں حدیث بیان کر رہے ہیں حدثنی بضعۃ : یعنی ایک جماعت نے متعدد لوگوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی جانتے میں سے ایک صاحب پوچھتے ہیں عروۃ بن من؟ چونکہ وہاں تو بغیر ابنیت کے کام نہیں چلتا ۔ اگر کہا جائے ۔ حدثنی عبداللہ تو پوچھتے ہیں عبداللہ بن من؟ عبداللہ ابن مسعود؟ عبداللہ ابن عمرو؟ عبداللہ ابن عباس؟ عبداللہ ابن زبیر؟ اس لئے پوچھتا ہے عروۃ بن من؟ کہاں ۔ ہوں ابن من؟ بضعۃ ، یہ انہوں نے جواب دیا ۔ اس واسطے اس قسم کی چیزیں ہو جاتی ہیں ۔ اس واسطے پڑھنے میں غلطی ہو جاتی ہے دیکھنے میں غلطی ہوتی ہے ۔ قرآن کریم ہو ، حدیث شریف ہو اور کچھ ہو ۔

کان پور میں ایک صاحب کے پاس ایک خط آیا۔ اور کسی ایک نے مل کر کہدیا کہ
سندھی زبان میں ہے اس کو رکھ دیا۔ تو میں پہونچ گیا۔ مجھے دکھلایا۔ میں نے کہا
یار یہ تو اردو ہی میں ہے۔ وہ سارا اردو ہی میں تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا، تو کہدیا کہ
سندھی میں ہے اس واسطے قابل اعتماد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو ہر قسم کی غلطیوں
سے پاک و صاف ہے۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے اب جس قدر بھی مال کی محبت کی وجہ سے
فتنے فسادات پیدا ہوتے ہیں۔ آدمی چوری کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ولا
یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن عین چوری کی حالت میں ایمان نہیں
رہتا انسان کے پاس۔ آخرت کی وعیدیں کیسی سخت سخت ہیں اور دنیا کے فسادات
کتنے سخت سخت ہیں۔ یہ سب کا سب مال کی محبت کی وجہ سے ہے حضور نے ارشاد
فرمایا مانقصت صدقۃ من مال۔ بس صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔ جس وقت صدقہ
کے فضائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے تو بعض صحابہؓ خود فاقے پر گذارتے تھے
کپڑا نہیں ہے تھی۔ لیکن صدقہ کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے محنت مزدوری
کی اور کمایا۔ اس کی اجرت کو صدقہ کیا۔ تاکہ اس لائن میں بھی ہم پیچھے نہ رہیں آگے بڑھیں
اس نے جتنے فسادات جتنی ذرا بیاں مال کی محبت کی وجہ سے ہیں ان سب کا ایک جملہ میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ و دانشمندانہ حل بتا دیا ما نقصت صدقۃ من مال
ایک اور بات ہے۔ ایک تو ہے مالدار کو یہ کہنا کہ تو مال کی محبت مت کر صدقہ دے
یہ تو ہے مالدار کو خطاب۔ ایک ہے فقیر۔ حاجتمند۔ حاجتمند کو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے
اپنی حاجت کسی کے سامنے پیش نہ کرے اللہ کے سامنے پیش کرے۔ حتیٰ کہ جو شخص ایک روز
کا فاقہ برداشت کرے اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ اللہ تبارک
وتعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک سال تک اسکو حلال روزی عطا فرمائیں گے ایک روز
کے فاقہ کی بدولت۔

آج اس مال کی محبت کا ایک دوسرا اثر بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ فقیر نے تو آیت یاد کر لی اٰتوا الزکوٰۃ مالداروں سے کہتا ہے کہ اٰتوا الزکوٰۃ زکوٰۃ کیوں نہیں دیتے۔ خدا کا حکم ہے زکوٰۃ دو بھائی۔ اور مالدار نے یاد کر لیا وہ حکم جو فقیر کے لئے تھا۔ سوال کرنا منع ہے۔ سوال نہیں کیا کرتے۔ جو شخص سوال کرے گا اس کے چہرہ میں گوشت نہیں ہونے کا قیامت کے دن۔ سوکھا ہوا ہوگا۔ صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں ہوں گی۔ سوال نہیں کرنا چاہئے تو جو فریضہ مالدار کا ہے۔ وہ مالدار نے بھلا دیا۔ اس کو یاد دلانے کیلئے چل دیئے فقیر صاحب ان کے پاس اور جو فریضہ فقیر کا تھا۔ فقیر نے بھلا دیا۔ اس کو یاد دلانے کیلئے مالدار صاحب رہ گئے۔ لہٰذا یہ بھی اپنے فریضے کو ترک کر رہا ہے وہ بھی اپنے فریضے کو ترک کر رہا ہے۔ یہ کتاب سے ہوا یہ بھی مال کی محبت کی وجہ سے ہوا اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک تو یہ ہے کہ مالدار سے کہا جائے کہ بھئی تم اپنے مال میں سے غریب کو فقیر کو دو لایؤمن من یبیت شبعان وجارہ عندجنبہ جائع وہ مومن نہیں ہے جو رات کو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ یہاں تک فرمایا گیا۔ اور ایک تحریک تو یہ ہے کہ مالدار کے پاس دیکھو تو اس سے چھین لے۔ نہ چھوڑو اس کے پاس۔

مگر اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ مالدار کے پاس پیسے دیکھو تو اس سے چھین لو۔ بلکہ تمہارا حکم یہ ہے کہ جب تم اس کے پاس مال دیکھو تو اس کی طرف کوئی التفات نہ کرو۔ ولا تمدن عینیک الیٰ ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوٰۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربک خیر وابقیٰ۔ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو مالدار کے مال کی طرف۔ ظاہری ٹھاٹ باٹ جو کچھ ہے۔ تم اس کی طرف نظر اٹھا کر مت دیکھو۔ لہٰذا اس فساد کو دور کرنے کے واسطے ایک بڑے طبقے نے یہ تجویز کیا کہ مالدار کے پاس مال رہنا نہیں چاہئے۔ چھین لو اس سے۔ باغ ہے تو باغ چھین لو۔ موٹر ہے تو موٹر چھین لو۔ گھر ہے تو گھر چھین لو۔ حتیٰ کہ بیوی ہے اس کے پاس تو بیوی چھین لو۔ ایک فساد مستقل پھیل رہا ہے اس کی وجہ سے ہمارے

دنیا میں یہ فساد پھیل رہا ہے۔ جو صحیح علاج ہے وہ، وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ مالدار کو ادھر تلقین کیجائے کہ تم صدقہ دو زیادہ سے زیادہ۔ فقیر کو ادھر تلقین کیجائے کہ تم اپنی حاجت کسی کے سامنے پیش نہ کرو، صبر و تحمل کے ساتھ رہو۔ دونوں کا وقار قائم رہے گا۔ ہر ایک اللہ کی امانت کے امین ہیں مالدار بھی امین ہے۔ فقیر بھی امین ہے۔ وہ اپنی امانت کی حفاظت کرے یہ اپنی امانت کی حفاظت کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جذبہ انتقام اور معافی

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میں نے کل عرض کیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ فتنے، فسادات پیدا ہوتے ہیں اس کے اسباب پر غور کرنے سے معلوم ہوا چند چیزیں ہیں -

۱ - **مال کی محبت** :- جتنے فتنے مال کی محبت سے پیدا ہوتے ہیں - ان کا علاج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مختصر طور پر فرما دیا: مال کی محبت نہیں کرنا چاہیئے - محبت نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو پھینک دینا چاہیئے، بلکہ جس حیثیت کے لئے وہ پیدا کیا گیا، اس حیثیت کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ ضرورت کیلئے پیدا کیا گیا۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے، ضرورت پوری کیجئے، ضرورت پوری کرکے اسے چھوڑئیے۔ ڈھیلہ ہے استنجاء کے لئے پیدا کیا گیا۔ اس سے استنجاء کیجئے ڈھیلہ اٹھائیے۔ آگے چلئے اب ڈھیلوں کو اٹھا اٹھا کر بٹوؤں میں، اٹاچی میں شاندار طریقہ سے رکھتا ہے - مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات میں ہے کہ وہ ڈھیلہ جیب میں رکھا کرتا تھا - اور گڑ کا بھی شوق تھا۔ گڑ کے بھی ڈھیلے بنا بنا کر وہ جیب میں رکھتا تھا، بعض دفعہ مغالطہ بھی ہو جاتا تھا - ایک کی جگہ دوسرا استعمال کر لیتا تھا - اس واسطے جیسے کہ آپ ہوٹل میں گئے - آپ نے آرڈر دیا کھانے کیلئے ایک پلیٹ پلاؤ کی آپ نے منگائی - بس - اب اس میں دس چیزیں بنتی بکتی ہیں - آپ کے لئے تو ایک پلیٹ ہے پلاؤ کی

کھائیے، چلئے، ہوگیا کام۔ دنیا کے سارے سازوسامان کو کوئی شخص جمع کرنے لگے کہ اکٹھا کرکے اپنے یہاں رکھوں یہ اسکا غلط خیال ہے۔ یہ تو ضرورت پوری کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ضرورت پوری کی اور آگے چلدیا۔ زندگی میں اور کام بہتیرے ہیں کرنے کیلئے خیر۔ اگر کسی کے دل میں مال کی محبت ہو بھی اور کسی طرح سے نہ نکلتی ہو تو اس کے لئے بھی بڑی اکسیر ہے یہ چیز کہ صدقہ دے، جو کچھ صدقہ دے گا وہ آخرت میں اس کو ملیگا اسی صورت میں بدلہ ضروری نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر صورت میں عطا فرمادیں گے جس چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے، جو چیز یہاں اس دنیا میں زیادہ محبوب ہے اسی چیز کو خدا کے راستے میں صدقہ کردے۔ وہ چیز وہاں جاکر ملیگی، جس کو آپ صدقہ کر رہے ہیں۔ خیر۔ ایک تو یہ مال کی محبت جس کی وجہ سے بہت سے فتنے ہوتے ہیں خدا کی نافرمانی ہوتی ہے۔ آپس میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں بے اعتمادی ہوتی ہے ایک دوسرے کو دیکھ کر جلتا ہے۔

۲۔ دوسری چیز ہے انتقام۔ کسی سے کوئی اذیت پہونچ گئی ہو تو اس کا انتقام لینا کسی نے ایک گالی دیدی تو جب تک سات گالیاں نہیں دیدیں گے اس وقت تک جی ٹھنڈا نہیں ہوگا کسی نے ایک چپت مار دیا۔ تو اس کے بدلہ میں کئی چپت ماریں گے تو جاکر سکون ہوگا۔ کسی نے تھوڑا سا نقصان پہونچایا۔ تو جب تک اس کو پیٹ بھر کر نقصان نہ پہونچادیں گے، سکون سے نہ بیٹھیں گے۔ یہ انتقام کا جذبہ جو ہے یہ بڑی فتنہ کی جڑ ہے۔ اس کو فرمایا وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا۔ اللہ تعالیٰ معافی کے ذریعہ سے عزت بڑھاتے ہیں۔ کوئی شخص اگر کسی کے قصور کو اسی دنیا میں معاف کر دیتا ہے تو یہ نہ سمجھے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ بدلہ نہ لے سکتا تھا اس وجہ سے معاف کر دیا۔ بڑا بودا بڑا ہیجڑا آدمی ہے یہ نہ سمجھے۔ بلکہ معاف کرنے سے عزت بڑھتی ہے۔ حتیٰ کہ جس کو معاف کیا ہے اس کے دل میں بھی عزت بڑھتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے

فرمائی ہوئی حدیث کی تشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ تلاش کیجئے۔ ہر چیز کی تشریح ملیگی۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی ایک جماعت سفر میں تھے، دھوپ تیز ہوگئی، تو ایک جگہ پر درخت تھے ان درختوں کے نیچے جاکر وقت گذارنے کیلئے ٹھہر گئے جو ذرا اچھے سایہ کا درخت تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھوڑ دیا۔ بقیہ درختوں کے سایہ میں یہ حضرات خود چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی، اور سایہ میں لیٹ گئے۔ کچھ دیر میں دیکھا کہ ایک شخص بدو آیا، اور تلوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور کہہ رہا ہے۔ اے محمد! بتا اب تجھے کون بچائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان اور سکون سے کہا اللہ بچائے گا۔ اور بچانے والا ہے ہی اللہ، اللہ کے سامنے کسی اور کی کیا چلے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب پر اسکی یہ کیفیت ہوئی۔ کہ اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ مارتا تو کیا تلوار سے، تلوار سنبھال بھی نہ سکا۔ مار بھی نہیں سکا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن! تو بتا تجھے کون بچائے گا اب؟ اس نے کہا کہ افسوس میرے ساتھی کوئی یہاں نہیں۔ مجھے بچانیوالا کوئی نہیں، اتنے میں صحابہ کو اطلاع ہوگئی، وہ آگئے۔ کیا کرنا چاہیئے؟ کسی نے مشورہ دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں نہیں۔ قتل نہیں کرنا ہے۔ کیوں قتل کرو؟ اس نے قتل تھوڑی ہی کیا ہے چھوڑ دیا، معاف کر دیا۔ باوجود قدرت کے تلوار ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی اور ایسا شخص جو کہ قتل کرنیکا ارادہ کر چکا تھا، اس کو قتل نہیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔ بہت قصے ہیں معافی کے۔

ثمامہ بن اثالؓ کہیں جا رہے تھے، اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے گرفتار ہوگئے۔ صحابہؓ ان کو لے کر آئے، مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا ان کو۔ پوچھا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کیا ہے تمہارے پاس ؟ یعنی تمہارے دل میں کیا ہے ؟
یہ مطلب نہیں کہ روپیہ پیسہ کچھ ہے تو یہاں رکھدو، یہ نہیں۔ تمہارے دل میں کیا ہے
کیا پروگرام ہے تمہارا ؟ انہوں نے صاف جواب دیا کہ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو
ایسے شخص کو قتل کریں گے جو مستحق ہے قتل کا۔ چوں کہ میں ایمان نہیں لایا ہوں، دشمن
کی جماعت میں سے ہوں۔ آپ کو پورا حق ہے قتل کرنے کا۔ اور اگر چھوڑ دیں گے تو
یہ آپ کی شانِ عالی کے لائق ہے۔ معاف کر دینا آپ کی شان ہے۔ ایک روز دو روز
تین روز تک اسی طرح سے سوال کیا۔ ہر روز یہی جواب دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
چھوڑ دیا انہیں۔ گئے۔ جاکر غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
ایمان قبول کیا۔ تلوار کے ذریعہ سے مسلمان نہیں کیا۔ معافی کے ذریعہ سے مسلمان ہوئے
معاف کرنے سے اتنا قلب ان کا متاثر ہوا کہ واقعی یہ شان نبی ہی کی ہو سکتی ہے،
جو ایسے اخلاقِ عالیہ کے ہوں۔ اور پھر یہ ہوا کہ انکی بستی سے مکہ والوں کے یہاں غلہ
جایا کرتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کہلا بھیجا کہ اب ایک دانہ غلہ کا نہیں جائے گا
جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نہ ہوگی، اپنی قوم۔ اپنے لوگوں کو یوں کہلا کر بھیجا
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ کیطرف چلے ہیں مدینہ طیبہ سے، بڑی جماعت ساتھ
تھی اور ایسی جماعت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ جہاں گرے وہاں ان کو اپنے
لئے اپنے بدن کا خون گرانا عین سعادت تھی۔ سمجھتے تھے کہ ہم تو پیدا ہی اس واسطے ہوئے
ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کیخاطر ہم جانیں قربان کر دیں۔ اس شخص کی خوش قسمتی
سمجھتے تھے جو اپنے آپ کو پیش کر دے اور شہید ہو جائے۔ ایک مقام پر پہونچ کر رات
کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج اپنا کھانا ہر شخص الگ الگ پکاوے۔ چنانچہ
جنگل میں وہاں سب نے آگ جلائی۔ الگ الگ کھانا پکا رہے ہیں۔ ادھر حضرت
عباسؓ کو یہ فکر تھی کہ کسی طرح مکہ مکرمہ جانیوالا کوئی مل جائے تو اس کی معرفت کہلا بھیجیں

کہ حضورؐ مکہ آرہے ہیں، مقابلہ نہ کرنا ورنہ سب ختم ہو جاؤ گے وہ اِس فکر میں تھے۔ اِدھر ایک ٹیلہ پر دو تین آدمی کچھ باتیں کر رہے ہیں، وہ کون تھے؟ مکہ سے آئے ہوئے تھے اس ٹوہ میں، تجسس میں کہ حضورؐ کا کیا ارادہ ہے؟ حضرت ابو سفیان اور ایک دو شخص وہ باتیں کر رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ یہ کون لشکر ہے؟ فلانے بادشاہ کا لشکر ہے؟ نہ وہ تو نہیں۔ فلانا قبیلہ ہے؟ نہ وہ بھی نہیں۔ یہ کیا ہے کہ سارے جنگل میں آگ جلتی ہوئی نظر آرہی ہے، اِدھر وہ جل رہی اُدھر وہ جل رہی تو یہ کیا چیز ہے؟ اس آواز کو سُن کر حضرت عباسؓ اُدھر کو گئے۔ پوچھا کون! وہاں تعارف ہوا کہ یہ حضرت عباسؓ ہیں یہ ابو سفیان ہیں۔ ابو سفیان نے پوچھا کہ عباسؓ یہ کیا چیز ہے؟ کون ہیں؟ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے ساتھی ہیں، کہاں جا رہے ہیں؟ مکہ جا رہے ہیں۔ ارے یہ اتنے ہو گئے؟ یہ مٹھی بھر آدمی تھے جو وہاں سے بھاگ کر آئے تھے۔ ہاں اتنے ہو گئے۔ کیا ہو گا؟ کہا ہو گا کیا۔ میرے ساتھ آئیو۔ لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا کہ ابو سُفیان مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ مسلمان ہو گئے۔ ان کے ساتھی تھے ان کو چھوڑ دیا کہ تم جاؤ۔ انہوں نے جا کر مکہ میں اطلاع کر دی۔ اتنی بڑی جماعت کیساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور حضرت عباسؓ نے ایسا ایسا پیغام دیا ہے۔ چنانچہ رات میں ٹھہر کر صبح کے وقت میں جب اس لشکر کی روانگی کا وقت قریب ہوا تو جہاں موڑ تھا اس موڑ پر ابو سفیان کو حضرت عباسؓ سے کہا کہ ابو سفیان کو یہاں ٹھہراؤ تاکہ ہر لشکر کو ہر جماعت کو سامنے گذرتا ہوا اطمینان سے دیکھیں۔ ہر جماعت جا رہی ہے قبیلہ جا رہا ہے۔ جھنڈا نظر آیا تو پوچھتے ہیں کہ یہ کون قبیلہ ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ فلاں یہ فلانا؟ بھئی اس قبیلے سے تو ہماری کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ یہ کیوں جا رہے ہیں ان پر چڑھائی کے لئے۔ کہا اب تو کفر و اسلام کی بات ہے چاہے لڑائی ہو یا نہیں اسکی کوئی بحث ہی نہیں ہے۔ اچھی بات ہے۔ تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے چلتے چلتے

ایک رجز پڑھا۔ کہا الیوم یوم الملحمۃ، الیوم نستحل الکعبۃ آج لڑائی کا دن ہے آج کعبہ کو حلال کیا جائے گا۔ خانہ کعبہ میں لڑائی نہیں ہوتی ہے قتال نہیں ہوتا، آج وہاں بھی قتال کیا جائے گا۔ ابو سفیانؓ نے یہ سنا۔ حضورؐ سے کہا کہ حضرت دیکھئے یہ ایسا کہہ رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں الیوم یوم المرحمۃ آج تو رحمت وشفقت کا دن ہے الیوم نستعظم الکعبۃ کعبہ کی تعظیم کا دن ہے آج۔ اور سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا۔ لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا۔ کسی اور کو نہیں دیا۔ دیا تو ان کے بیٹے کو (ان کے بیٹے نے وہ جھنڈا خود اپنے پاس نہیں رکھا حضرت علیؓ کو دے دیا تھا) تاہم وہاں مکہ مکرمہ پہونچ گئے تو جو رؤسا قریش تھے وہ سامنے آئے اور آکر کہنے لگے حضورؐ! آپ کہاں جارہے ہیں ہم تو آپ کے بھائی ہیں۔ آپ بھائیوں پر چڑھائی کرنے آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہ[illegible] ہو تو بھائی ہی۔ مگر ایسے ہو۔ جیسے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی کہ یوسف علیہ السلام کو ک[illegible] یں ڈالدیا۔ بھائی تو ضرور ہو اس میں کوئی شک نہیں۔ انہوں نے کہا لقد آثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین اللہ نے آپ کو فوقیت عطا فرمائی ہم ہی خطاوار تھے۔ بس جیسے ہی انہوں نے خطا کا اقرار کیا۔ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تثریب علیکم الیوم آج تم پر کوئی پکڑ نہیں، اللہ معاف کرنیوالا ہے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانات شروع کئے معافی کے کہ جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلے اس کے لئے امن، یہ جو اعلانات شروع کئے تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ حضورؐ! ابوسفیانؓ بڑے آدمی ہیں یہاں کے، ان کے لئے بھی کچھ کردیجئے فرمایا من دخل دار ابی سفیان فھو آمن جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں جائے اس کو بھی امن ہے۔ ان کے لئے بھی ہوگیا۔ ایک ایک کا معاملہ پیش کیا گیا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ سرِ مبارک جھکا ہوا۔ آنکھوں میں آنسو

استغفار پڑھتے ہوئے، اللہ کی حمد کرتے ہوئے۔ اس طرح سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں۔

شعر:- فاتحانہ مکہ آئے سر جھکائے چشم نم
امن کا اعلان کیا نادم ہوئے اہل وطن

امن کا اعلان تھا اس روز۔ معاملہ پیش ہوا ابوسفیان کی بیوی کا۔

شعر:- ہند، ابوسفیان، وحشی کر دیا سب کو معاف
تھک چکے تھے دشمنی کرتے ہوئے جو مرد و زن

ہند کا معاملہ پیش ہوا ان کے لئے بھی معافی فرما دی، ابوسفیان بھی ایمان لے آئے ان سے بھی کوئی انتقام نہیں لیا۔ کچھ وقفہ کے بعد وحشی ایمان لے آئے ان کو بھی قتل نہیں کیا۔ جو رؤسا قریش تھے ان سے بلا کر پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ انہوں نے کہا ان کنت تقتلنا فتقتل ذوی دم جو لوگ مستحق قتل ہیں آپ ان کو قتل کریں گے ٹھیک ہے، کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا ۔ یہ شرط بھی نہیں کی، تم ایمان لے آؤ تو معاف، بغیر شرط کے معاف کر دیا، وہاں سے تو وہ لوگ اٹھے، لیکن آپس میں ان کو خیال ہوا کہ ایسا تو نہیں کہ یہاں سب کے سامنے تو ہمیں کہہ دیا کہ معاف ہے اور اِدھر اُدھر کسی کو ہمارے پیچھے لگا کر دھوکے سے قتل کر دیا جائے۔ انہوں نے تین روز تک دیکھ لیا کہ مکہ کی گلی کوچوں میں کوئی تو ان کی ٹوہ میں نہیں اور کوئی ان سے تعارض نہیں کرتا۔ کوئی ترچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ کوئی مسلمان ان کو برا نہیں کہتا، حملہ نہیں کرتا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ واقعی امن دیا ہے اور پھر اس کے بعد وہ لوگ ایمان لے آئے ہیں۔ ابوسفیان کی بیوی کو اول جب پتہ چلا کہ ابوسفیانؓ ایمان لے آئے تو بہت غصہ میں آئی۔ اور جب ابوسفیانؓ

مکہ میں داخل ہوئے تو آکر جلدی سے ان کی ڈاڑھی پکڑلی۔ کیوں تو بھی ایمان لے آیا؟ مسلمان ہوگیا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کی بندی! لوگوں کا حال دیکھ۔ اس کے بعد بات کرنا، چناں چہ مکان کی چھت پر چڑھ کر اس نے دیکھا رات میں۔ کہ ساری رات صحابہ کرامؓ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، حجرِ اسود کا استیلام کر رہے ہیں مقامِ ابراہیمؑ پر نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ دعائیں کر رہے ہیں، آنکھوں سے اُن کی آنسو جاری تھے کوئی کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کر رہا ہے۔ کوئی سجدہ میں پڑ کر دعا کر رہا ہے کوئی حطیم میں دعا کر رہا ہے۔ وہ جو فاتحانہ غرور ہوتا ہے وہ کچھ نہیں۔ پاس پاس کو بھی نہیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے دین کی خاطر کیا ہے۔ انتقام کی خاطر نہیں کیا ہے ورنہ اس روز اگر انتقام لینا چاہتے تو سب کو ختم کر ڈالتے جنہوں نے ستایا تھا تیرہ سال تک جنہوں نے اذیتیں پہونچائی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے صحابہؓ کو، وہ سب ختم کر دیئے جاتے۔

ہجرت سے پہلے ایک قصہ پیش آیا تھا: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا بیت اللہ میں داخل ہونے کا، نماز پڑھنے کا، لیکن جس شخص کے پاس چابی تھی، اس نے قفل لگا کر چابی اپنے پاس رکھ لی۔ اور منع کر دیا کہ آپ کو بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ غور کیجئے؟ کتنا سخت مقام ہے یہ۔ گھر کس کا؟ اللہ کا گھر بیت اللہ۔ تعمیر کس نے کیا؟ خلیل اللہ نے ابراہیمؑ نے۔ داخل کون ہونا چاہتے ہیں؟ حبیب اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اور منع کرتے ہیں کون؟ عدو اللہ۔ اللہ کے دشمن داخل نہیں ہونے دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیا گذرتی ہوگی؟ اس وقت غیرتِ خداوندی کو کس قدر جوش آیا ہوگا؟ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا آپ جب ہمیں داخل نہیں ہونے دیتے۔ انشاء اللہ عنقریب وہ وقت آئے گا کہ اس کی چابی ہمارے پاس ہوگی جس کو

ہم دیں گے اس کے پاس رہے گی۔ چنانچہ وہ وقت آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چابی منگائی۔ وہ چابی اس شخص کی ماں کے پاس تھی۔ ماں سے اس نے مطالبہ کیا کہ چابی لا، ماں نے انکار کیا چابی دینے سے، تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ یاد رکھ ابھی میں تیری کمر میں کو تلوار نکال دوں گا اگر چابی نہیں دی۔ اپنی ماں سے یہ معاملہ کیا وہ چابی لیکر آئے اور آکر دروازہ کھولا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ سجدۂ شکر ادا کیا، نماز پڑھی، دعا کی۔ جب باہر تشریف لائے تو اس وقت عرض کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اب یہ چابی اس کو مت دینا، اسی وقت آیت نازل ہوئی:
ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جس کی امانت ہے اس کی امانت اسی کے حوالہ کیجائے چنانچہ چابی اسی کو دی

کہ ہمیشہ ہمیش کے لئے تم کو یہ چابی دے رہے ہیں چناں چہ آج تک ان کے خاندان میں وہ چابی چلی آرہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس طریقہ پر معاف کیا ہے۔ ساری مبارک زندگی معافی سے بھری ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت اونچی حیثیت رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام، ادنیٰ خدام۔ انہوں نے معافی کا بہت بڑا کام انجام دیا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم بلخیؒ جو اپنے زمانہ میں بادشاہ تھے، بادشاہت کو چھوڑ کر فقیری اختیار کرلی۔ ایک دفعہ کہیں دریا کے کنارے پر بیٹھے۔ اپنی گدڑی سی رہے تھے۔ وہاں بادشاہ یا کوئی اور کشتی میں سوار تھے، مجمع تھا کشتی میں۔ رائے ہوئی کہ یہاں کچھ گانا بجانا ہونا چاہیئے۔ گانے بجانے کے ساز و سامان تو موجود تھے مگر ایک سرپٹے کی ضرورت تھی وہ نہیں تھا کوئی۔ یعنی اسے درمیان میں محفل کے بٹھا لیا جائے۔ ایک ادھر سے چپت مارے، ایک ادھر سے چپت مارے تفریح رہے گی۔ سرپٹا تلاش کرنے کے لئے باہر نکلے، یہ کہیں بیٹھے ہوئے گدڑی

سی رہے تھے۔ انہیں پکڑ لے گئے۔ جا کر کے کشتی میں بٹھا دیا، اور گانا بجانا شروع ہوا اور ان کے چپت لگنے شروع ہوئے، یہ اللہ کے بہت بڑے ولی تھے، حدیث قدسی میں ہے من اذیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب جو میرے کسی ولی کو ستاتا ہے تو میں اس کے لئے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کو آدمی گالیاں دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برداشت کرتے ہیں، وہ حلیم ہیں۔ لیکن اللہ کے ولی کو اگر گالیاں دی جائیں، ستایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو برداشت نہیں کرتے۔ چناں چہ ان کے ساتھ جب یہ معاملہ ہو رہا تھا ان کو الہام ہوا کہ تم کہو تو اس کشتی کو الٹ دیں، ان سب کو غرق کر دیں۔ یہ اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کیا جواب دیا؟ انتقام کا۔ انتقام نہیں لیا۔ جواب یہ دیا کہ اے بارِ الہا! جس طرح سے آپ کو اس بات پر قدرت ہے کہ کشتی کو الٹ کر تباہ کر دیں اس بات پر بھی تو قدرت ہے کہ اندھوں کی آنکھیں کھول دیں، جو کچھ یہ حرکت کر رہے ہیں ان کی خرابی ان کے سامنے آجائے۔ جب ہی انہوں نے توجہ کی دعا کی۔ جتنے بیٹھے تھے سارے کے سارے ولی ہو گئے۔ اپنے ساتھ برا کرنے والے کے ساتھ یہ حضرات انتقام کیا لیتے ایسا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے حالات میں ہے کہ رات میں اپنے مکان پر تہجد پڑھ رہے تھے چور آیا۔ چور نے تلاش کیا ادھر ادھر کچھ ملا نہیں۔ اس لئے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے سلام پھیرا تو وہ چھپ کر کہیں کھڑا ہو گیا کونے میں۔ کہ دوبارہ جب یہ نیت باندھیں گے تو چلا جاؤں گا۔ اتنے میں کوئی شخص آیا اس نے آکر اطلاع کی کہ فلاں جگہ ایک ابدال کا انتقال ہو گیا ان کی جگہ دوسرا قائم مقام کرنے کی ضرورت ہے۔ بس چور کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اسے لیجاؤ اسے ابدال بنوا دیا، وہ چوری کرنے کے لئے آیا تھا۔ جہاں معمولی چیز ملتی اس کی نیت بہت کمزور تھی۔ دماغ کی پرواز بہت معمولی تھی۔ اپنی حیثیت کے مطابق

چوری کرتا۔ انہوں نے اس کو انعام دیا اپنی شانِ عالی کے مطابق اسی طرح ایک اور بزرگ کے حال میں ہے کہ کوئی عورت کنویں پر کھڑی پانی بھر رہی تھی۔ اس نے کچھ مذاق کا فقرہ کہا تو ان بزرگ نے اپنے خادم سے کہا کہ اس کو چپت مارو، جلدی چپت مارو، اس نے چپت نہیں مارا کہ معمولی سی بات ہے۔ بڑا کہا کیا ہوا؟ خوب بدلے رہے ہیں۔ بس وہ عورت وہیں گری اور گر کر ختم ہوگئی۔ تب انہوں نے فرمایا کہ تم نے دیر کی اس وجہ سے ایسا ہوا جس وقت اس نے اپنی زبان سے سخت لفظ نکالا تو میں نے دیکھا کہ قدرتِ خداوندی کو جوش آیا۔ غضب بڑھ گیا، اگر تم مار دیتے میرے کہنے کے مطابق تھوڑا سا بدلہ ہو جاتا، اس کو اس قہر سے نجات مل جاتی۔ تم نے نہیں مارا جس سے اس کا یہ حال ہوا۔ اگر کسی سے صورۃً انتقام ہے بھی تو اس شان کے ساتھ ہے ویسے نہیں۔ اور نگزیب عالمگیر اور اس کے بھائی دارا شکوہ دونوں میں جنگ تھی لڑائی ہوئی۔ خوب زور و شور کی ہوئی۔ دارا شکوہ کی فوج کا سپہ سالار ایک سکھ تھا، بہت کام کیا اس نے۔ اس کے باوجود دارا شکوہ کو شکست ہوگئی۔ عالمگیر کو فتح ہوگئی۔ اور وہ جو سپہ سالار تھا فوج کا اس کو لایا گیا پوچھا گیا کہ کیا معاملہ کیا جائے یا کیا سزا دیجائے۔ عالمگیر نے کہا کہ نہیں کوئی ضرورت نہیں اور اس کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا بجائے سزا دینے او قتل کرنے کے اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا، معاف کر دیا۔ اور کہا کہ یہ لوگ تو تخت کے وفادار ہیں کل توقع تھی کہ دارا شکوہ کو تخت مل جائے گا اس کے ساتھ کام کیا۔ اب وہ توقع ختم ہوگئی۔ جس کے پاس تخت ہوگا یہ اس کا کام کرینگے ان کو تو نہ مجھ سے کوئی تعلق ہے نہ دارا شکوہ سے۔ بہر حال معاف کر دیا معاف کرنے کی بڑی عجیب شان ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کو رات میں کسی کام کی ضرورت پیش آئی۔ غلام کو آواز دی۔ غلام کمرے میں لیٹے ہوئے تھے کوئی بولا

نہیں۔ یہ خود اٹھ کر آئے آواز دی وہ پہلے جاگ رہے تھے مگر سب خاموش ہو گئے۔ ایک بولا ان میں سے، کہ ان غلاموں کو پھانسی دیدو۔ نہ دن میں چین نہ رات میں چین۔ سخت لفظ کہے۔ مامون الرشید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش رہے کسی وزیر کو معلوم ہوا کہ رات ایسی ایسی صورت پیش آئی وزیر نے کہا کہ غلام بہت بداخلاق ہو گئے ہیں۔ ان کی اصلاح ہونی چاہئے۔ مامون الرشید نے جواب دیا۔ تو کیا ان کے اخلاق کی اصلاح کے لئے میں خود بداخلاق بنوں؟ مجھ سے یہ نہیں ہو گا؟ ان کی اصلاح کے لئے میں بداخلاق بنوں؟ یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ وہ معاف کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وما زاد اللہ عبدا بعفو الا عزا۔ جو شخص لوگوں کے قصور کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی عزت بڑھاتے ہیں۔ بسا اوقات دنیا میں بھی اس کی عزت زیادہ ہوتی ہے جس کو معاف کیا اس کے دل میں بھی قدر و قیمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کے یہاں تو عزت کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان عفو ہے وہ غفور ہے رحیم ہے۔ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ کیا تمہیں یہ بات محبوب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے۔ جب اپنی خطاؤں کی معافی کی اللہ سے امید رکھتے ہو تو دوسروں کی خطاؤں کو بھی معاف کرو۔ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ اس واسطے جذبۂ انتقام بہت مفاسد اپنے اندر رکھتا ہے۔

اصلاحِ احوال اور چیز ہے۔ جذبۂ انتقام اور چیز ہے۔ ہمارے یہاں جو اساتذہ بچوں کو پیٹتے ہیں۔ جن کے سبق یاد نہیں ہوتا۔ بچے کہنا نہیں مانتے اللہ معاف کرے۔ یہ جذبہ تو بہت کم ہوتا ہے کہ بچوں کی خیر خواہی مقصود ہو استاذ صاحب کی بات نہیں مانی۔ استاذ کہتا ہے کہ پانچ دفعہ کہہ دیا۔ تجھے

دس دفعہ کہہ دیا، تو یاد نہیں کرتا ہے۔ خالی بیٹھا رہتا ہے۔ تو زیادہ غصہ اس بات پر ہے کہ تو نے ہماری بات مانی کیوں نہیں؟ ورنہ تو یوں کہتے کہ دیکھو اچھالی بیٹھنے سے سبق یاد نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ تجھے دس دفعہ کہدیا پھر بھی سبق یاد نہیں کرتا، زیادہ غصہ اس بات پر ہے اسی غصہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے یاد نہیں کرتے۔ بڑے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید ہیں ایک گاؤں ہے' دودھ گڑھ' وہاں ایک قاری صاحب تھے وہیں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے بڑے حضرت کو معلوم ہوا کہ قاری صاحب بچوں کو پیٹتے ہیں۔ تو حضرت نے کہلا کر بھیجا تھا کہ قاری صاحب سے کہا کہ جب غصہ آیا کرے تو اپنا سر دیوار پر مار لیا کریں، بچوں کو نہ مارا کریں، اور مارنے کی بھی حد ہے فقہاء نے لکھا ہے شامی میں موجود ہے اس لئے اس سے زیادہ جو ماریں گے تو قیامت کو یہ بچے انتقام لیں گے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے۔ بچے کو ایک دفعہ میں تین چپت سے زیادہ مارنے کی اجازت نہیں ہے اور وہ بھی چہرہ اور سر پر نہیں وہ بھی زیادہ زور سے نہیں، قمچی سے لکڑی سے چمڑے سے، ان میں سے کسی سے مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ بچے تو نہیں یہاں؟ اس واسطے جذبۂ انتقام میں مست ہو کر، غصہ میں بھر کر سزا دینا غلط طریقہ ہے۔ ہاں اصلاح مقصود ہو تو دوسری بات ہے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی بہت پٹائی ہوئی تھی۔ ان کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مارا کرتے تھے اور مارتے مارتے جب تھک جاتے تھے پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے تب کہا کرتے تھے کہ میرے مارنے سے اگر تو مر گیا تو شہید ہوگا مجھے ثواب ملیگا، یہ فرمایا کرتے تھے۔ خود بھی شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی جگہ پر لکھا کہ پٹائی کا ایک تھپڑ لگا اور یہ ہوا یہ ہوا۔ وہ شان دوسری ہے ان کو جتنا غصہ اور جتنی پٹائی اپنے لڑکے کی کرتے تھے غیروں کے بچوں کی اتنی پٹائی نہیں کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص جذبہ تھا

انتقام کا جذبہ نہیں تھا۔ وہ خیر کا جذبہ غالب تھا۔ اس کی وجہ سے کرتے تھے حضرت مولانا سہارنپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو استاذ بچوں کو مارتا اور مار کر پڑھاتا ہے، اس کو پڑھانا نہیں آتا۔ زیادہ پٹائی سے بچے بے حیا ہو جاتے ہیں۔ آگے کو کام نہیں کرتے ہیں۔ اورنگزیب عالمگیرؒ کے دربار میں تین آدمی پیش کئے گئے تینوں کے تینوں ایک جرم میں۔ انہوں نے کیا سزا دی؟ ایک کو تو گھور کر دیکھا دوسرے کو کچھ ڈانٹا دھمکایا، تیسرے کو کوڑے لگوائے۔ وزیروں نے کہا کتنا بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ جرم ایک ہے سزائیں سب کی الگ الگ ہیں اورنگزیبؒ نے فرمایا کہ افسوس جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے۔ جاؤ تینوں کے حالات کی تحقیق کرو، پہلا شخص جس کو گھور کر دیکھا تھا اس کے مکان پر پہنچے تو وہاں تو کفن دفن کا انتظام ہو رہا ہے، اس کا انتقال ہو گیا غیرت کی وجہ سے کہ بادشاہ نے گھور کر دیکھ لیا۔

دوسرے شخص کے مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ حکیم جی کو بلایا جا رہا ہے بیہوش پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرے کو دیکھا کہ بازار میں کھڑا ہے ڈنڈا لئے ہوئے کہ اتنے جوتے لگ گئے اتنے کوڑے لگ گئے اور لگ جاویں گے۔ تو مزاج الگ الگ ہے سب کا، یہ نہیں کہ سزا ایک ہو، وہ بہت گہرے آدمی تھے عالمگیرؒ خوب دیکھتے بھالتے تھے۔ ایک بازار میں ایک مرتبہ دو آدمیوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ جو تا چل گیا، مقدمہ آیا، تحقیق کیا کس بازار میں؟ کہاں؟ فلاں جگہ پر، اچھا۔ پانچ دکاندار ادھر کے پانچ دکاندار ادھر کے بلا لئے گئے۔ ان کے دس دس جوتے لگوا دیئے۔ شور مچ گیا کہ لڑائی کرے کوئی پٹائی ہو ہماری یہ کیا بات ہے؟ یہ بڑا ظلم ہے۔ مگر حال یہ ہو گیا اس وقت سے کہ اگر دو آدمی ذرا زور سے بھی بولتے تھے تو دو کاندار اٹھ کر آتے تھے۔ یہاں جھگڑا کر کے ہمیں پٹواؤ گے۔

تو یوں فرمایا کہ امن عامہ کو قائم رکھنا تمام کی ذمہ داری ہے۔ یہ مرغوں کو لڑا کر بیٹھ کر تماشہ دیکھتے ہیں؟ اپنی ذمہ داری کو نہیں سوچتے۔ تو اصلاحِ احوال اور ہے جذبۂ انتقام اور ہے۔ یہاں جو فرمایا گیا، مازاد اللہ بعفوالاعزا، اپنے نفس کے حقوق کوئی شخص معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں۔ حدیث میں خود موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کی خاطر کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کی خاطر کسی سے انتقام لیا ہی نہیں۔ ہاں جہاں احکام شرع پامال ہوتے ہوں، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غصہ آتا تھا، سزا بھی دیتے تھے، احکام شرع کی حفاظت اور چیز ہے اور اپنے نفس کا غصہ اور چیز ہے، ان دونوں میں فرق کرنے کی ضرورت ہے، فسادات پیدا ہوتے ہیں نفس کے جذبۂ انتقام سے ان سے بچنے کی ضرورت ہے۔ باقی دین کی باتوں کی حفاظت کیلئے، احکام شرع کے تحفظ کے لئے ہر شخص ایک مقام رکھتا ہے۔ جس کا جیسا مقام ہو اس طریقہ پر انتظام کر سکتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی مجلس میں ایک مرتبہ تذکرہ تھا کفر کے فتویٰ کا۔ فلاں نے فلانے کے کفر کا فتویٰ دیا۔ فلانے نے فلانے کے کفر کا فتویٰ دیا۔ تھوڑا وقت اس میں خرچ ہوا۔ علماء کی جماعت تھی وہ باتیں کر رہے تھے حضرت گنگوہیؒ خاموش تھے پھر حضرت بولے: فرمایا کہ کن لغویات میں پڑے ہو؟ یاد رکھو قیامت کو جو بخشش ہوگی، تمہارے فتوے پوچھ پوچھ کر نہیں ہوگی! خدا کی قسم ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو تم پکا کافر کہتے ہو مگر وہ کھلے جنت میں جائیں گے۔ ہاں شرعی احکام کے انتظام کی خاطر کبھی فتویٰ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ زیادہ وقت اس میں خرچ مت کرو۔ اپنے کام میں لگو، اسی لئے شریعت کے نظام کو درست رکھنے کے لئے فتویٰ دینا اور چیز ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح اپنے طبقے کے مشائخ عظیمہ میں سے تھے وہ اور شیخ محی الدین ابن عربی رح دونوں ایک زمانے میں تھے، شیخ شہاب الدین رح سے کسی نے پوچھا شیخ ابن عربی رح کے متعلق؟ تو انہوں نے فرمایا وہ زندیق آدمی ہیں اس کے بعد جب شیخ ابن عربی رح کا انتقال ہوگیا تو کہا کہ قطب وقت کا انتقال ہوگیا پوچھا کہ ان کا آخرت میں کیا معاملہ ہے؟ کہا کہ بہت اونچے آدمی ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ نے تو زندگی میں ہمیں روکدیا، کہدیا کہ زندیق ہے۔ کہا کہ ہاں ان کے اوپر کچھ جذب کا اثر آگیا تھا۔ باتیں اتنی اونچی کہتے تھے کہ تمہاری سمجھنے کی نہیں تھی۔ تم زندیق ہو ہی جاتے ان کی باتوں کو سن کر۔ یہ انتظامی شان دوسری ہے لیکن ہر شخص انتظام کو اپنے ہاتھ میں لے لے کہ سارے علماء کا انتظام کرنے والا میں ہی ہوں یہ سخت خطرناک ہے اس سے بچنا چاہیئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو جو حیثیت عطا فرماتے ہیں وہ اس حیثیت سے کام لے، ہر ایک کی حیثیت الگ الگ ہے، غرض جتنے جھگڑے فسادات ہوتے ہیں بڑی تعداد تو مال کی محبت سے ہے، اور دوسری تعداد فتنوں کی ہے جذبۂ انتقام سے۔ اس کو فرمایا کہ معاف کرنے سے عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں درجات بلند ہوں گے۔ بڑا نفع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمادے، آمین

ایمان، تقویٰ، صِدق

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ :-

حق تعالیٰ سبحانہ کا ارشاد

ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اس میں تین چیزیں ہیں ۱ ایمان ۲ تقویٰ ۳ صدق۔

ایمان جن لوگوں کو پہلے سے حاصل ہے ان کو خطاب ہے یہ نہیں کہ کافروں کو کہا جا رہا ہے کہ تم ایمان لے آؤ، ان کو دوسری جگہ پر کہا گیا۔ یہاں ایسے لوگوں کو خطاب ہے جن کے اندر ایمان موجود ہے ان کو خطاب ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو، اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

ایمان کے کیا معنیٰ ہیں؟ مان لینا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی پر اعتماد کرتے ہوئے، ان کے لائے ہوئے احکام کو، دین کو مان لینا، یہ ایمان کا حاصل ہے صرف جان لینا نہیں، بلکہ مان لینا۔ جانتے مشرک و کافر بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال تک آپ کی ایسی پاکیزہ زندگی گذری کہ سب کو تعجب تھا، آپؐ کو صدوق کہتے تھے، امین کہتے تھے، اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے، اس وقت تو کوئی مذہبی نزاع تھا ہی نہیں۔ جب چالیس برس پورے ہو گئے اور آپ پر غارِ حرا میں وحی آنا شروع ہوئی۔ اور آپ کو پہونچانے کا حکم ہوا۔ تب ان

لوگوں نے اختلاف کیا۔کسی نے مانا۔کسی نے نہیں مانا۔ ماننے والے تو بہت ہی کم تھے۔ اکثر انکار کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ چوں کہ چالیس برس کی زندگی پاکیزہ گذری جن میں کوئی انگشت نمائی کی گنجائش نہیں۔ اعتراض کا موقع نہیں ملا۔ اس واسطے بعضے لوگ تو یہ کہتے تھے کہ آپ تو سچے ہیں لیکن آپ کے پاس جو وحی لاوے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہنے کی ان کو ہمت نہیں ہوتی تھی، چالیس برس تک آزما چکے تھے۔ دیکھ چکے تھے اچھی طرح سے۔ کیسے کہدیں ایک دم سے کہ ارے یہ تو جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو ایمان کے معنی مان لینا، صرف جان لینا نہیں، ایک شخص ایک ملک میں ایک شہر میں پہونچتا ہے وہاں اس کے علم میں ہے وہ جانتا ہے کہ یہاں کا فرمانروا بادشاہ ہے، اس کا قانون ہے۔ اس کی کچہری ہے اس کا جیل خانہ ہے۔ اس کے دفاتر ہیں۔ اس کے افسر ہیں سب باتیں جانتا ہے اگر اس کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی کرلے کہ مجھے یہاں کی حکومت کے قانون کے ماتحت زندگی گذارنی ہے تو وہ وہاں کا شہری اور وفادار کہلائے گا۔ اور اگر جاننے کے باوجود وہ مانتا نہیں کہ آخ میں اس قانون کو نہیں مانتا۔ یہ کہتا ہے۔ تو وہ شخص وہاں کا شہری نہیں، باغی ہے۔ تو قرآن کریم کو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کو جو لوگ جانتے ہیں مگر احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں یہ فیصلہ نہیں کرتے کہ ہمیں زندگی ان کے ماتحت گذارنی ہے۔ یہ فیصلہ انہوں نے نہیں کیا وہ مومن نہیں ہیں۔ مومن وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے ماتحت اور پابند ہوکر گذارنی ہے۔ وہ لوگ مومن ہیں۔ انہیں کو خطاب ہے۔ سورۂ انفال میں مومن کے صفات کو بتلایا ہے۔ بتلایا کہ کیا ہیں انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم

ایماناً وعلیٰ ربھم یتوکلون ہ الذین یقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون اولئک ھم المومنون حقا۔ مومن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں۔کیا ؟ اذا ذکر اللہ جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے! وجلت قلوبھم ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اللہ کی عظمت اور جلال سے ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کیجاتی ہے تو ان کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ یقین پختہ اور مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے اور اپنے رب پر وہ بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، یہ لوگ درحقیقت سچ مچ مومن ہیں۔ چونکہ ایمان کا ترجمہ۔ تصدیق قلبی کا ہے۔ دل سے کسی بات کو مان لینا، یہ ایمان کہلاتا ہے۔ اور قلبی چیز تو ایسی ہے کہ وہ غائب ہے۔ دوسروں کو اس کا کیسے پتہ چلے، اس لئے اقرار باللسان کو ایمان اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ تصدیق پر دلالت کرنے والی چیز تصدیق کے قائم مقام ہو جائے۔ تو فرمایا گیا کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے۔ یعنی جب تم نے فیصلہ کر لیا تو اپنے اس ایمان کی حفاظت کرو۔ ایمان کی حفاظت کیسے ہو۔ تقویٰ اختیار کرو تب تو ایمان کے اندر خیر باقی رہے گی۔ اور اگر تقویٰ اختیار نہ کیا تو ایمان کمزور ہوتے ہوتے کہیں ختم نہ ہو جائے۔ ایمان کو پختہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ جانتے ہو؟ کہا کہ آپ کسی کنٹیلے راستہ پر کو گذرے ہیں حضرت عمرؓ نے پوچھتے ہیں وہ صاحب۔ کنٹیلے راستہ میں سے گذرتے ہوں جہاں جھاڑی کھڑی ہوں، کانٹے والی خاردار درخت ہوں۔ ان میں کو راستہ ہو ایسے راستہ میں کو کبھی گذرے؟ ہاں گذرا ہوں۔ کیسے گذرا کرتے ہیں؟ کہا کہ کپڑے اور بدن کو سنبھال کر گذرا کرتے ہیں کہ راستہ بھی طے ہو جائے نہ

کپڑے پر کانٹے لگیں اور نہ بدن پر کانٹا لگے ۔ اس احتیاط کے ساتھ گذرتے ہیں بتایا کہ یہی تقویٰ ہے. آدمی اپنی زندگی ایسے طریقہ پر گذار دے کہ اس کا ایمان بھی خراب نہو، عمل بھی خراب نہو. جو ماحول کے کانٹے لگے ہوئے ہیں. سب طرف ان کانٹوں سے بچ بچ کر چلا جائے ۔ یہی تقوی ہے ۔ نماز پڑھتا ہے تو یہ سوچتے ہوئے کہ نماز میں کسی سے بات نہ کریں ۔ نماز میں کھانا نہ کھائے. پانی نہ پیئے. نماز میں ادھر اُدھر نہ جائے کہ نماز ٹوٹ جائے گی ساری خراب ہو جائے گی. روزہ رکھتا ہے تو سوچتا ہے پان نہ کھائے، سگریٹ، بیڑی نہ پیئے، حقہ نہ پیئے روزہ ٹوٹ جائے گا بچ بچ کر چلتا ہے تو دل کے اندر ایک خوف ہوتا ہے جو خدا کی نافرمانی سے روکتا ہے وہ ہے تقویٰ ۔ جب اللہ کو اللہ تسلیم کر لیا، اس کو حاکم علی الاطلاق مان لیا، اس کے احکام کے ماتحت زندگی گذارنے کا فیصلہ کر لیا، تو اب اس کے احکام کو پورے طور پر بجالانا چاہیئے اور عدول حکمی سے قانون شکنی سے پورا پورا پرہیز کرنا چاہیئے ۔ اگر یہ صورت اختیار کی گئی تو ایمان باقی رہے گا بلکہ قوی اور مضبوط ہوتا چلا جائے گا ۔ اور اگر یہ صورت اختیار نہیں کی ۔ تقویٰ اختیار نہیں کیا تو ایمان کمزور ہوتا چلا جائے گا نہ ایمان میں اتنی طاقت رہے گی کہ معاصی سے روک سکے نہ اتنی طاقت رہے گی کہ شرک وکفر کی باتوں سے روک سکے. ایمان اتنا کمزور ہوتا جائے گا ۔ ایک شخص ریل میں سفر کر رہا ہے ۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ ہے بچہ کی عمر ۱۴ سال کی ہے ۱۴ سال کے بچہ کا ٹکٹ پورا لگتا ہے لیکن بچہ دیکھنے میں کچھ کم معلوم ہوتا ہے. ٹکٹ آدھا لیا ہے ۔ آ گیا ٹی. ٹی اس نے پوچھا کیا عمر ہے اس کی کہہ دیا اس کی عمر نو سال کی ہے ۔ اب کرایہ بچانے کے واسطے اس کی عمر کم بتادی جس ایمان میں اتنی طاقت نہیں کہ جھوٹ بولنے سے دھوکہ دینے سے روک سکے وہ ایمان ذریعہ نجات کیسے بنے گا ؟ سوچنے کی بات ہے. ایمان ہی تو ذریعہ

نجات ہے۔ جب ایمان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ جھوٹ سے روکدے، دھوکہ دینے سے روکدے تو وہ کیسے مومن ہوگا؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار کیطرف تشریف لے جارہے تھے ایک شخص کا غلہ کا ڈھیر پڑا ہوا ہے تجارت کے لئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر ہاتھ دیا، اندر سے نکلا تو بھیگا ہوا نکلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا؟ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارش ہوئی تھی بھیگ گیا تو اس کو میں نے نیچے کر دیا تاکہ گاہک دیکھے نہیں۔ اسے پتہ نہ چلے کہ اندر سے بھیگا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا من غشنا فلیس منا جو ہمارے ساتھ دھوکہ بازی کرے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

جس ایمان میں اتنی طاقت نہو کہ خدا کی نافرمانی سے روکدے اس کے اوپر کیا سہارا کیا جائے گا۔

ایک شخص سامان بیچتا ہے۔ کھوٹا سامان ہے۔ نقلی سامان ہے۔ کہدیتا ہے کہ اصلی ہے۔ اعلیٰ درجہ کا ہے، اس توقع پر جھوٹ بولدیتا ہے کہ یہ خرید لیگا تو کچھ پیسے مجھے نفع کے مل جائیں گے۔ جس ایمان میں اتنی طاقت نہیں کہ جھوٹ بولنے سے روکدے وہ ایمان سہارے کے قابل ہے؟ اس کے ذریعہ کیا توقع ہے کہ نجات ہوگی۔ آج جھوٹ بولنے سے نہیں روکتا ہے دھوکہ دینے سے نہیں روکتا ہے کل کو خدانخواستہ موقع ہوجائے شرک وکفر سے بھی نہیں روک سکیگا اور جیسا جیسا ہوتا ہے، جہاں ایک زد پڑی، اسی زد کے اندر آکر اپنے مسلمان ہونے سے بھی انکار کر دیتا ہے، کفر کو اختیار کر لیتا ہے۔ نام بھی اپنا بدل دیتا ہے صورت وشکل بھی بدل دیتا ہے۔ یہ سب کچھ کر لیتا ہے۔

ہمارے یہاں ایک صاحب تھے اب تو انتقال ہوگیا۔ بیچارے کا جوئی قسم کے آدمی تھے۔ ویسے تو انگریزی تعلیم یافتہ تھے، مزارات سے ان کا تعلق تھا

سجادہ صاحب تھے۔ طبیعت میں تمسخر بہت تھا۔ کہنے لگے کہ بھائی صاحب دیکھئے میری داڑھی شرعی داڑھی ہے۔ نہیں، آج رکھی ہوئی ہے کل کو منڈ بھی سکتی ہے صاف صاف خود کہہ رہے ہیں کہ میری ڈاڑھی شرعی ڈاڑھی نہیں ہے آج رکھی ہے کل کو منڈ بھی سکتی ہے۔ تو جو اعمال خیر آدمی کرتا ہے اگر وہ شرعی اعمال نہیں، آج کر رہا ہے کل کو ترک بھی کر سکتا ہے آج نماز پڑھ رہا ہے کل کو نماز چھوڑ بھی سکتا ہے آج قرآن پڑھ رہا ہے کل کو قرآن چھوڑ بھی سکتا ہے۔

لہٰذا ایمان میں جو طاقت پیدا ہوتی ہے وہ تقوی سے ہوتی ہے۔ چھوٹے بچے مکان بناتے ہیں۔ چار لکڑیاں لے آئے چھوٹی چھوٹی اور جناب چار کونوں پر گاڑ دی ایک چادر اوپر تان دی گھر ہوگیا، ہاں گھر تو ہوگیا لیکن ہوا کے ایک جھونکے کو نہیں برداشت کر سکتا یہ گھر۔ ایک بارش کو برداشت نہیں کر سکتا، گرمی کی تپش نہیں روک سکتا یہ، سردی کی ٹھنڈک سے نہیں روک سکتا ہے یہ۔ تھوڑی دیر کو تفریح کا سامان ضرور بن گیا۔ بچے ریل بناتے ہیں، ایک اینٹ کے برابر اس طرح سے دوسری تیسری اینٹ کھڑی کر دی قطار لگا کر۔ ادھر سے قطار میں ماری ایک لات وہ اینٹ اس میں سے گری دوسری اس میں سے گری تیسری۔ ریل ہوگئی، ریل چلی۔ ریل تو انہوں نے بنالی۔ لیکن اس پر کیا سفر کر سکتے ہیں؟ مسافت قطع کر سکتے ہیں اس کے ذریعہ سے۔ نہیں کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی حال ہے۔ بچوں کا کھیل ہے ایمان ان حضرات کا تھا جنہوں نے دکھلا دیا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایسا قوی ایمان عطا فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو ایمان سے ہٹا نہ سکی ایک چیز سے نہیں روک سکی، ایمانیات کی۔

شعر

موحد چہ در پائے ریزی زرش
چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد زکس
ہمین است بنیاد توحید و بس

ان کے سامنے اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیئے جائیں تو ان کی طبیعت میں طمع و حرص پیدا نہو، ان کے سامنے چمکتی ہوئی تلوار ان کی گردن پر رکھدی جائے تو ان کے اندر کوئی خوف و ہراس پیدا نہو، طمع و لالچ جو کچھ ہے وہ اللہ کی نعمتوں کا ہے اللہ کی ذاتِ عالی کے ساتھ وابستہ ہے خوف و ہراس جو کچھ ہے وہ اللہ کی نافرمانی کا ہے اس کی نافرمانی سے ڈرنا اور بچنا چاہیئے۔ فرماتے ہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اے ایمان والو جب تم نے یہ فیصلہ کرلیا کہ ہم اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ماتحت ہو کر گذریں گے۔ اس فیصلہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ کے رسول کو ناپسند ہو، اللہ کو اور اللہ کے رسول کو ناخوش کرنے والی ہو۔ اس سے بچیں، احتیاط برتیں، تو ایمان قوی ہوگا۔ مضبوط ہوگا۔ اور کونوا مع الصّٰدقین، صادقین کے ساتھ مل جاؤ، تقوی کا طریقہ کیا ہے تقوی کا طریقہ یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ، اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ، تو جیسا ماحول ہوتا ہے ویسے ہی آدمی پر اثرات پڑتے ہیں۔ آدمی بازار میں بیٹھتا ہے جہاں جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ جھوٹے بھاؤ بتائے جاتے ہیں۔ غلط سلط سودے کو اچھا بتاکر بیچا جاتا ہے، ویسے ہی اس پر اثر پڑے گا جب جھوٹوں کے پاس بیٹھے گا۔ اور جو شخص جس گناہ کا عادی ہو جاتا ہے اس گناہ کو تو گناہ بھی نہیں سمجھتا ہے۔ اس کو خیال بھی نہیں آتا کہ میں کوئی گناہ کا کام کر رہا ہوں۔ ایک شخص شراب پیتا ہے، عادی ہے شراب کا۔ آہستہ آہستہ اس کے ذہن سے شراب کی حرمت و خباثت، نجاست سب ختم ہو جاتی ہے، وہ تو گناہ نہیں سمجھتا ہے۔ جیساکہ پانی پی لیا جاتا ہے کھانا کھانے کے بعد، اسی طرح پر

وہ سمجھتا ہے شراب کو بھی، اسی طریقہ سے جو لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں، عدالتوں اور کچہریوں میں رات دن جھوٹے حلف اٹھاتے رہتے ہیں، جھوٹی قسمیں کھاتے رہتے ہیں، جھوٹ بولتے رہتے ہیں ان کو احساس ہی نہیں ہوتا ہے کہ ہم گناہ کے کام کر رہے ہیں۔ ہر چیز کے متعلق یہی ہے۔ لہٰذا جب آدمی ایسے ماحول میں ہے جہاں معصیت عام ہے نافرمانی سب کے سب میں لگی ہوئی ہے تو جب تک وہ اس ماحول کو نہیں چھوڑے گا۔ اس وقت تک اس کی اصلاح آسان نہیں، لہٰذا وہاں سے نکل کر ایسے ماحول میں آجائے کہ جہاں سب سچ بولتے ہیں، ایک شخص بیمار ہے گھر میں اچھا کھانا پکتا ہے مگر اس کے لئے معالج نے تجویز کر دیا، پرہیز۔ اب سب لوگ بڑھیا کھانا لذیذ کھانا کھا رہے ہیں۔ یہ پرہیزی کھانا کھاتے ہیں اس سے برداشت نہیں ہوتا۔ یہ سب کے سب اسی طریقہ پر کھانا کھائے تو اس سے مرض میں اضافہ ہوگا۔ اور سب کے سب پرہیزی کھانا کھائیں وہ ان سے نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کا ماحول تبدیل کر کے اس کو ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے کہ وہاں پرہیزی کھانا ملے گا، دوسرا کھانا موجود نہیں ہے۔ اس کا علاج آسان ہو گیا، سہولت رہے گی۔ چونکہ ماحول وہاں ایسا ہی ہے بس یہی بات ہے۔ ایک شخص ایمان لایا اور آپ کے پاس آیا کہ نماز مجھے سکھاؤ آپ ایک ایک لفظ ایک ایک چیز اس کو سکھائیں گے پڑھائیں گے بیٹھ کر بہت دیر لگے گی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جہاں سب لوگ نمازی ہیں وہاں اس کو داخل کر دیا جائے۔ جس طرح سے سب کو کرتا دیکھے گا کہ وضو اس طرح سے کرتے ہیں نماز اس طرح سے پڑھتے ہیں، قیام ہے، قرأت ہے، رکوع ہے، سجود ہے۔ بہت جلدی اس ماحول کی وجہ سے اس کو نماز آجائیگی تو حالات کے بدلنے اور اصلاح کرنے کی بہترین صورت ماحول کی تبدیلی ہے

اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سے یہی بتلانا مقصود ہے کہ صادقین کے ماحول
میں آجاؤ، صادقین کے ماحول میں آجاؤ گے تو سب بات ٹھیک ہو جائے گی۔
یہی نکتہ ہے کہ ابتدا میں مدینہ طیبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لیگئے اور
وہاں آس پاس کے لوگ مسلمان ہوئے تو سب کے واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
یہ فرما دیتے کہ مدینہ طیبہ آجاؤ۔ ہر ایک کو دین کیسے سکھایا جائے، ہر ایک
کے واسطے آدمی بھیجا جائے، ایک ایک بستی کے لئے ایک ایک آدمی بھیجا جائے
کئی کئی آدمی بھی کافی نہیں۔ اس کا طریقہ بھی یہی تھا کہ سب کے سب مدینہ طیبہ میں
جمع ہو جائیں اور چرچہ ایمان ہی کا ہو، اعمالِ صالحہ کا ہی چرچہ ہو، یہی رات ودن
کا مشغلہ ہو، کوئی سکھانے والا، کوئی سیکھنے والا، کوئی پڑھنے والے، کوئی پڑھانیوالے
غرض اسی طریقہ پر کام چلے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے،
دیکھا کہ ایک طرف تو بعضے لوگ دعا میں نماز میں مشغول ہیں اور دوسری جانب
میں کچھ لوگ بیٹھے ہیں، مسئلے مسائل کی باتیں کر رہے ہیں، کوئی پوچھ رہا ہے کوئی
بتا رہا ہے کوئی پڑھ رہا ہے کوئی بتا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں
جماعتیں خیر پر ہیں۔ یہ بھی اور وہ بھی جو لوگ دعا میں تلاوت میں لگے ہوئے ہیں
اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ ان کی مانگی ہوئی مرادیں پوری کرے یا مناسب نہ سمجھے
تو نہ پوری کرے اور یہ لوگ تعلیم کا کام کر رہے ہیں۔ دین کے سیکھنے سکھانے کا
انما بعثت معلماً میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، آخر اس میں آکر بیٹھے ایک
مرتبہ تشریف لائے، اصحاب صفہ کی بڑی جماعت تھی ان بیچاروں کا حال یہ تھا
کہ کسی کے پاس دو کپڑے نہیں، ایک ہی کپڑا تھا کرتا تھا تو نیچے تہہ بند نہیں اور
تہہ بند تھا تو اوپر چادر نہیں، ایسی حالت میں تھے وہ حضرات، حتیٰ کہ ایک آدمی
دوسرے آدمی کے بدن سے اپنے بدن کو چھپاتا تھا کہ کھل نہ جائے کہیں، کتنی

تنگی کی حالت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر انکے پاس بیٹھتے ۔ یہ لوگ دین سیکھنے کے لئے پڑے ہوئے تھے، بس اور کوئی مشغلہ ان کا نہیں تھا، صرف دین سیکھنا ہی مشغلہ تھا، یہی ان کا مدرسہ تھا، یہی دارالاقامہ تھا، یہی دارالمطالعہ تھا ان کا سب کچھ یہی تھا ۔ ایک چبوترہ بنا دیا تھا، جس کو صفہ کہا کرتے تھے اور یہ لوگ اصحاب صفہ تھے ان کا مطبخ کیا تھا؟ کھانے کا؟ انصار کے یہاں باغ تھے کھجوروں کے، وہ کھجوروں کے گچھے لاکر لٹکا دیتے تھے، کسی نے ایک کھجور کھائی کسی نے دو کھالی، کسی نے تین کھالی، بس یہ ان کا مطبخ تھا، تو سارے ماحول سے کٹ کر یہ ایک ایسے ماحول میں آگئے تھے کہ جہاں دین ہی دین ہے کوئی اور چیز ہے ہی نہیں ۔ ان لوگوں کو پیسہ روپیہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی ۔ ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس کے سامان میں سے ایک اشرفی نکلی آپ نے فرمایا دینار کیئ من النار، دیناران کیان من النار ۔ ایک دینار ہوگا تو آگ کا ایک داغ لگے گا۔ دو دینار ہوں گے تو آگ کے دو داغ لگیں گے، یعنی وہ لوگ سب چیزوں سے ایسے ہٹ کر کٹ کر ایسا ماحول انہوں نے بنالیا تھا کہ اس میں پیسہ، روپیہ رکھنے کی اجازت اور گنجائش ہی نہیں رہی تھی، یہی صورت ہے کونوا مع الصّٰدقین کی کہ سچوں کی جماعت کے ساتھ ہو جاؤ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب سچے آدمی تو دنیا میں رہے نہیں، وہ غلط کہتے ہیں اگر سچے آدمی نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کیوں حکم فرماتے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ ۔ یہ تو تکلیف مالایطاق ہے، یقیناً سچے موجود ہیں اور ایک نہیں جماعتیں موجود ہیں صادقین موجود ہیں ۔ ان کے ساتھ ہو جاؤ اور رہیں گے صادقین ۔ اور جس روز صادقین ختم ہو جائیں گے، تو بس اس دنیا کا کارخانہ ہی سارا ختم ہو جائیگا اس لئے ایمان کے پختہ اور قوی کرنے کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے

اور تقویٰ اختیار کرنے کی صورت ہے کہ صادقین کے ماحول میں آدمی اپنی زندگی گذارے۔ بچے اپنے مکان پر نہیں پڑھتے ہیں، ماں باپ کیا کرتے ہیں؟ دور دراز مدرسہ میں بھیجدیتے ہیں، بس وہاں رات و دن مشغلہ ہی پڑھنے کا ہے۔ کمیل کود بھی اگر ہے بچوں کے لئے تو وہ بھی مدرسہ کے اندر ہی ہے، غلط قسم کی صحبت سے محفوظ رہیں گے، ہر وقت پڑھتے پڑھانے کے کام میں لگے رہیں گے حالات درست رہیں گے، یہی صورت ہوتی تھی مشائخ کے یہاں کہ ان کے خانقاہ میں آگئے، سب طرف سے ہٹ کر کٹ کر، بس نماز پڑھنا ہے، تسبیح وظیفہ پڑھنا ہے۔ ان بزرگ کی باتیں سننی ہیں۔ ان کی باتوں سے قلوب کے اندر جلا پیدا ہوتا ہے، ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے، اللہ کی یاد آتی ہے، خشیۃ پیدا ہوتی ہے اپنی اصلاح کے واسطے کسی خانقاہ میں کسی بزرگ کے یہاں پہونچ گئے یہ صورتیں ہوتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعتکاف بھی اس کا ایک سب لوگ ایک نیت کے ساتھ اللہ کو راضی کرنے کے لئے۔ گناہوں کو چھوڑنے کے لئے اپنے گناہ پر نادم ہونے کے لئے مسجد میں آپڑے ہیں اور کوئی مشغلہ نہیں، دوکانداری نہیں کرنی ہے، یہاں بیٹھ کر۔ کھیتی انہیں نہیں کرنی ہے، ملازمت انہیں نہیں کرنی ہے، اپنے بیوی بچوں سے نہیں ملنا۔ بس اللہ تعالیٰ نے کھانے کا بھی انتظام فرما دیا ہے۔ رہنے کا بھی، ٹھہرنے کا بھی انتظام فرما دیا ہے۔ عافیت کے ساتھ یہاں پڑے ہیں، صادقین کی ایک جماعت ہوگئی۔ کونوا مع الصٰدقین صادقین کے ساتھ رہو تقویٰ آئے گا، اور تقوی سے ایمان قوی ہوگا، کاش اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اسکی قدر نصیب فرما دے، قدر کریں گے تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے تو دینے کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، وہاں تو کمی مانگنے والوں کی ہے دینے کی

کچھ کمی نہیں ہے، اسی وجہ سے آتا ہے روایات میں کہ سماء دنیا پر آواز دی جاتی ہے کہ کوئی ہے سوال کرنے والا؟ کہ اس کے سوال کو پورا کردوں؟ کوئی ہے گناہوں سے توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی ہے مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کروں؟ کوئی ہے رزق طلب کرنے والا کہ اس کو رزق دوں؟ یہ آوازیں وہاں سے آتی ہیں، اس واسطے آج ۱۲/۱۳ روز گذر چکے ہیں۔ کچھ حصہ باقی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قدر کی توفیق دے وہاں تو یہی ہے کہ جس قدر آدمی حق تعالیٰ کے انعامات کی قدر کرے گا۔ شکر ادا کرے گا۔ اسی قدر حق تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ سے زیادہ نازل ہوں گی اس پر،

اصلاح قلب

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا۔

ان فی جسد الانسان لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب :-

ارشادِ گرامی کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا حق تعالیٰ نے رکھا ہے اور شان اس کی یہ ہے کہ اس کے اندر صلاحیت آجاتی ہے تو تمام جسم میں صلاحیت آجاتی ہے۔ اس کے اندر خرابی آتی ہے، تمام جسم میں خرابی آتی ہے، جانتے ہو اس کا کیا نام ہے؟ اس کا نام ہے قلب۔ جس طرح ایک بادشاہ ایک علاقہ میں حکومت کرتا ہے سب ماتحت اس کا حکم مانتے ہیں، اور وہ ایک مقام پر بیٹھا ہوا اپنے مکان پر اپنے دیوان خانہ میں، کچہری میں، کسی جگہ پر ہے مگر پردوں کے پیچھے ہے۔ ہر شخص وہاں تک نہیں جا سکتا ہے، وہاں سے جو بات چلتی ہے تو دوسرے آدمیوں کے ذریعے چلتی ہے اور ان کے ذریعہ سب جگہ پر پھیلائی جاتی ہے۔ باقی چلتی اسی کی ہے جو اندر بیٹھا ہوا ہے۔ اس طریقہ پر انسان کا جسم بمنزلہ ایک شہر کے ہے اور اس کے اندر سینے میں قلب ہے، بعضے لوگوں نے کہا ہے کہ قلب نام ہے عقل کا، آدمی عقل سے سمجھتا ہے۔ ولھم قلوب لا یفقھون بھا

سمجھ کا تعلق عقل سے ہے لہٰذا قلب سے مراد عقل ہے، اور عقل کا محل بتلادیا دماغ کو۔ یہ صحیح نہیں، قرآن کریم میں ہے لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ قلوب کا محل بتلادیا گیا ہے؟ صدور ہے۔ قلب سینہ میں ہے دماغ میں نہیں ہے، بہرحال قلب کا کام سمجھنا ہے اور تمام اعضاء پر حکومت کرتا ہے۔ اللہ کے احکام کو سمجھے اور تمام جسم کے اعضاء پر اس کو نافذ کرے جاری کرے یہ قلب کا کام ہے۔ کسی کا قلب سمجھتا نہیں صحیح طور پر۔ بلکہ بات غلط سمجھتا ہے اور غلط طریقہ پر حکمرانی کرتا ہے تو جب حکمرانی غلط ہوگی تو نتیجہ نہایت خراب ہوگا۔ ایک کتاب "اخلاق محسنی" میں ایک قصہ لکھا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں پڑھا تھا۔ ایک شہزادہ شکار میں جارہا تھا چلتے چلتے سب ساتھیوں سے علیحدہ ہوگیا اور ایک باغ میں پہونچ گیا۔ وہاں باغ والوں نے خاطر مدارات کی، دیکھا کہ ایک بہت بوڑھا آدمی پودے لگا رہا ہے۔ شہزادہ نے کہا کہ بڑے میاں پودے کاہے کے واسطے لگا رہے ہو، تمہارا پیر تو قبر میں لٹک رہا ہے، مرنے کے قریب ہو رہے ہو۔ اس کا پھل تم تھوڑا ہی کھا سکتے ہو، اس نے جواب دیا کہ ہمارے بڑوں نے درخت لگایا، اس کا پھل ہم نے کھایا، ہم لگائیں گے تو آگے کو ہماری اولاد کھائے گی اور کیا بعید ہے کہ ہم بھی کھالیں، شہزادہ نوجوان تھا اس نے فوراً قسم کھالی اگر تم اس درخت کا پھل کھاؤ تو میری بیوی پر طلاق۔ بات تھی ختم ہوگئی چلا گیا۔ کچھ مدت کے بعد بادشاہ کا انتقال ہوا۔ شہزادہ اس کا جانشین ہوا۔ پھر وہ اس طرف کو باغ میں سے گذرا۔ باغ والوں نے خاطر مدارات کی۔ باقی پہچانا نہیں کہ کون ہے، باغ والے نے اس کے سامنے پھل لاکر پیش کیا، بادشاہ نے پھل لیا اور کچھ لانے والے کو

دیا کہ تم بھی کھالو، اس نے لے تو لیا مگر کھایا نہیں۔ کوئی اور بچہ آیا اس کو دے دیا۔ اس نے پوچھا کہ تم نے کیوں نہیں کھایا؟ کہا کہ ایک نکتہ ہے اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس نے کہا کہ شہزادہ یہاں کو گذر رہا تھا، میں اس وقت اس درخت کا پودا لگا رہا تھا اس نے یہ بات کہی تھی اب احتمال ہے کہ اس نے بڑے ہو کر شادی کر لی ہو اور اس کو یاد بھی نہ ہو میں اس درخت کا پھل کھالوں، شرط کے موافق اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے، جب بادشاہ کو خبر نہ ہو۔ بیوی پر اس کی طلاق واقع ہو جائے تو بڑی خرابی کی بات ہے۔ جب بادشاہ کے گھر ہی میں بیوی غلط طریقہ پر ہو۔ ناجائز طریقہ پر تو آگے رعایا کا کیا حال ہوگا؟ سب میں فساد آئے گا۔ اب اس کو یاد آیا کہ ہاں یہ تو میرا ہی قصہ تھا شہزادہ نے کہا کہ تم تو بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ آؤ تم کو اپنا وزیر بنالوں۔ اس نے کہا کہ یہ تو مناسب نہیں۔ کیوں؟ اس واسطے کہ آپ مسلمان ہیں اور میں غیر مسلم ہوں۔ بادشاہ مسلمان غیر مسلم وزیر۔ نظام صحیح نہیں چلیگا۔ جو زنار گلے میں پہنے ہوئے تھا اس کو توڑ دیا۔ اور کلمہ طیبہ پڑھا۔ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا کہ میں مسلمان ہو گیا۔ اب بنالو وزیر۔ نظام جب ہی صحیح رہے گا جب کہ بادشاہ اور وزیر ایک خیال اور جذبہ کے ہوں اگر جذبہ اور خیال دونوں کا الگ الگ ہو گیا تو وہ نظام صحیح نہیں رہے گا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک غیر مسلم غیر تعلیم یافتہ جنگل میں رہنے والا، درخت اور پودے لگانے والا اتنا لحاظ کرتا ہے۔ آج ہم لوگوں سے اتنا لحاظ بھی نہیں ہوتا۔ کہ کسی قسم کی بات کی رعایت کر دیں۔ تو بادشاہ پردہ کے اندر ہے اندر سے احکام نافذ کر رہا ہے باہر والے اس کی تعمیل کر رہے ہیں۔ آنکھ کو اشارہ کرتا ہے۔ اندر سے حکم دیتا ہے فلاں طرف منہ کو اٹھاؤ۔ ادھر کو اچھی سی صورت جا رہی ہے اس کو دیکھو آنکھ اطاعت کرتی ہے اور فوراً دیکھتی ہے۔ زبان کو کہتا ہے کہ فلاں لفظ بولو، زبان اس کی اطاعت کرتی ہے، پیر سے کہتا ہے کہ

فلاں سمت چلو۔ پیر اس کی اطاعت کرتے ہیں، ہاتھ سے کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کرو، ہاتھ فوراً اس کرتا ہے۔ غرض تمام اعضا پر جو حکومت ہے وہ قلب کی حکومت ہے، قلب اندر سے حکومت کرتا ہے اعضا اسکی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر قلب کے اندر صلاحیت ہوگی تو ان اعضا کو وہ صحیح حکم کرے گا۔ اور یہ اعضا اسکی اطاعت کرینگے اور اگر قلب کے اندر صلاحیت نہیں بلکہ فساد بھرا ہوا ہے تو وہ غلط قسم کے احکام نافذ کریگا اور اعضا غلط کام کریں گے تو ظاہر بات ہے کہ کما تکونوا یولی علیکم۔ جیسے تم ہو ویسے تمہارے اوپر والی بنایا جائے گا۔ جیسے رعایا کا حال ہو گا ویسے ہی اس کے اوپر حاکم بھی ہوں گے، اور جیسا حاکم حکم کرے گا ویسی رعایا ہوگی۔ یہ تو حالت ہوتی ہے۔ بادشاہ کی نیت خراب ہوتی ہے تو تمام رعایا پر اس کے اثرات پڑتے ہیں۔ اسی میں (اخلاق محسنی میں) دوسرا قصہ بھی لکھا ہے کہ ایک بادشاہ ایک باغ میں پہونچا۔ باغ بڑا ہرا بھرا، پھلوں سے لدا ہوا، باغ والوں سے کہا کہ بھئی مجھے پیاس لگ رہی ہے مجھے پانی پلاؤ۔ تو باغ والا اٹھا اس نے ایک انار توڑا، اور اس کو نچوڑا جس سے دو کٹورے شربت کے بھر گئے، آدھے انار سے، بادشاہ نے پیا، اور اپنے جی میں سوچا کہ بھئی یہ تو باغ بڑا ہرا بھرا ہے۔ بہت شاندار ہے اس کو حکومت کے حق میں ضبط ہو جانا چاہیئے۔ حکومت کی ملکیت ہو جانا چاہیئے۔ یہ رعایا کی ملک میں کیوں ہے یہ سوچ کر چلدیا۔ پھر واپس آیا تو پھر کہا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ اس نے پھر انار توڑا، اس میں سے رس نکالتا ہے تو رس نہیں نکلتا ہے۔ دو انار میں سے آدھا کٹورا نکلا، اور اس نے بہت ہی افسوس کیا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس نے بہت پوچھا کیا بات ہے؟ کہا کہ جی بادشاہ وقت کی نیت خراب ہو گئی، برکت اٹھ گئی۔ پہلے آدھے انار سے دو کٹورے بھر گئے تھے، اب دو انار سے آدھا کٹورہ رس آیا۔ بادشاہ وقت کی نیت خراب ہو گئی، اس کو خیال آیا کہ یہ بڑے

افسوس کی بات ہے میری نیت کی وجہ سے باغ پر اتنا اثر پڑا اپنے جی ہی جی میں اس نے توبہ کی اور کہا کہ میں اس کو قبضہ میں نہیں کروں گا جس کے قبضہ میں ہے اسی کے قبضہ میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست کرلیا، اور کہا کہ بھئی مجھے تھوڑا سا انار کا رس اور پلا دو۔ اب کے جو اس نے توڑا۔ اور اس میں سے رس نکالا تو پھر اسی طرح سے آدھے انار میں دو کٹورے رس کے بھر گئے۔ کیا ہو گیا۔ کیا ہوا جی یہ؟ کہا کہ اجی بادشاہِ وقت کی اب نیت ٹھیک ہو گئی۔ ہم تو رات و دن اس کا تجربہ کرتے ہیں۔ بادشاہ کی نیت خراب ہو گئی تو اس کے اثرات تمام رعایا پہ پڑتے ہیں۔ تو قلب کی نیت بھی اگر خراب ہو گی تو رعایا پر اس کا اثر پڑے گا ہر چیز غلط کرے گی۔ اس واسطے حدیث پاک میں ہے کہ قلب میں صلاحیت آجائے۔ تو تمام جسم میں صلاحیت آجائے گی۔ اس کے اندر اگر خرابی آجائے تو تمام جسم میں خرابی آجائے گی۔ انسان غلط قسم کی غذا کھاتا ہے جس سے کہ خون پیدا ہوتا ہے اور قلب میں پہنچتا ہے قلب کو اس سے غذا پہنچتی ہے غلط قسم کے خون کی تو قلب کے اندر فساد پیدا ہوتا ہے۔ خرابی پیدا ہوتی ہے۔ ہر جگہ یہ خرابی ہی خرابی چلتی رہتی ہے۔ اس لئے قلب کی اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہاتھ پیر تو تابع ہیں قلب کے۔ قلب جدھر کو چلاتا ہے ادھر کو چلتے ہیں قلب کے اندر اگر صلاحیت ہو گی تو طاعات کا قربات کا حکم دے گا اعضاء قربتوں میں لگ جائیں گے۔ نماز کا حکم دے گا تو نماز پڑھے گا آکر۔ روزہ کے لئے کہے گا تو روزہ رکھیں گے حج کے لئے کہے گا حج کے لئے جائیں گے اور اگر قلب کے اندر خرابی ہے۔ تو بجائے نماز کی طرف جانے کے وہ کسی اور طرف چل دے گا۔ پیر تو اطاعت کریں گے، وہاں جائیں گے جہاں قلب کہہ رہا ہے۔ اس واسطے ساری خرابی پیدا ہو گی۔ اور احادیث میں آیا ہے کہ جنت کی نعمتوں کا یہ حال ہو گا

کہ آدمی کسی چیز کی جب خواہش کرے گا۔ دل کے اندر خواہش پیدا ہوئی فلاں چیز کی بس فلاں چیز حاضر ہو جائے گی۔ درخت کے اوپر پھل لگا ہوا ہے طبیعت میں خواہش پیدا ہوئی، فوراً درخت کی شاخ سامنے آجائے گی اس کو توڑ لو۔ قلب کے ارادے کے ماتحت ہوں گی وہاں کی نعمتیں۔ قرآن پاک میں ہے فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ اور وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ۔ جس چیز کو جی چاہے وہ حاضر۔ بات کیا ہے اس میں؟ بات یہ ہے کہ جنت کی جو نعمتیں ہیں وہ نعمتیں انسان کے اعمالِ صالحہ او راخلاق سے بنتی ہیں۔ جیسے اعمال اس دنیا میں کرتا ہے ویسی ہی نعمتیں اس کے لئے جنت میں تیار ہوتی ہیں اور یہاں کے جو اعمال ہیں وہ تابع ہیں قلب کی خواہش کے۔ قلب جس کام کی خواہش کرتا ہے ویسے اعمال انسان کے بدن سے صادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو اعمالِ صالحہ کئے تھے ان اعمال صالحہ کی جنت میں نعمتیں بنیں۔ وہاں بھی یہ ہوگا قلب خواہش کرے گا وہ نعمتیں جو دنیا کے اعمال سے بنی تھیں جیسا کے دنیا میں رہتے ہوئے اعضا اطاعت کرتے تھے قلب کی اسی طریقہ پر جنت میں پہنچکر جو نعمتیں اعمال سے بنی تھیں وہ اطاعت کریں گی انسان کے قلب کی۔ انسان کے قلب میں آیا فلاں چیز کھاؤ فوراً وہ نعمت آجائے گی۔ بیٹھے بیٹھے قلب میں خیال پیدا ہوا کہ ہاتھ کو یہاں لگانا چاہیئے۔ مچھر بیٹھا ہوا ہے اس کو اڑانا چاہیئے۔ ہاتھ نے اطاعت کر لی۔ اسی طریقہ پر نیک کام کرنے پر جو نعمتیں وہاں تیار ہوں گی وہ نعمتیں بھی اسی طرح پر انسان کے پاس آجائیں گی جب ارادہ کرے گا خواہش کرے گا حاضر ہو جائے گی۔ تو قلب کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔ جس طرح سے انسان اپنے ظاہری بدن کی اصلاح کرتا ہے۔ بعضے بعضے آدمی تو ہر روز غسل کرتے ہیں بعضے دوسرے تیسرے دن غسل کرتے ہیں بعضے ہفتہ وار غسل کرتے ہیں بعضے اور زیادہ آگے تک بات

بڑھا دیتے ہیں۔ بدن کو پاک صاف رکھنے کی کوشش کرتا ہے آدمی۔ چہرہ پر صابون ملتا ہے اور جو چیزیں اس کے حسن کو ظاہر کردینے والی ہیں وہ لگاتا ہے کپڑے بڑھیا پہنتا ہے کپڑے پر دھبہ آجائے وہ قابل برداشت نہیں ہوتا۔ تو جس طرح سے یہ چیزیں ہیں اسی طرح سے قلب کو بھی پاک وصاف کرنے کی ضرورت ہے تب جاکر صلاحیت پیدا ہوگی۔ جسطرح کپڑے میل کچیل سے گندے ہو جاتے ہیں نجاست غلاظت سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں اسی طرح قلب بھی گندگیوں سے گندہ اور ناپاک ہوجاتا ہے قلب کی گندگی برے اخلاق اور بری عادات سے ہوتی ہے قلب میں تکبر پیدا ہوجائے حسد پیدا ہوجائے۔ بخل پیدا ہوجائے۔ ریاکاری و شہرت پسندی پیدا ہوجائے ظلم و بے رحمی پیدا ہوجائے قلب ان سب چیزوں سے گندہ اور ناپاک ہوجاتا ہے۔

افریقہ میں ایک مجلس میں بیٹھے تھے ایک صاحب آئے جو علماء سے تعلق رکھتے ہیں ماشاءاللہ بہت بولتے ہیں تبلیغی جماعتیں جاتی ہیں تو ان کے پاسپورٹ، ویزا کیلئے بھی بڑی کوشش کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ مجلس میں بیٹھے بیٹھے انھوں نے کہا مفتی بابا! دیکھو میری داڑھی ہے یہ لوگ مجھے پریشان کرتے ہیں۔ ہے تو داڑھی۔ ذرا سی کم ہے۔ بس اتنی سی تو کم ہے۔ داڑھی انکی پوری ایک مشت نہیں تھی ایک مشت سے کچھ کم تھی۔ کہا کہ اتنی سی تو کم ہے۔ مجھے پریشان کرتے ہیں۔ اب بتاؤ میری داڑھی یہ ہے یا نہیں ہے؟ اسی مجلس میں تذکرہ آیا تھا چودہ لاکھ روپے کا میں نے کہا ایک بات بتائیے۔ چودہ لاکھ روپیہ جس کے پاس ہیں وہ مالدار ہے؟ کہنے لگے کہ ہاں ہے مالدار ہے، میں نے کہا کہ اگر کسی کے پاس چودہ ہزار ہوں؟ تو وہ بھی ایک قسم کا مالدار ہے، میں نے کہا کہ جس کے پاس صرف چودہ روپے ہوں کہنے لگے کہ ارے وہ کیا مالدار ہے؟ میں نے کہا روپیہ تو ہے اس کے پاس۔ مالدار کیوں نہیں، چودہ روپے مال نہیں ہے کیا۔ میں نے کہا کہ دیکھئے آپ ٹوپی

اوڑھے ہوئے ہیں۔ کتنی خوبصورت ٹوپی ہے اگر اتنی سی یہاں سے جل جائے تو اسے پھر پہنو گے۔ اتنی سی تو کم ہو گئی جل کر۔ باقی تو ٹھیک ہے۔ یہ پاجامہ ہے اتنا سا یہاں سے جل گیا چوہے نے کاٹ ڈالا۔ پھر پہنیں گے اسے۔ کہنے لگے کہ بابا! سمجھ گیا۔ سمجھ گیا۔ اب کہاں تک سمجھا دے گا۔

تو کہنا یہ ہے کہ اپنے بدن کو لباس کو مکان کو دکان کو آراستہ کرنے کی تو فکر رہتی ہے۔ ہر سال مکان کی دیکھ بھال کیجاتی ہے۔ دکان کی ہر روز صفائی کی جاتی ہے ملازم موجود ہیں گھروں میں فرش کو دھونے کے لئے صاف کرنے کیلئے کپڑوں کا انتظام کیا جاتا ہے صفائی کا۔ بستر کا صفائی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ہاتھ منہ کی صفائی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ قسم قسم کے صابون استعمال کئے جاتے ہیں قسم قسم کے تیل استعمال کئے جاتے ہیں لیکن قلب کی صفائی کا انتظام نہیں۔ اس کے اوپر محنت کی ضرورت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں سب سے زیادہ انتظام سب سے زیادہ اہتمام قلب کی صفائی کا تھا۔ قلب کی صفائی اصل چیز تھی اور چیزوں کی صفائی ہوئی ہو گئی نہ ہوئی نہ سہی۔ صحابۂ کرام کے حالات کو تلاش کیجئے یہی ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس مبارک کیا تھا؟ عامۃً ایک چادر اوڑھے ہوئے، ایک لنگی باندھے ہوئے۔ بس یہی لباس تھا۔ اور وہ جو حدیث میں آتا ہے رفع یدیہ حتی رؤی بیاض ابطیہ۔ آپؐ نے دست مبارک اٹھائے یہاں تک کہ آپ کی بغل کی سفیدی نظر آ گئی یہ سفیدی تو جب ہی نظر آئے گی کہ جب کرتا پہنے ہوئے نہوں۔ چادر اوڑھے ہوئے ہوں، اسی میں وقت گذار دیتے تھے تو جتنی صفائی لباس کی ہے، جتنی ستھرائی چہرے کی ہے چمڑے کی ہے اس سے زیادہ قلب کی صفائی کی ضرورت ہے۔ جس وقت میں فارس سے جنگ ہوئی ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فوج لے کر گئے ہیں وہاں اول ایک وفد گیا۔ بادشاہ کے

دربار میں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہم کس مقصد کے لئے آرہے ہیں اس میں صرف اتنی سی بات سنانی ہے۔ جو تلوار کا نیام تھا وہ ذرا بوسیدہ پرانا تھا، اس وفد کے جو امیر تھے۔ اس امیر کے تلوار کا نیام بوسیدہ پُرانا تھا تو جہاں اور گفتگو ہوئی وہاں اس کا بھی تذکرہ آیا۔ فارس والوں نے کہا کہ آپ کی تلوار کا نیام بہت پرانا ہے بوسیدہ ہے فرمایا کہ ہاں پُرانا ہے لیکن تلوار کی دھار بہت تیز ہے۔ بتلا دیا کہ اصل مقصود جو کچھ ہے وہ تلوار کی دھار ہے، کام اس سے لیا جاتا ہے وہ تیز ہے وہ اصل ہے اسکی نگرانی کی ضرورت ہے۔ نیام کا کیا تھا؟ پُرانا ہوا، بوسیدہ ہوا کیسے ہوا۔ اسی قسم کی اندر ایک چیز ہے، قلب ہے، اس کی صفائی وستھرائی کی ضرورت ہے۔ وہ ایک دم صاف ہو۔ اس کے اندر اللہ کا نور ہو، اللہ کی یاد مرکوز ہو، اللہ کی ذات پر اعتماد موجود ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنتوں کے اتباع کا داعیہ تو یہ اس کے اندر موجود ہو احکام کی اطاعت اس میں موجود ہو، چاہے کپڑے پرانے ہوں یا کچھ ہو جضرت امام شافعیؒ ایک دکان پر کو گذر رہے تھے۔ ساتھ میں ایک خادم غلام بھی تھے، وہاں ایک نائی کو دیکھا، اس کی دکان پر ارادہ کیا صفائی کرانے کا، اصلاح بنانے کا، نائی رئیسوں اور نوابوں کی حجامت بنانے کا عادی تھا۔ اس نے ان کے پرانے سے کپڑے دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ تو خود سائل معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کیا دیں گے؟ اس نے حجامت بنانے سے انکار کر دیا حضرت امام شافعیؒ سمجھ گئے۔ تاڑ گئے کہ کس وجہ سے انکار کیا ہے، غلام سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ ہے اس نے کہا کہ ہاں ہیں اشرفیاں ہیں دس ہیں، نائی کو دس اشرفیاں دیدیں اور اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے چلدیئے کہ میرے جسم پر کپڑے ہیں ایسے کپڑے ہیں کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے تو دو پیسے کے بھی کوئی نہ خریدے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر جان ایسی رکھی ہے۔ نفس اس کے اندر ایک ایسا رکھا ہے کہ بہت سوں کے مقابلہ میں تنہا یہ اپنی مثال ہے نظاہر۔

کہ ان کا مقصود تکبر کرنا نہیں تھا۔ بلکہ بتانا تھا کہ تمہاری نظر کپڑوں پر پڑتی ہے اور جو اصل چیز ہے اس سے تم غافل رہتے ہو اس لئے قلب کی صفائی کی ضرورت ہے اگر آدمی جبہ قبہ بہت اچھا بڑھیا پہن لے۔ لباس رعب دار ہو لیکن قلب کے اندر اس کے خرابی ہے۔ اخلاق اچھے نہ ہوں۔ خالی قلب کے اندر تکبر بھرا ہوا ہو تواضع نہ ہو۔ قلب کے اندر حسد بھرا ہوا ہو، ایثار و ہمدردی نہ ہو۔ قلب کے اندر بخل بھرا ہو۔ سخاوت نہ ہو، تو کیا وہ آدمی ہے؟ صفات تو اس کے اندر جانوروں کے بھر رہے ہیں، نام اس کا رکھدیا ہے آدمی، انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ تمام مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ شرف انسان کو عطا فرمایا ہے اپنی تخلیق کے اعتبار سے۔ پھر اس کے صفات و کمالات بھی اعلیٰ درجہ کی ہونا چاہئیں جو صفات جانوروں کے ہیں جو ناپسندیدہ ہیں غیر مسلموں کے صفات ہیں جو جانوروں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں ان کے صفات اس کے اندر ہیں۔ ان صفات کی وجہ سے اسکی شرافت کہاں ہے۔ یہ صفات تو جانوروں میں بھی ہیں۔ اسی واسطے اہل اللہ قلب کی صفائی کا انتظام کرتے ہیں جو ذکر کراتے ہیں۔ ذکر قلبی کراتے ہیں۔ وہ قلب کی صفائی کے لئے کراتے ہیں۔ دوسرے اذکار ہیں وہ بھی قلب کی صفائی کے لئے کراتے ہیں۔ قلب کے اندر انسان کے اللہ تعالیٰ کی تجلیات آتی ہیں ؂

دل گذرگاہ جلیل اکبر است

اس لئے خداوند تعالیٰ کی تجلی تو جب ہی آئے گی جب کہ اس قلب کو صاف کیا جائے۔ اگر کسی بادشاہ کو، کسی اونچی شخصیت کو آپ اپنے مکان پر دعوت دے دیں۔ بلائیں اور ایک طرف بھیڑ بندھ رہی ہیں۔ بکریاں بندھ رہی ہیں، ایک طرف کتے بندھ رہے ہیں، ایک طرف گانے کے بول براز ہوں۔

مکان کا یہ حال اور بلا رہے ہیں اتنے بڑے کو۔ بھئی اس کے بلانے سے پہلے مکان کی صفائی تو کرلی جائے۔ اس کے قابل مکان کو تو بنالیا جائے۔ اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ کی تجلیات کو قلب کے اندر لینے کے لئے قلب کی صفائی کی بھی تو ضرورت ہے۔ قلب کی صفائی کیجائے تو جاکر کچھ دن میں حق تعالیٰ کی نسبت عطا ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرماوے۔

******

حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور صفائے قلب

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بُنَیَّ ان قدرت ان تصبح
وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل ثم قال وذٰلک من سنتی ومن احب سُنّتی
فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم. رواہ الترمذی

یہ حضرت انسؓ کی روایت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تقریباً دس برس رہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت انکی عمر نو دس سال کی تھی۔ ان کی والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کریں۔۔ تقریباً دس سال تک خدمت میں رہے۔

بیان کرتے ہیں کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے باز پرس نہیں کی کہ فلانا کام کیوں کیا ہے؟ فلانا کام کیوں نہیں کیا؟ جس کام کے لئے آپ نے کہا فلاں کام کرنا اور میں نے نہیں کیا اس پر باز پرس نہیں کی کہ فلانا کام کیوں نہیں کیا؛ جس کام کو حضورؐ نے منع فرمایا اس کو میں نے کر لیا تو اسپر باز پرس نہیں کی۔ کیوں کیا۔ نہ اپجا گا نہ ستایا باز پرس نہیں کی ہمیشہ آپ نے شفقت سے کام لیا۔ فاعفوا واصفحوا۔ فاعفوا واصفحوا۔ معاف کرو اعراض کرو۔ درگذر کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے کام لیا کبھی ایسا ہوتا کہ حضورؐ نے مجھے کسی کام سے

بھیجتے میں کہتا کہ میں نہیں کرنے کا اور میرے جی میں ہوتا تھا کہ کروں گا۔

ان کی والدہ نے ان کے لئے درخواست کی کہ حضورؐ یہ آپ کے خادم ہیں ان کے لئے دعا کیجئے۔ حضورؐ نے دعا کی اولاد کی برکت کی اور مال کی برکت کی۔ دو برکتوں کی دعا کی۔ اللہ ان کے مال میں برکت دے ان کی اولاد میں برکت دے۔ مال کی برکت کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک باغ تھا اس باغ میں پھل دو دفعہ آتا تھا سال بھر میں۔ سب دنیا میں تو دستور یہ ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ پھل آتا ہے مگر ان کے باغ میں دو دفعہ پھل آتا تھا۔ ایک درخت ان میں ایسا تھا جس میں ایک ہی مرتبہ پھل آتا تھا۔ معلوم ہوا کہ کسی اور کا لگایا ہوا ہے انہوں نے اسے اکھاڑ کے دوبارہ لگا دیا تو اس میں بھی دو دفعہ پھل آنے لگا۔

اولاد کی برکت کا حال یہ کہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں بتلاتے ہیں کہ ایک سو بیس اولاد اپنی براہِ راست میں نے اپنے ہاتھ سے دفن کئے۔ اولاد سے اولاد پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے اور جس وقت یہ طواف کرتے تھے بیت اللہ شریف کا تو ان کی اولاد ساتھ ہوتی تھی مطاف بھر جاتا تھا۔ اتنی اولاد اللہ نے ان کو عطا فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شفقتیں فرمائی ہیں ان پر۔ ان ہی شفقتوں میں خصوصی یہ ایک نصیحت ہے۔ کیا ؟

ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل

اے بیٹے! بڑی شفقت کے ساتھ فرمایا۔ اے بیٹے اگر تو ایسا کر سکے کہ صبح کو یا شام کو تیرے دل میں کسی کی طرف کدورت نہ ہو تو کر گذر۔ سب کی طرف سے دل صاف رکھ، بڑی اعلیٰ درجہ کی نصیحت ہے حضورؐ کی نصیحتیں تو ساری اعلیٰ درجہ کی ہیں کوئی ہماری سمجھ میں آجاوے تو ہم بھی کہہ دیں کہ اعلیٰ درجہ کی نصیحت ہے۔ وہاں تو ساری اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ ساری کار آمد ہیں۔

کسی کیطرف سے دل میں کدورت رکھنا ،غیظ وغضب رکھنا ،کھوٹ رکھنا اس سے منع فرمایا کہ یہ نہیں ہونا چاہیئے ۔ آج ہمارا حال کچھ اور ہے۔ کوئی شخص سلام بھی کرلیتا ہے راستہ میں تو سمجھتے ہیں کہ ضرور اس کی کوئی غرض ہوگی جو اس نے سلام کیا ہے ویسے تھوڑی ہی سلام کرے ہے کوئی " سلام روستائی بے غرض نیست ۔" دیوبند میں بھی ایک ایسا ہی قصہ پیش آیا کہ وہاں کے شوریٰ کے ارکان میں سے ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کسی بات کیلئے اور یہ معذرت کی کہ شوریٰ کے اجلاس میں آنا ہوتا ہے۔ مگر وہاں اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ آپ سے ملاقات کرلوں ۔جی بہت چاہتا ہے ملاقات کرنے کو "

میں نے جواب میں لکھا کہ میں باوجود فرصت کے بھی آپ سے ملاقات نہیں کرتا ۔ فضا ایسی بن گئی کہ جو ماتحت ملازم مدرس کسی شوریٰ کے رکن سے ملتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ کوئی اپنی غرض لیکر آیا ہوگا ۔کہ میری ترقی کرادو ۔میرے واسطے یہ سہولتیں مہیا کردو ۔ایسی فضا بن چکی ہے میں نے کہا کہ مجھے فرصت بھی ہوتی ہے تو بھی میں آپ حضرات میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ راستہ کاٹ کر چلا جاتا ہوں کبھی آپ اس راستے میں مل جائیں گے تو میں اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلیتا ہوں اسی وجہ سے یہ کیفیت ہم لوگوں کی ہوگئی ہے ۔خود غرضی کی ملیں گے تو اپنی غرض سے ملیں گے بلا غرض کے نہیں ملیں گے ۔اور دل کے اندر کھوٹ رکھتے ہیں ۔اس لئے فرمایا کہ اگر تجھ سے ایسا ہوسکے صبح کرے اس حال میں کہ تیرے دل میں کسی کیطرف سے کھوٹ نہ ہو شام کرے اس حال میں کہ کسی طرف سے کھوٹ نہ ہو ۔ بڑی عجیب چیز ہے کر گذر اس کو ۔ پھر فرمایا کہ بیٹے یہ میری سنت ہے ۔ یہ فرمایا ۔ اور جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا ۔ اس دنیا میں حق تعالیٰ نے دس سال تک

خدمت میں رہنے کا موقعہ عنایت فرمایا۔ کتنی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں قربان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر۔ خدمت کی کسی شخص کو سعادت نصیب ہو جائے تو اس پر تو ساری نعمتیں قربان۔ دنیا میں تو یہ ہے آخرت میں بھی ہو جائے گا۔ آخرت کا قرب آخرت کی معیت نصیب ہو جائے، دین و دنیا دونوں بن گئیں۔

ایک اور صحابی ہیں وہ کہتے ہیں میں سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا انکی خدمت کیا کرتا تھا۔ پانی لاکر دیا۔ غالباً اخیر شب کا وقت تھا تہجد کے لئے پانی لاکر دیدیا وضو کرنے کے واسطے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ قسمت کھل گئی اسکی جس کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مانگ کیا مانگتا ہے انہوں نے کہا کہ میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں جنت میں۔ جنت میں آپ کی رفاقت مل جائے۔ آپ نے فرمایا اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ ارے کچھ اور اس کے سوا۔ کہا کہ نہ۔ میری خواہش تو یہی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بھی ترکیب بتادی فاعنی علیٰ نفسک بکثرۃ السجود، میری مدد کرنا، تم میرے ساتھ جنت میں رفاقت چاہتے ہو تو میری مدد کرنا اپنے نفس کے خلاف چاہے نفس نہ چاہتا ہو نفس برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو لیکن اپنے نفس کے خلاف میری مدد کرنا بکثرۃ السجود۔ سجدے کثرت سے کرنا، نماز کثرت سے پڑھنا یعنی جب نماز کثرت سے پڑھو گے تو بس تمہاری یہ مراد پوری ہو جائے گی اور میرے ساتھ جنت میں چلے جاؤ گے۔

گنگوہ میں حضرت گنگوہیؒ کے یہاں مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم۔ وہ تہجد کے وقت میں چائے پلایا کرتے تھے حضرت کو۔ اور بہت بڑھیا بناتے تھے چائے۔ کچھ داد بھی چاہتے تھے، کچھ داد دیں، چائے کی تعریف کر دیں۔ جی خوش ہو جاتا میرا کہ ہاں اس کی بنائی

ہوئی چائے مزیدار ہے۔

ایک روز حضرت سے پوچھا کہ چائے کیسی ؟ حضرت نے فرمایا کچے پانی کی بو ہے، انہوں نے کہا کہ اے اللہ کچا پانی کہاں سے آگیا چائے میں، پھر انہوں نے پیالیوں کو دھو کر تولیہ سے پونچھ کر آنچ کے سامنے کیا یہاں تک کہ ساری نمی اسکی آگ سے جل کر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد چائے جو انہوں نے بنا کر دی۔ پوچھا کہ حضرت آج کیسی چائے ہے ؟ فرمایا کہ آج نہیں کچے پانی کی بو۔ وہ جو پیالی دھلی نہیں اس کے اندر کچھ نمی باقی رہ گئی۔ وہ نمی تھی کچے پانی کی بو۔

ایک روز حضرت نے فرمایا بھئی مولوی حبیب الرحمٰن! سب لوگ اپنی اپنی باتیں کہتے ہیں۔ تم اپنی بات کبھی کیوں نہیں کہتے ؟ کسی چیز کی ضرورت ہو خواہش ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! بس ایک خواہش ہے دل میں۔ یہاں تو خدمت کا موقعہ مل جاتا ہے اللہ تعالیٰ وہاں بھی خدمت کا موقعہ نصیب فرما دے دوسرے عالم میں بھی۔ یہ خواہش ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ ضرور انشاء اللہ ضرور۔ تو جس شخص سے محبت ہو۔ یہ دنیا تو ایسی ہے کہ اس سے تو بہر حال جدائی ہو کر رہیگی دنیا کی ہر چیز سے جدائی ہو کر رہے گی۔ جس سے چاہو محبت کر لو اس سے تو چھوٹ ہونی ہی ہے۔ افتراق ہونا ہی ہے موت تو فراق کر ہی دے گی۔ بسا اوقات زندگی میں بھی فراق ہو جاتا ہے ورنہ تو موت تو فراق کر ہی دیگی۔ لیکن اگر آخرت میں رفاقت نصیب ہو جائے تو وہاں فراق کی کوئی صورت نہیں وہاں موت ہے ہی نہیں۔ موت کا قصہ ہی وہاں مٹا دیا گیا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو یہ نصیحت فرمائی۔ اور ایک بڑی گُر کی بات فرما دی ان ذلک من سنتی فمن احب سنتی فقد احبنی تو جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے ومن احبنی کان

مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہونے اور محبت بڑھانے کی بھی تدبیر بتادی حضورؐ کی سنت سے محبت کرنی چاہیئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو جس قدر بھی آدمی محبوب رکھے گا۔ اسی قدر حضور سے محبت زیادہ ہوگی۔ دونوں راستے ہیں۔ یہ راستہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو تو حضورؐ کی سنت سے بھی محبت ہوگی۔ یہ راستہ بھی ہے کہ حضورؐ کی سنت سے محبت کیجائے تو حضورؐ کی محبت نصیب ہوگی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نصیب ہوتی ہے سنت سے محبت کرنے سے۔ اور سنت کی اتباع نصیب ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے۔ تو دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہیں کبھی آدمی اِدھر سے چلتا ہے کبھی آدمی اُدھر سے چلتا ہے اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جب حضورؐ سے محبت ہے تو تلاش کرتا ہے کہ فلاں چیز میں حضورؐ کی سنت کیا ہے؟ فلاں چیز میں حضورؐ کی سنت کیا ہے۔ ان سنتوں کو تلاش کرکے ان سے محبت کرتا ہے۔ یہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا نوش فرمارہے ہیں پیالے میں شوربہ تھا کدو کا۔ کدو کے جو قتلے تھے وہ اندر تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگلی ڈال کر اس میں سے کدو کا قتلہ تلاش کرکے نوش فرمارہے تھے جان لیا تو بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب اسی روز سے مجھے بھی مرغوب ہوگیا معلوم ہوگیا کہ ہاں حضورؐ کی سنت یہ ہے حضورؐ کی مرغوب چیز یہ ہے بس اس سے محبت ہوگئی۔ لہٰذا کدو مرغوب ہوگیا ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان کھلا ہوا دیکھا۔ حضورؐ کی یہ ادا مجھے ایسی پسند آئی کہ پھر میں نے ساری عمر گریبان میں بٹن لگایا ہی نہیں کبھی کھلا ہی رکھا اس واسطے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی وہ تلاش کرکرکے حضورؐ کی سنتوں کو اختیار کریگا

اپنی پوری زندگی میں جاری ہو۔ بدلے گا وہ سوچیگا کہ میری زندگی کا کوئی بھی گوشہ سنت سے خالی نہ ہو ہر جگہ پر سنت ہی سنت ہو یہ ہے محبت کا تقاضہ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ خلیفہ ہوئے ان سے چند باتیں کہی گئیں بطور مشورہ کے ایک یہ کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالار نہ بنائیں انہوں نے صاف جواب دیا کہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سپہ سالار بنایا ہو میں تو اسے سپہ سالار رکھوں گا میں تو معزول نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ جیش اسامہؓ میں حضرت اسامہؓ کو سپہ سالار بنایا جائے کہا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود اخیر عمر میں جھنڈا بنا کر ان کے حوالہ کیا تھا سپہ سالار وہی رہیں گے۔ غرض ہر چیز میں یہی تھا کہ جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر لی ہے اس کو برقرار رکھنا ہے جس چیز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتناب کیا ہے اس سے بچنا ہے، یہ گہری علامت ہے سنت کی۔ یہی علامت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی۔ محبت حقیقت میں ایک قلبی چیز ہے زبان سے نعروں کی چیز نہیں۔ قلبی چیز ہے اس کا اثر انسان کی تمام زندگی میں سرایت کر جاتا ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے قلب میں محبت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو قلب پسند کرے گا۔ ایک دفعہ ایک شربت لایا گیا۔ شربت کیا ہے؟ دودھ میں شہد ڈال دیا گیا پینے کے لئے لایا گیا حضرت ابو بکرؓ نے یا حضرت عمرؓ نے دیکھا اور دیکھ کر رو پڑے کہ میں اسے حرام یا ناجائز تو نہیں کہتا باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں پیا ہے اس لئے میں نہیں پیتا چھوڑ دیا۔ اس کو نہیں نوش فرمایا۔ اس لئے جو چیزیں حضورؐ نے بطور عبادت فرمائی ہیں ان کے اتباع کا حکم قرآن پاک میں ہے۔ اور جو چیزیں بطور عادت فرمائی ہیں۔ تقاضائے محبت یہی ہے کہ ان کو بھی اختیار کیا جائے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت کے طور پر بطریق اباحت ان پر عمل فرمایا ہو۔

واجب کی حیثیت سے نہ اختیار کیا ہو۔ اوران کے ترک پر کوئی وعید نہو تو بھی محبت کا تقاضا تو یہی ہے کہ جو طریق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اسی طریقہ کو اختیار کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے متعلق ایک تو قرآن پاک میں ہے قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ: اللہ کے رسول کا اتباع کرو تو اللہ تم سے محبت کریں گے تم دعوی کرتے ہو کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے اس دعوی کی سچائی اور دعوی کی شہادت کے لئے کیا چیز چاہیئے؟ چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔ نتیجہ اسپر کیا مرتب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ چوں کہ اس زمانہ میں تین قسم کے آدمی تھے ۱۔ یہودی ۲۔ نصاریٰ ۳۔ مشرکین۔

یہودی کیا کہتے تھے قالت الیہود عزیر ابن اللہ۔ قالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ان سے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر کی پرستش کیوں کرتے ہو؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ اصل مقصود تو اللہ کی محبت اور اللہ کی اطاعت ہے اور یہ ذریعہ ہیں اللہ تک پہنچنے کا۔

تیسرا فرقہ مشرکین کا تھا وہ کہتے تھے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ ہم جو بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں براہ راست ان کو معبود نہیں کہتے۔ بلکہ یہ ذریعہ قرب ہیں۔ ان کے ذریعہ سے ہماری رسائی خدا تک ہو جائے گی۔

تو مقصود ان سب فرقوں کا یہ تھا کہ ہمیں اللہ ہی کی عبادت کرنی ہے اصالۃ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ ہمیں اللہ سے محبت ہے اس کا طریقہ قرآن پاک نے بتایا کہ جو طریقے ان لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ اللہ سے اگر محبت ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو فاتبعونی یحببکم اللہ اللہ تم سے محبت کرنے لگیں گے تمہیں محبوب بنالیں گے ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم: جو خطا قصور ہوا زندگی میں اللہ تعالیٰ اس کو

معاف فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہی یہ ہے کہ وہ غفور الرحیم ہے۔ ان میں ایک شخص نے کہا کہ جس طرح سے یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کو خدائی کے درجہ تک پہونچا دیا تو یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ چاہتے ہیں کہ مجھے بھی خدائی کے درجہ تک پہونچا دیا جائے۔ اس نے کہا کہ فاتبعونی میرا اتباع کرو۔ اس کی تطبیق کے لئے اگلا جملہ ارشاد فرمایا قل اطیعوا اللہ والرسول آپ کہیئے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت بحیثیت رسول ہے، ذاتی شخصیت کی وجہ سے نہیں اطاعت کیجا رہی ہے اللہ نے جو سب سے بڑا عہدہ عطا فرمایا وہ رسول کا ہے وہ عبدیت کا ہے۔ عہدہ کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیجا رہی ہے وہ تو اطاعت اللہ ہی کی ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے چونکہ رسول تو اپنی طرف سے کچھ کہتے نہیں وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ وہ تو جو کچھ کہتے ہیں بذریعہ وحی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہونچاتے ہیں۔ لہٰذا رسول کا پیغام اللہ ہی کا پیغام ہے تو اس شخص کی تردید کیلئے یہ آیت نازل ہوئی فان تولوا اگر پھر بھی پیٹھ پھیر وگے فان اللہ لا یحب الکفرین اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے وہ تو مؤمن سے محبت کرتے ہیں اور رسول کو تو بھیجا ہی جاتا ہے اس لئے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ رسول کے بھیجنے کا تو منشا ہی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کیجائے اللہ کے حکم سے۔ حضرت انس کی اس روایت میں سنت کی محبت اور سنت کی محبت کا مقتضی ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی طرف معلوم ہو گیا۔ ومن احب سنتی فقد احبنی جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ لہٰذا اپنی زندگی میں تلاش کر کے ایک ایک

سنت کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے اسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے ومن احبنی جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریگا کان معی فی الجنۃ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں ہوگا تو یہ نصیحت مخصوص نہیں ہے حضرت انس رضؓ کے ساتھ بلکہ تمام امت کے واسطے ہے جو بھی اس پر عمل کریں گے وہ اسی بشارت کے مستحق ہیں۔ لہٰذا کسی کی طرف سے دل کے اندر کھوٹ نہیں رکھنا۔ گر کی بات یہ ہے۔ دل صاف ہے اپنا تو انشاءاللہ کوئی ضرر نہیں پہونچا دے گا۔ اگر کوئی شخص کھوٹ رکھ کر بھی آئے گا شرارت کی نیت سے بھی آئے گا اور ادھر سے اپنا دل صاف ہے تو انشاءاللہ اسکی شرارت سے کوئی نقصان نہیں پہونچیگا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والے ہیں اور جو اپنی ہوشیاری اور اپنی چالاکی کے ذریعہ اپنی حفاظت کرتے ہیں تو بسا اوقات اس میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ حفاظت کرنے والا اللہ ہے اسی کے ذریعہ سے حفاظت ہو سکتی ہے اور کسی کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی ہے۔ ایک عارف نے کہا شعر

نیازارم ز خود ہرگز دلے را ؛ کہ ترسم در و جائے تو باشد

میں کسی بھی دل کو اپنی طرف سے نہیں ستاتا۔ دکھ نہیں پہونچاتا۔ بس مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو نہ اس کے دل میں ہو۔ وہ محبوب حقیقی کا سچا بندہ مخلص ہو۔ اور محبوب حقیقی کی یاد اسکے دل میں موجود ہو۔ اس کے قلب کا تعلق حق تعالیٰ کی ذاتِ عالی کے ساتھ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو۔ تو وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نسبت کرنیوالا ہو۔ میں کیسے ستاؤں ؛ اسکی دل آزاری کیسے کروں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا۔ دیکھو! یاد رکھو۔ یوں انگلی اٹھا کر کے آدمی بڑے سے بڑا عمل کرتا ہے لیکن کسی مسلمان کی دل آزاری کی وجہ سے اللہ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے۔ آدمی بڑے سے بڑا عمل کرتا ہے

لیکن کسی مسلمان کی دل آزاری کی وجہ سے اللہ کے یہاں بے رونق ہوجاتا ہے، یہ نہیں کہا کہ مردود ہوجاتا ہے قبول نہیں ہوگا یوں کہا کہ بے رونق ہوجاتا ہے لہٰذا ہمیشہ اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہماری طرف سے کسی کو اذیت نہ پہونچے، اس لئے حدیث شریف میں ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہٖ۔ پکّا مسلمان اور حقیقی مسلمان کہلانے کا مستحق وہ شخص ہے کہ جسکی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہونچے ان کیطرف سے دل صاف ہو وہ اگر دل میں کھوٹ رکھے تو وہ جانے۔ سہارنپور میں ایک شخص تھے حضرت مولانا سہارنپوری ؒ سے بیعت تھے وہ ایک وکیل صاحب کے پاس گئے ان سے کہا فلاں جگہ چلنا ہے وکیل صاحب جانا نہیں چاہتے تھے پھر انہوں نے کہا کہ نہیں بھائی چلنا ہے ان کے پاس کام ہے ان سے کہا کہ ان کے پاس کیوں جاتے ہو وہ آپ کے موافق نہیں مخالف ہے آپ کیطرف سے اچھے خیالات نہیں رکھتے۔ تو انہوں نے بڑا اچھا جواب دیا کہ وہ ہوں گے مخالف، مخالف ہونگے وہ، ہم تو مخالف نہیں، ہم کو تو دین کے کام کی خاطر ان کے پاس جانا ہے، اگر توفیق ان کی مساعدت کرے گی تو وہ دین کا کام کردیں گے، نہیں ہوگی تو نہیں کریں گے چلے آئیں گے۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ یہ لفظ کہا انہوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ؒ کے پاس ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ میری سفارش کردیجئے بادشاہ وقت کے پاس آپ نے سفارش کردی۔ بہت مختصر جملہ ارشاد فرمایا اگر تم نے ان کا یہ کام کردیا فالمعطی ھو اللہ وانت المشکور۔ اور اگر تم نے ان کا یہ کام نہیں کیا فالمانع ھو اللہ وانت المعذور۔ بس۔ اگر مقصود پورا ہوگیا، حقیقت میں مقصود پورا کرنے والا اللہ ہے تم مستحق شکریہ ہوجاؤ گے، اگر مقصد پورا نہ ہوا تو

حقیقت میں مقصود کو روکنے والا اللہ ہے تب تم معذور ہو، تقدیر کے لکھے ہوئے کو تو نہیں بدل سکتے ہو۔ تو قلب کو اپنے صاف رکھنا چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ فلانے نے ہماری بات مان لی، ہمارا کام کر دیا تو اس سے جی خوش ہو گیا۔ نہیں تو منہ چڑھائے ہوئے ہیں اسکی طرف سے، اس واسطے زیادہ تر جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ دل کے کھوٹ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ دلوں کو صاف رکھئے۔ اور قرآن نے کہہ دیا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ دونوں بھائیوں کے درمیان کہیں نا اتفاقی ہو جائے رنجش ہو جائے تو صلح کرا دی جائے۔ صلح کرا کے ختم کرا دیا جائے قصہ کو۔ اور جہاں اپنے دل میں کھوٹ رہتا ہے دوسرے کی طرف سے وہ کھوٹ فقط دل ہی کو سیاہ نہیں کرتا ہے بلکہ ساتھ ساتھ زبان کو بھی خراب کرتا ہے۔ جب نظر پڑتی ہے تو اسکو غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بات نہیں کرتا ہے ترکِ سلام و کلام کرتا ہے غیبتیں کرتا ہے۔ دوسروں کو اس کے خلاف ابھارتا ہے بھڑکاتا ہے، عداوتوں پر آمادہ ہوتا ہے، یہ سب دل کے کھوٹ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اگر دل صاف ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اور دنیا میں کوئی فتنہ نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہو جائے۔ حضور کی سنت سے محبت ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب ہو۔ اور جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما دے۔ آمین

******

حقیقتِ بدعت

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ امابعد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہوئے، ان کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی سونے کی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ دستِ مبارک میں لے کر انگوٹھی نکال کر پھینک دی۔ اور اس کو جہنم کا زیور قرار دیا۔ روایت میں آتا ہے کہ پھر حضورؐ تشریف لیگئے۔ وہ انگوٹھی وہیں پڑی رہی۔ کسی نے کہا انگوٹھی والے سے کہ بھئی اس کو اٹھالو تمہارے کام آئیگی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ نے اس کو پھینک دیا میں نہیں اٹھا سکتا۔ یہ محبت کا اصلاح کا چھوٹا سا اثر ہے کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکدیا اس کو اٹھانے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گری ہوئی چیز ہے آقا نامدار نے اس کو پھینکدیا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ کوئی غلط بات دیکھے تو نہایت شفقت و نرمی کے ساتھ اس غلطی کی اصلاح کر دے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نہیں فرمایا کہ انگوٹھی کو نکالدو بلکہ خود ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے کر نکال کر پھینک دی مَنۡ رَأٰی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ جب تغیر بالید اپنے ہاتھ سے کیجا سکتی ہے تو زبان کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا کیا چیزیں ہمارے اندر ایسی بھری

ہوئی ہیں کہ جن کو حضورؐ پھینک چکے۔

حدیث میں آتا ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ جو شخص ہمارے دین میں کوئی چیز ایسی ایجاد کرے جو دین کی نہیں ہے تو وہ مردود ہے قابل قبول نہیں پھینک دینے کے قابل ہے۔

دین میں کیا کیا چیزیں بھری ہوئی ہیں؟ بہت بھری ہوئی ہیں۔

بدعت کسے کہتے ہیں؟

جو چیز دین نہ ہو اسے دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے بہت مختصر سے لفظ میں لہٰذا جو معترضین اپنے اعتراض میں کہتے ہیں کہ ریل میں بیٹھنا بھی بدعت ہوگا، اور ہوائی جہاز میں بیٹھنا بھی بدعت ہوگا۔ چونکہ حضورؐ کے زمانہ میں یہ چیزیں نہیں تھیں ان چیزوں کو کون شخص دین سمجھ کر اختیار کر رہا ہے یہ تو ضرورت پوری کرنے کیلئے چیزیں ہیں۔ یہاں تو بدعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ سجدے نماز پڑھنے کیلئے ہیں (یہاں تو دستور نہیں) ہمارے اطراف میں لوٹے ہوتے ہیں مسجد میں مٹی کے، کنواں ہوتا ہے ڈول رسی کنویں سے پانی بھرتے ہیں اس سے وضو کرتے ہیں اور بسا اوقات گرمی کے زمانہ میں پانی کا گھڑا بھی مسجد میں رکھدیتے ہیں اور بسا اوقات گرمی کے زمانہ میں پانی پیتے ہیں اسی میں سے نالی بنی رہتی ہے وضو کرنے کیلئے۔ اب اگر کوئی شخص پانی کا گھڑا یہاں لاکر رکھ دے مصلے پر امام صاحب کیا کہیں گے اس کو؟ ہے تو مسجد ہی کے متعلقات میں سے۔ امام صاحب کو بھی پینے کی ضرورت پیش آتی ہے اوروں کو بھی ضرورت ہوتی ہے مگر اسکے رکھنے کی جگہ وہ نہیں ہے وہاں سے اس کو ہٹائیں گے جہاں اس کے رکھنے کی جگہ ہے وہاں اس کو رکھیں گے۔ اس گھڑے کی جگہ مصلی نہیں ہے گھڑے کی جگہ کچھ اور ہے۔ کوئی لوٹا وضو کا مصلی پر لاکر رکھ دے امام صاحب کے

اس کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ وہاں سے ہٹاکر دوسری جگہ رکھا جاتا ہے لوٹے رکھنے کی جگہ یہ نہیں ہے لوٹے رکھنے کی جگہ کنویں کے قریب نالی کے قریب ہے وہاں رکھئے۔ اور اگر مسجد میں بکری چلی آئے۔ فوراً بھگائیں گے اس کو۔ ایسا نہ ہو کہ مینگنی کردے اور اگر کہیں کتا آگیا تو بس پھر بُرا حال اس کا۔ اسکی یہ جگہ نہیں۔ نہ تو کتے کو قتل کیا جاتا ہے نہ بکری کو قتل کیا جاتا ہے مگر ان کی جگہ یہ نہیں تو بے موقع چیز برداشت نہیں کیجاتی۔ دنیا کے اعتبار سے سر میں کپڑوں میں جوں پیدا ہو جائے اس کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ چونکہ وہ خون چوستی ہیں چارپائی میں کھٹمل پیدا ہو جائے تو ان کو برداشت نہیں کیا جاتا چونکہ وہ انسان کے بدن کا خون چوستے ہیں۔ چارپائی کو دھوپ میں ڈالدیا جاتا ہے لکڑی سے پیٹا جاتا ہے کھٹمل نکالنے کے واسطے۔ پھر بھی نہیں نکلتے تو تالاب میں ڈالدیا جاتا ہے چارپائی کو کئی کئی روز تک وہیں پڑی رہتی ہے پانی میں۔

دین کے اندر جو غلط چیزیں ہیں جن کو دین نہیں قرار دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیزیں جو دین کے اندر گھسی ہوئی ہیں یہ دین کو چوس رہی ہیں۔ دین بمنزلہ ایک جسم انسان کے ہے جو چیز اس کے خون کو چوس رہی ہیں ان سے کیوں نہیں ان کو صاف کیا جاتا ہے؟ مچھر ذرا سا لڑ جاتا ہے تو وہ قابل برداشت نہیں ہوتا اس کے لئے مچھردانی لگاتے ہیں دوائیں استعمال کرتے ہیں بدن پر لگاتے ہیں چھڑکتے ہیں مچھروں کو بھگانے اور مارنے کے لئے۔ حالانکہ ذرا سا خون پیتا ہے مچھر تو زیادہ خون نہیں پیتا ہے لیکن نہیں۔ برداشت نہیں کرتے، دین کے اندر جو بے دینی کی چیزیں بھری ہیں ان کو کیوں برداشت کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ ہر چیز میں دیکھتے تھے کہ یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمائی یا نہیں۔ پسند فرمائی تو بہت اچھا۔ نہیں پسند فرمائی تو اس سے

کوئی تعلق نہیں۔ چھوڑ دیا اس کو۔ حتیٰ کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ انکی ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی۔ لیکن وہ ضرورت پیش آئی۔ ضرورت کے تحت ان کو اختیار کیا گیا تو اس میں بعض حضرات کو اشکال ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے خلافت کے زمانے میں پہلا جہاد مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں ہوا۔

اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوگئے قرا کی بڑی جماعت شہید ہوگئی۔ اس زمانے کے قاری صاحبان حافظ صاحبان جہاد بھی کیا کرتے تھے۔ اب تو تقسیم ہوگئی بات۔ پڑھنے والے حافظ، قاری، علما حضرات یہ ایک دوسری لائن پر چلتے ہیں اور جہاد کرنے والے دوسری قسم کے لوگ ہوتے ہیں تو وہاں بڑی جماعت شہید ہوگئی۔ حضرت عمر رضؓ نے آکر حضرت ابو بکر رضؓ سے کہا کہ دیکھو! قرا کی اتنی بڑی جماعت شہید ہوگئی جہاد میں۔ ایک دو جہاد اور ایسا ہی ہو جائے تو بہت سارے شہید ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کہیں ایک جگہ پر لکھا ہوا نہیں۔ اس کو ایک جگہ پر جمع کرا لیجئے لکھوا لیجئے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے سے جو سب سے پہلی چیز حضرت ابو بکر رضؓ نے کہی وہ یہی کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا اس کو میں کیوں کروں؟ بس یہ چیز تھی بنیادی۔ کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا اسے میں کیوں کروں؟ حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا کہ اس زمانہ میں ضرورت نہیں تھی کسی آیت میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو اس آیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا جائے۔ لیکن آج حضورؐ ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ کسی آیت میں شبہ پیدا ہو جائے۔ ذہن سے

نکل جائے۔ جس کے پاس لکھی ہوئی ہے وہاں سے وہ ختم ہو جائے تو آخر کیا کریں گے؟ حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ کو بھی شرح صدر ہو گیا۔ جس چیز کیلئے حضرت عمرؓ کا شرح صدر تھا۔ ایک اور صحابی کو بلایا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھوایا کرتے تھے جب آیت نازل ہوتی تو ان صحابی کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اس کو فلاں جگہ پر رکھو، فلاں سورۃ کے اندر لکھو اس کو۔ فلاں آیت کے پہلے فلاں آیت کے بعد۔ وہ لکھا کرتے تھے ان کو بلایا گیا اور بلا کر ان سے کہا کہ بھئی! قرآن پاک لوگوں کے پاس لکھا ہوا ہے لیکن سب یکجائی نہیں۔ کوئی سورۃ کسی کے پاس ہے کوئی آیت کسی کے پاس ہے تم سب کو ایک جگہ پر جمع کر دو۔ تو انہوں نے بھی یہی پوچھا کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا وہ تم لوگ کرنے کیلئے کیوں بیٹھے ہو حالاں کہ قرآن پاک کو جمع کر دینا سراسر خیر ہی خیر تھا۔ اس کے اندر کوئی شر کا پہلو نہیں تھا مگر سوال سب سے پہلے تو یہی ہے کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا وہ تم کیوں کر رہے ہو؟ ان کو بتایا سمجھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ضرورت نہیں تھی اب ضرورت ہے۔ تب ان کی سمجھ میں آگیا۔ پھر انہوں نے اس خدمت کو انجام دیا تو کہنا یہ ہے کہ صحابہ کرام نے ہر کام میں یہی دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا یا نہیں۔ جو چیزیں قرآن کریم سے حدیث شریف سے ثابت ہیں ان چیزوں کو صحابہ کرامؓ کرتے تھے اور جو چیزیں نہ قرآن کریم میں مذکور نہ حدیث شریف میں مذکور۔ اس کے کرنے پر ان کو تأمل ہوتا تھا کہ کیسے کریں اس کو؟ آیا کرنا چاہیئے اس کو یا نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر کسی جگہ سے سراغ نکل آئے۔ استدلال واستنباط کا اس کے سامنے تو وہ کام کر لیا کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے بتلاتا ہے، عمل کرتا ہے۔ جو کام نہ حضورؐ نے کیا نہ صحابہ کرامؓ نے کیا اور اس

کو دین سمجھتا ہے وہ تو یقیناً بدعت ہوگی۔ وہ تو مردود ہے۔ مثلاً ایک شخص قبر کو سجدہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دین ہے تو اصولی اور بنیادی طور پر اس سے سوال کیا جائے گا۔ کہ بھئی! اگر یہ دین ہے تو قرآن پاک میں تو ہوگا نا؟۔ اس لئے کہ قرآن پاک نے اعلان کیا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم

آج تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا۔

جب یہ دین کی بات ہے تو قرآن میں تو ہوگی کیونکہ قرآن تو کامل ہے۔ اگر قرآن میں نہیں ہے تو پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا الیوم اکملت لکم دینکم۔ یہ کیسے صحیح ہوگا؟ جب آج ایک چیز دین کی دین کے نام پر تم پیش کر رہے ہو۔ اور وہ قرآن میں نہیں ہے تو بغیر اس کے پھر دین مکمل کیسے ہوا اللہ تعالیٰ نے اعلان کیسے فرمایا۔ اور

اور اگر قرآن میں نہیں تو حدیث میں تو ہوگا۔ حدیث بھی ایک قسم کی وحی ہی ہے، وحی خفی سہی۔ اگر حدیث میں ہے تو کہاں ہے؟ حدیث لاؤ دکھلاؤ کہاں حدیث میں ہے؟ اگر حدیث میں نہیں ہے تو وہ دین کیسے؟۔ جو چیز نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے اس کو دین کیسے قرار دیا جا سکتا ہے دین تو نہیں ہوگا۔ اور اگر قرآن پاک کی کسی آیت سے صحابہ کرامؓ نے سمجھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو بتایا۔ اس سے صحابہ کرامؓ نے یہ مسئلہ نکالا کہ قبر کو سجدہ کرنا درست ہے؟ تو وہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کیا ہے کہاں سے استدلال کیا استنباط کیا ہے۔ قرآن میں نازل ہوا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا اعتراض ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپالیا قرآن پاک کو؟ حالانکہ حضورؐ تو قرآن پاک کی اشاعت کرنے کیلئے آئے

ہے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ
اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کی تبلیغ نہیں کی، نعوذ باللہ من ذالک، تو فریضہ
رسالت کو پورا نہیں فرمایا حضورؐ نے ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا مگر صحابہ
کرام رضؓ نے نہ اس پر عمل کیا۔ نہ اسپر عمل کو چالو کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد
فرمایا الا فلیبلغ الشاھد الغائب جن لوگوں نے مجھ سے دین کو سنا ہے۔
اس کی تبلیغ کریں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین سپرد فرمایا ایسے لوگوں کے
جنہوں نے دین کو پہونچایا نہیں پورا بلکہ چھپالیا۔ استغفر اللہ۔ صحابۂ کرام سے
اگر اعتماد ختم ہوجائے تو صحیح دین کے پہونچنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ دین تو
صحابۂ کرامؓ ہی کے ذریعہ سے پہونچا ہے۔ جس طبقہ نے صحابۂ کرام پر اعتماد نہیں کیا
وہ دین سے اور قرآن سے محروم ہے نہ اس کے پاس دین ہے نہ قرآن ہے کچھ نہیں۔
اگر صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں میں یہ چیز نہیں ملتی تو دیکھئے ائمۂ مجتہدین امام ابوحنیفہ رحؒ
امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ نے کہیں سے استنباط کیا ان کے فقہ
میں موجود ہے؟ ان میں بھی نہیں تو پھر بتائیے یہ دین کیسا ہے؟ تو جو شخص
مثلاً یوں کہتا ہے قبر کو سجدہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ دین ہے وہ یا تو
قرآن پاک پر اعتراض کرتا ہے کہ قرآن پاک میں اس کا دین ہونا بیان نہیں
کیا گیا۔ لہٰذا جو قرآن پاک میں کہا ہے الیوم اکملت لکم دینکم۔ یہ دین نامکمل
ہے اور آج دین کامل ہوا کہ جو میں نے آج اس میں ایک شئی کا اضافہ کیا ہے یا
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتا ہے کہ اللہ نے تو نازل کیا تھا حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے چھپالیا۔ جو فریضۂ تبلیغ رسالت کے خلاف ہے ۔ یا پھر صحابۂ کرام رضؓ پر
اعتراض کرتا ہے کہ حضورؐ نے تو بتایا تھا لیکن نہ صحابہؓ نے اس پر عمل کیا نہ آگے کو
امت میں چالو کیا اس کو۔ یا پھر ائمۂ مجتہدین پر اعتراض کرتا ہے کہ وہ حضرات تو

نہیں سمجھے تھے دین کو آج چودہ سو سال بعد میں سمجھا ہوں دین کو اور اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے تو پھر براہِ راست وہ منصب رسالت پر حملہ کرتا ہے کہ جس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بتایا کرتے تھے کہ فلاں چیز دین ہے وحی خفی آپ پر نازل ہوئی۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ فلاں چیز دین ہے اللہ کو خوش کرنے والی اسی طرح مجھے بھی یہ حق پہونچتا ہے کہ میں بھی کہوں فلاں چیز دین ہے یہ منصب رسالت پر حملہ کرنا ہے۔ اس لئے خطرناک چیز ہے بدعت۔ اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنت سے دنیا میں بھیجا گیا شیطان کو بھی نکالدیا گیا۔ قصہ سب جانتے ہیں۔ مشہور و معروف ہے تو شیطان نے کہا کہ اے خدائے! آدمؑ کی وجہ سے مجھے جنت سے نکالا جا رہا ہے لہٰذا مجھے زندگی طویل دے تاکہ میں آدمؑ کی اولاد کو بہکاؤں اور دوزخ میں داخل کراؤں انظرنی الی یوم یبعثون جس دن قبروں سے لوگ اٹھیں گے اس روز تک کیلئے مجھے زندگی دے اور چالاکی اس میں یہ تھی کہ جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب مر جائیں گے اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائیگا جس سے کہ مردہ زندہ ہوں گے کہ مجھ کو موت نہیں آئے گی۔ موت سے بچ جائیں گے۔ وہاں تو جواب ملا انک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم وقت معلوم تک کے لئے تجھے زندگی دی گئی ہے۔ "وقتِ معلوم کیا ہے" وہ پہلا صور، موت تجھے بھی آئے گی بچنے کی کوئی صورت نہیں موت سے۔ اس واسطے وقتِ معلوم تک اس کو مہلت دی گئی۔ اس نے کہا کہ مجھے قابو دے انسان پر، اولاد آدمؑ پر۔ کہا کہ اچھی بات ہے تجھے قابو دیدیا گیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم۔ جس طریقہ سے خون انسان کی رگوں میں سرایت کرتا ہے اس طریقہ پر شیطان انسان کے رگوں میں سرایت کرتا ہے اتنا قابو

دے دیا گیا کہا کہ اچھا مجھے اس میں کچھ ترقی دے تو وہاں سے جواب ملا کہ اچھی بات ہے
جب آدمؑ کے کوئی بچہ پیدا ہوگا تو تیرا بھی بچہ پیدا ہوگا تیرے بچہ کو اس کے بچہ پر
قدرت دے دی گئی ہے قابو دے دیا گیا۔ بہت خوش ہوا۔ آدمؑ نے عرض کیا کہ
یا اللہ اس شیطان کو میرے اوپر مسلط کر دیا مجھے بھی تو بچنے کی کوئی صورت بتا؟
کہا کہ اچھا تمہارے لئے یہ ہے کہ ایک نیکی کروگے تو دس گنا ثواب، اگر خطا ہوجاوے
گی یا تو اتنا ہی بدلہ یا معاف، اس نے کہا کہ مجھے بھی ترقی دے کہا کہ اچھا جب تمہارے
بچہ پیدا ہوگا شیطان کے بھی بچہ پیدا ہوگا۔ اس کے بچہ کو تمہارے بچہ پر تسلط دیا
گیا ہے تو ملائکہ ہم مقرر کردیں گے تمہارے بچہ کی حفاظت کے واسطے چنانچہ روایات
میں آتا ہے کہ جس طرح برسات کے زمانہ میں شہد کا پیالہ کسی کے سامنے رکھا ہو
اور وہ بار بار حرکت کرتا رہے یعنی مکھیوں کو بھگاتا رہے تو خیر ورنہ تو مکھی اور مچھر
آآ کر اس پر جمع ہوجاویں۔ چھتہ کا چھتہ آبیٹھے۔ اس طریقہ پر شیاطین وجنات
انسان کے درپے ہیں اور ملائکہ ہٹاتے رہتے ہیں ان کو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا
اچھا مجھے بھی اور ترقی دو۔ اور ترقی دی گئی کہ مرنے سے پہلے جتنے توبہ کرلو
سارے گناہ معاف۔ اب شیطان چیختا چلاتا ہے کہ دیکھئے صاحب! اتنی محنت
کروں گا آدمی پر اس کو غلط راستے پر لگاؤں گا۔ گناہ کراؤں گا۔ مرتے وقت توبہ
کریگا اس کے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ میری تو محنت بیکار ہوگئی۔
اللہ تعالیٰ سے شیطان نے کہا کہ دیکھ میں بھی انسان کو بہکاؤں گا۔ لاقعدن
لهم صراطك المستقيم ثم لآتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم
وعن ايمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اكثرهم شاكرين۔
میں سیدھے راستہ پر بیٹھ جاؤں گا۔ پھر آگے سے پیچھے سے داہنے سے
بائیں سے بہکاؤں گا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ اچھا تو گناہ کرائے گا؟ ہم توبہ کی

توفیق دیں گے۔ اس نے کہا اچھی بات ہے۔ میں بدعات میں مبتلا کراؤں گا۔ توبہ تو گناہوں سے کرتے ہیں بدعات کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس کو دین سمجھ کر کرتے ہیں اس سے توبہ کرنیکے کیا معنیٰ؟ اسی واسطے سخت سے سخت گناہ اتنا سنگین نہیں جتنی سنگین بدعت ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے آدمی سخت سے سخت گناہ کرے چاہے اس کے اوپر حد لازم ہوتی ہو۔ چاہے تعزیر لازم ہوتی ہو۔ لیکن گناہ تو سمجھتا ہے اسکو طبیعت میں ندامت تو پیدا ہوتی ہے کسی وقت توبہ کی توفیق تو ہوسکتی ہے لیکن جس چیز کو ثواب سمجھ کر کر رہا ہے نیکی سمجھ کر کر رہا ہے اس سے تو توبہ کی کوئی صورت نہیں بنتی۔ اسی لئے اکابر نے بہت بچایا ہے کوشش یہ کی ہے کہ کوئی شخص بھی بدعت کے پاس نہ جائے، بس۔ بہت خطرناک چیز ہے وجہ اسکی بھی ہے کہ بدعت کو نیکی سمجھ کر دین سمجھ کر، ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔ لہٰذا وہاں توبہ کی کوئی صورت نہیں تو کہاں سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ توبہ تو گناہ سے ہوتی ہے۔ نیکیوں سے تو توبہ ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے حدیث میں ہے کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔ انجام اسکا جہنم ہے کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس چیز کو اللہ نے آسمان سے نازل فرمایا ہے، قرآن پاک کے تیس پاروں میں وہ چیز نازل ہوئی۔ ۲۳ سال کی مدت میں جو چیز نازل ہوئی اور بڑے اہتمام کے ساتھ کہ ملائکہ کی جماعتوں کی جماعتیں بعضے بعضے دفعہ وحی کے ساتھ میں آئی ہیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ، تو اتنی بڑی جماعت ملائکہ کی نازل ہوئی کہ تمام افق کو بھر دیا۔ شیاطین پاس کہیں نہ آسکیں۔ اور ۲۳ سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ عمل فرمایا۔ احادیث بیان فرمائیں۔ ان کو محدثین نے جمع کیا۔ ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے ناقابلِ التفات سمجھتے ہوئے آدمی اپنے نفس سے ایجاد کرتا ہے کسی چیز کو دین بنا کر۔ کیوں بھئی دین قرآن میں کچھ

کم ہے ؟ احادیث میں کچھ کم ہے ؟ جو تم کو دین بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اتنی بڑی ہدایت کی کتاب اس سے تو منہ پھیر لے، اور شیطان نے بتایا کہ فلاں چیز کر۔ یہ دین ہے۔ اس کی بات مانی۔ خدا کو چھوڑ کر شیطان کی بات ماننا۔ رسول کو چھوڑ کر ابلیس کی بات ماننا، حالاں کہ شیطان کھلا ہوا دشمن ہے۔ ان الشیطٰن للانسان عدو مبین اللہ تعالیٰ خیر کی طرف بلاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیر کیطرف بلاتے ہیں اسکی طرف سے روگردانی کر کے شیطان کی بات ماننا یہ نہایت خسارہ کی بات ہے بڑی ناقدری کی بات ہے، ناشکری کی بات ہے قرآن کی ناشکری حدیث کی ناشکری، اللہ کی ناشکری۔ رسول کی ناشکری، ان سب کی ناشکری کی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے، ان میں جو جو چیزیں بدعت کی بھری ہوئی ہیں ایک ایک کو نکال کر پھینک دینے کی ضرورت ہے نکھرا ہوا، کھلا ہوا، خالص دین جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو بتلایا اس دین کو لینے کی ضرورت ہے، یہ جو پچھلی امتیں تھیں یہود و نصاریٰ، ان کے دین میں کیا ہوا؟ یہی تھا کہ جو چیز دین تھی اس چیز کو تو دین سے نکالدیا۔ اور جو چیز دین نہیں تھی اس کو دین میں داخل کر دیا۔ ساری شریعت ان کی منسوخ ہو کر رہ گئی مسخ ہو کر رہ گئی۔ کتابوں میں تحریف ہوگئی آج ان کا یہاں تک پتہ چلانا دشوار ہوگیا کہ کونسی چیز اللہ نے نازل کی تھی کونسی چیز انہوں نے اپنے طور پر داخل کر دی۔ اس چیز سے بچانے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختی کے ساتھ بدعت کو رد کیا ہے۔ ایک صحابی گئے ہیں باہر وہاں سے واپس آئے، آکر عرض کیا کہ حضرت! ہم نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے چودھری کو اپنے حاکم کو سجدہ کرتے ہیں۔ حضورؐ آپ زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضورؐ نے فرمایا، ہوں۔ اگر میرا انتقال ہو جائے تو کیا میری قبر کو سجدہ کروگے؟ کہا کہ نہیں۔

فرمایا۔ بس سجدہ تو کسی اور کے سامنے کرنے کا حق ہی نہیں۔ وہ تو صرف اللہ کیلئے ہے سجدہ۔ اگر کسی اور کے لئے سجدہ کی گنجائش ہوتی تو شوہروں کے لئے سجدہ کی گنجائش ہوتی۔ بیوی کو امر کیا جاتا کہ تم اپنے شوہروں کو سجدہ کرو۔ مگر سجدہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے اس لئے جس طرح سے سجدہ کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں نہیں، حدیث میں نہیں، کیا قرآن کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم غلط ہے، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فرمایا تھا یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کیا حضور نے اس کے خلاف کیا؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو چھپایا، صحابہ کرامؓ کو نہیں دیا، کیا صحابہ کرامؓ نے الا فلیبلغ الشاھد الغائب کے خلاف کیا؟ بس ہر چیز کے متعلق یہ سوال کرنے کا حق ہے کہ بتادو کہاں سے ہے، کس جگہ سے آئی ہے اس چیز کو دین کس طرح بنادیا گیا جو چیز دین نہیں ہے تو دین کیسے بن جاتی ہے؟ ایک شخص کا ایک مکان ہے اس کی دیوار پر ایک پیپل کا پودا اگ آیا۔ کیا بویا تھا وہاں؟ بویا نہیں، چڑیا گئی اس نے پیپل کا پھل کھایا تھا، برگد کا پھل کھایا تھا اس کا بیج اس کے پیٹ میں تھا، وہ آکر دیوار میں بیٹھی۔ اور اس نے بیٹ کی اس میں کوئی بیج نکلا وہ بیج وہاں جم گیا، پودا اگ گیا، اس کو بویا نہیں گیا، یہ بدعات صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوئی نہیں۔ بلکہ یہ اسی طریقہ پر آئی ہیں باہر سے آئیں اور مخلوط ہو گئیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجددین کو پیدا فرماتے ہیں محدثین کو پیدا فرماتے ہیں، کہ بدعات کو نکال نکال کر تلاش کرنے دین کو خالص کرکے پیش کریں۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ ایسے فرقوں کو جو قرآن وحدیث سے ثابت نہیں لیکن اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ان کو فرق نامیہ کہتے ہیں یہ اُگ آئے ہیں

بوئے نہیں گئے تھے، بغیر بوئے ہوئے اُگ آئے ہیں ان کی کانٹ چھانٹ کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل علم حضرات کو یہ منصب سپرد فرمایا۔ کہ وہ ہمیشہ اس کی دیکھ بھال رکھیں کہ کوئی چیز غلط قسم کی دین میں نہ آجائے۔ جو آئی ہوا س کو نکالدیا جائے محو کر دیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

*****

مراتبِ علم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

سفیان ثوریؒ ایک محدث ہیں امام صاحب کے معاصر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ
اول العلم الاستماع ثم الانصات ثم الحفظ ثم العمل ثم النشر
علم کے پانچ درجہ ہیں۔ سب سے پہلا درجہ استماع کا ہے، سننا، یہ علم علم نبوت ہے
اس کا مسموع ہونا ضروری ہے۔ استماع لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
فاستمع لما یوحیٰ۔ استماع کرو۔ قرآن پاک میں حکم ہے اذا قرئ القرآن
فاستمعوا لہ۔ سنو۔ اللہ تعالیٰ کیطرف سے فرشتے نے آکر حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کو سنایا۔ اور حضورؐ کے سننے کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ہر چیز سے علیحدہ ہو کر
سنتے تھے۔ یہ نہیں کہ باتیں بھی کر رہے اور سن بھی رہے بلکہ خاص کیفیت پیدا
ہوتی تھی کہ اس عالم کے ساتھ ربودگی ہے اور دوسرے عالم کے ساتھ اتصال ہے
تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا بواسطۂ ملائکہ۔ اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو سنایا۔ یتلوا علیھم ایاتہ صحابۂ کرامؓ پر حضور
صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے ہیں واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا
جب ان کے اوپر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو قوت
پہونچتی ہے۔ تو استماع لازم۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ

نے استماع کیا۔ اور صحابہؓ سے تابعینؒ نے استماع کیا۔ اور تابعین سے تبعِ
تابعین نے کیا۔ برابر استماع چلا آرہا ہے۔ اسواسطے استماع لازم ہے۔
کوئی شخص اگر اپنی عبارت و عربیت پر اور قوتِ مطالعہ کے زعم میں یہ چاہے
کہ میں حدیث شریف کو خود حل کرلوں گا مجھے تو عربی آتی ہے اس کا یہ خیال
خیالِ خام ہے۔ سودا ہے جنون ہے کوئی اگر اسطرح سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ
حدیث کی اہمیت سے اور اسکی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہے۔ اگر عربی کچھ پڑھ لی
یا عرب علاقہ میں کچھ رہ لئے۔ کچھ ٹوٹی، پھوٹی بول چال آگئی یا فرض کیجئے کہ کچھ
مقالے لکھ لئے۔ فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ اس سے وہ سمجھے کہ میں حدیث
کو بھی سمجھ لوں گا اور حل کرلوں گا تو یہ غلط خیال ہے۔ یہاں تو استماع ضروری ہے
اساتذہ سے پڑھنا ضروری ہے۔ کیا بات تھی کہ محدثین ایک ایک بات کو
متعدد اساتذہ سے حاصل کرتے تھے کبھی ان صاحب کے پاس جارہے ہیں
کبھی ان کے پاس جارہے ہیں۔ حافظ حسن بن مندع کے حالات میں لکھا ہے
چالیس برس وہ سفر میں رہے علم حدیث کو حاصل کرنے کے لئے۔ جس شہر میں
جاتے۔ تحقیق کرتے کہ یہاں کون کون محدث ہیں؟ ایک محدث کے پاس گئے
جتنی حدیثیں ان کے پاس تھیں۔ ساری ان سے حاصل کیں اور لکھیں۔ دوسرے
کے پاس گئے اور ان سے حاصل کیں۔ اور ان میں وہ حدیثیں بھی تھیں جو پہلے
محدث سے سن چکے تھے مگر اسپر قطعاً قناعت نہ کی بلکہ کہا انہوں نے
کہ مجھے اسکی ضرورت نہیں مجھے اور چاہیئے جو نہ سنی ہوں۔ چنانچہ چالیس
صندوق انہوں نے اپنے قلم سے لکھے ہوئے حدیث کے ذخیرے میں چھوڑے
کتنی محنت کی ان حضرات نے، صرف لغت دانی پر موقوف نہیں سمجھا کہ شخص
عربی لغت سے واقف ہو وہ شخص حدیث کو سمجھ جائے۔ نہ وہ قرآن کو سمجھ

سکتا ہے نہ حدیث کو سمجھ سکتا ہے جب تک استاذ سے نہیں پڑھے گا۔ استاذ اور شاگردی اس کے واسطے لازم ہے۔ کتنی روایات ایسی ہیں جن کو کوئی شخص محض اپنی قابلیت سے حل کرنا چاہے تو حل نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " وہ آدمی بہت اچھا ہے جس کا کاروبار زیادہ پھیلا ہوا نہ ہو۔ جان پہچان لوگوں سے کم ہو، مرجائے تو اس کے اوپر رونے والے بھی کم ہوں، گمنامی کی وہ زندگی گذارے ثم نقد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روپیہ پرکھا۔ نقد کے معنی روپیہ پرکھنا۔ وہاں تو روپیہ پرکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔ روپیہ کا تعلق وہاں کیا اب آدمی غور کرے گا۔ جھک مارے گا اس سے حل نہیں ہونے کا کہ روپیہ پرکھنے کا کیا مطلب ہے ؟ اس کا کوئی جوڑ ہی نہیں روپیہ پرکھنے سے پہلے زمانہ میں جب روپیہ چاندی کا ہوا کرتا تھا تو اس طرح سے (حضرت اپنی انگلی مبارک سے اشارہ فرما کر سمجھا رہے ہیں) روپیہ کھڑکے سے ٹکی لگایا کرتے تھے یہ ہوتا تھا طریقہ روپیہ پرکھنے کا۔ اس کی آواز سے پتہ چلتا تھا کہ روپیہ چاندی کا کھرا ہے کہ کھوٹا ہے اور سب جانتے تھے۔ اب چاندی کا روپیہ ختم ہوگیا روپیہ پرکھنے کا تصور ہی نہ رہا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا ہے وہ آدمی جس کا کاروبار پھیلا ہوا نہ ہو گمنامی کی زندگی گذارے۔ تعلقات زیادہ نہ رکھے پھر چلدیا یعنی دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس کے انتقال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے بیان فرمایا ہے کہ دنیا سے چلا گیا۔ تو راوی نے وہ ہیئت بیان کی جس ہیئت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی وہاں روپیہ پرکھنا نہیں ہے نہ پرکھنے کی کوئی چیز ہے۔ جو روپیہ پرکھنے کی ہیئت ہوتی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہیئت بیان فرمائی حدیث بیان کرتے ہوئے کہ وہ چلا گیا یا رخصت ہوگیا دنیا سے۔

ایک اور حدیث میں ہے مسئلہ بتایا وعقد ثلثین اور تیس کی گنتی گنی ۳۰ کی گنتی کا وہاں کوئی سوال نہیں۔ جوڑ نہیں۔ ۳۰ کی گنتی کیا ہے۔ دس بیس۔ تیس۔ یہ تیس ہے۔ راوی ہیئت بیان کر رہا ہے۔ بعض دفعہ بات کرتے وقت ہاتھ اٹھانے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ کبھی انگلی سے اشارہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مختلف چیزوں سے۔

مسئلہ یہ ہے (یہاں بھی حضرت ہاتھ اوپر کو اٹھا کر نیچے کر کے اشارہ فرما کر سمجھا رہے ہیں) اس طرح سے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ ہے تیس کی گنتی۔ جو مسئلہ بیان فرمایا اس کو اپنی انگلی سے سبابہ اور ابہام کا اشارہ کیا ہے۔ اس طرح کیا غرض یہ کہ آدمی بغیر استاد کے استماع کے خود بخود حدیث کو حل کر لے یہ نہیں ہو سکتا۔ اب دیکھئے نماز کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ تقریباً ۳۰ مقامات پر صلوٰۃ وزکوٰۃ کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے اور نماز جیسی اہم چیز اللہ تعالیٰ نے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ وہاں بلا کر فرض کی۔ ایسے نہیں کہ فوراً احکام بھیج دیئے۔ بلکہ وہاں بلا کر فرض کیا اور کتنا اس کے اندر قصہ پیش آیا۔ کہ پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب واپسی ہو رہی تھی تو موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ جا کر نمازیں کم کرائیے۔ بہت زیادہ ہیں۔ بنی اسرائیل پر بڑی محنت کی وہ نہیں پڑھ سکے۔ غرض بار بار جانا ہوا۔ پھر بھی پانچ رہ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھانیوالے۔ اللہ تعالیٰ بتانیوالے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے برابر دوسرا ہو سکتا ہے نہ حضورؐ کے برابر دوسرا ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود اس نماز کی ہیئت ترکیبیہ جو تھی وہ بتانے کیلئے دو روز تک جبرئیلؑ کو بھیجا وہ دنیا میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھ کر دکھلائی کہ اس طرح سے پڑھی جائے۔ اگر محض الفاظ سے حل ہو جایا کرتا معاملہ تو بہت سہل تھا قصہ۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

دو روز تک نماز پڑھ کر حضرت جبرئیلؑ نے دکھائی پانچوں وقت کی۔ اور صحابہ کرامؓ عامۃً عربی تھے ان کی زبان عربی تھی مادری زبان ہے۔ کوئی مشکل نہیں تھی ان کے لئے۔ قرآن پاک میں نماز کی شرائط کا بھی ذکر ہے مثلاً استقبالِ قبلہ شرائط میں سے ہے فولّ وجھک شطر المسجد الحرام۔ مثلاً کپڑوں کا پاک ہونا نماز کی شرائط میں سے ہے۔ فرمایا و ثیابک فطھر۔ مثلاً اعضاء وضو کا پاک ہونا ضروری ہے فرمایا گیا قرآن پاک میں ہے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الی آخرہ۔ اور نماز کے جو ارکان و فرائض ہیں وہ بھی قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ نماز شروع کیجاتی ہے تکبیر تحریمہ سے قرآن میں ہے وربک فکبر وہاں قیام کا ذکر ہے وقوموا للہ قانتین وہاں قرات کا ذکر فاقرأوا ما تیسر من القرآن وہاں رکوع وسجود کا ذکر ہے وارکعوا فاسجدوا ساری چیزیں موجود ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کرام کو یہ نہیں فرمایا صلوا کما نزل فی القرآن نماز اس طرح پڑھو جس طرح قرآن میں نازل ہوئی۔ بلکہ فرمایا صلوا کما رأیتمونی اصلی جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح سے نماز پڑھو۔

تو صرف قرآن شریف کو سامنے رکھ کر کے اس سے وہ حل کرنا چاہے نماز پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتے۔ اس لئے استاذ کی ضرورت ہے تو پہلی چیز امام سفیان ثوری رح فرماتے ہیں استماع۔ سماع کا ہونا ضروری ہے۔ اب استماع نہ ہو محض لکھا ہوا ہو تو اس میں بہت خربط ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا بغیر استاذ کے۔ اس

زمانہ میں کچھ نقطے دینے کا رواج اہتمام سے نہیں تھا۔ پڑھتے ہیں الم ذلک الکتاب لا زیت فیہ بجائے لاریب فیہ پڑھنے کے لا زیت فیہ پڑھتے ہیں۔ وجعل السقایۃ فی رحل اخیہ رحل کی جگہ پر رجل پڑھتے ہیں فی رجل اخیہ۔ اللہ تبارک تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو جنہوں نے قرآن پاک میں نقطے لگا دیئے۔

حدیث میں بھی یہ دشواری پیش آتی ہے اسی لئے ایک جگہ پر کچھ لوگ جمع تھے احادیث لکھ رہے تھے۔ ایک صاحب نے آکر کہا۔ او بنوامیہ، اوامیہ کے لونڈو کس طرح سے لکھتے ہو تم؟ ایک راوی ہے اَسِید۔ ایک راوی ہے اُسَید ایک راوی ہے اُسَیِّد۔ املا ان تینوں کا ایک طرح سے ہے مگر تلفظ الگ الگ ہے، کتاب سے جب نقل کریں گے پڑھیں گے تو اشتباہ ہوگا، تمیز کرنی دشوار ہے

محدثین میں ایک محدث ابن لہیعہ ہیں ترمذی کے راوی ہیں ان کے استاذ نے ان کو کتاب دیدی احادیث بیان کرنے کیلئے۔ استاذ سے ان روایات کو سننے کی نوبت نہیں آئی۔ صرف کتاب میں دیکھ کر وہ روایت نقل کرتے ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم فی مسجدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت کی اپنی مسجد میں۔ سامع کہتا ہے فی مسجد بیتہ؟ اپنے گھر کی مسجد میں فرمایا لا بل فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں احتجام کیا۔ احتجام کے کیا معنی؟ پچھنے لگانا۔ اب اس کے اوپر مسائل چلیں گے، پچھنا لگے گا تو خون نکلیگا مسجد میں خون کا نکالنا کیسا ہے؟ حالانکہ وہ احتجم نہیں احتجر ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجر فی مسجدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوریہ پھاڑ کر حجرہ کی ہیئت بنائی تھی نماز کے لئے۔ اس احتجر کو احتجم پڑھا۔ اسی طریقہ پر۔ یزید بن ہارون محدث ہیں۔ حدیث بیان کرتے ہیں

حدثنی بہ عدۃ مجھ سے متعدد حضرات نے اس حدیث کو بیان کیا۔ راوی سننے والا سمجھتا ہے کہ "عدۃ" کسی راوی کا نام ہے۔ پوچھتا ہے "عدۃ ابن من ؟ انکی ولدیت کیا ہے، کس کے بیٹے ہیں ؟ روایت بیان کرتے ہیں ایک راوی حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن جبریل عن اللہ عن رجل روایت بیان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل ؑ سے، جبرئیل ؑ نے روایت بیان کی اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ نے بیان کی ایک رجل سے، بھئی یہ رجل کون ہیں ؟ جو اللہ میاں کے بھی شیخ ہیں ؟ عن رجل نہیں وہ عزّ وجلّ تھا۔ عن اللہ عزّ وجل۔ عزّ کو عن پڑھا اور واؤ کو را پڑھا، جلّ کو جل پڑھ دیا۔ اس لئے اس قسم کی غلطی کثرت سے ہوتی ہے جب استماع نہ ہو۔ جب استماع ہوگا تو راوی پوچھیگا استاذ سے یہ کون ہیں کسی نام پر اشتباہ ہوگا اُسے پوچھیگا، نام میں کچھ فرق ہوگا تو اسکی تمیز و تعیین کرائے گا۔ اس لئے پہلی چیز استماع ہے۔ اسی واسطے سند کی بڑی اہمیت ہے محدثین کے یہاں۔ اسی واسطے محدثین کہتے ہیں ان ھذا العلم لدین، انظر عمن تاخذون دینکم یہ علم دین ہے دیکھ لو کیسے شخص سے دین حاصل کر رہے ہو، کہاں لوگوں نے کہنا شروع کر دیا۔ انظر الیٰ ما قال، لا تنظر الیٰ من قال۔ جو کچھ کہا اس کو دیکھو، جس نے کہا اس کو مت دیکھو۔

*****

تفسیر سورۂ ناس

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ط الیٰ آخرہ

قرآن پاک کی سب سے آخر کی سورت ہے ،حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
جس وقت ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ، وہاں یہودیوں نے آپ پر جادو کیا،
یہ لوگ یہودی بڑے سخت دشمن اور مخالف تھے اپنی کتابوں کے ذریعہ سے وہ
جانتے تھے کہ نبی آخرالزماں پیدا ہوں گے مگر اس کیلئے وہ تیار نہیں تھے
کہ وہ بنی اسمٰعیل میں سے ہوں ۔اس واسطے سخت مخالف تھے طرح طرح کی
ترکیبیں کرتے تھے ۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں ملک شام میں تھا مغرب کے
بعد ایک شخص نے بلند آواز سے کہا هٰذَا كَوكَبُ محمدٍ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
ستارہ آسمان پر طلوع ہوا ، آ گئے پیدا ہوں گے ۔ یہاں تک جانتے تھے حضور
کی پیدائش کو ، اور ایکمرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضورؐ کو گود میں لئے ہوئے
شیر خوارگی کے زمانہ میں جارہی تھی ۔ ایک جگہ ایک یہودی بیٹھا تھا اس کے مریدین
اور چیلے بھی وہاں موجود تھے یہ بھی آکر بیٹھ گئی دیکھنے کے لئے ،کیا ہورہا ہے یہاں ؟
اس بچے نے دیکھا حضور کی آنکھوں کیطرف ۔ پوچھا اسکی آنکھیں دکھ رہی ہیں آشوب ہے،
یا آنکھیں ایسی ہی رہتی ہیں اس نے جواب دیا کہ نہیں آنکھوں میں سرخی ہے سرخی
ہمیشہ رہتی ہے یہ آشوب کیوجہ سے نہیں ، کہا ہے کسی نے ؏

پُرحیا و سرمگیں آنکھوں میں ڈورے سُرخ ہیں

آپ کی آنکھیں پرحیا تھیں سرمگیں تھی ، اکحل العینین تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سرمہ
لگائے ہوئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سُرمہ لگا رکھے ہیں ۔ یہ سب کچھ حالات تھے اس نے
ایسا جھپٹا مارا جیسے بلی جھپٹا مارتی ہے لیکن حضورؐ کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی بچ گئے
لے آئی حضورؐ کو ، اسوقت سے اس نے پہچان لیا تھا کہ یہ ہیں ۔

ایک دفعہ دو یہودی جارہے حضرت عمرؓ کو دیکھا دیکھ کر کہنے لگے یہ شخص ہے
جو ہمیں جزیرۂ عرب سے نکالیگا آئے ان کے پاس ۔ آپ سے کام ہے ۔ کیا ؟

کہا کہ جب بادشاہ ہوں گے یہاں کی حکومت ہوگی آپ کی تو ہمیں ایک پروانہ لکھ دیجئے کہ ہم یہاں سے شہر بدر نہیں کریں گے وہ ہنسنے لگے کہ میں کیا اور میری بادشاہت کہاں؟ اونٹ چرانے والا آدمی۔ کہا کہ نہیں یہ لکھ دیجئے۔ اس زمانہ میں چارسوبیس دفعہ ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ جانتے ہی نہیں تھے کہ کیا ہو چارسوبیس، لکھ دیجئے آپ۔ پھر اللہ نے یہ کیا کہ نبی آخرالزماں کا ظہور ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر پوری فرما کر چلے گئے۔ ابوبکر رض خلیفہ ہوئے ان کے بعد عمر رض خلیفہ ہوئے حضورؐ نے فرمایا تھا اخرجوا الیھود من جزیرة العرب ؛ تو حضرت عمرؓ نے وہ معاوضہ نکالا۔ اس وقت وہ شخص وہ پرچہ لے کر آئے کہ دیکھے آپ کا لکھا ہوا پرچہ ہے یہ خط ہے یہاں تک جانتے تھے۔

ایک یہودی اپنی کتاب کے ذریعہ جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوں گے مدینہ طیبہ ہجرت کرکے آئیں گے۔ مسجد نبوی کے قریب ایک مکان تھا اس کو معلوم ہوا کہ اس جگہ پر حضورؐ ٹھیریں گے آکر۔ اس نے اس مکان کو خریدا اور ٹھیرا کر سب سے پہلے میں حضور کو اپنا مہمان بناؤں گا مگر اس کے مقدر میں نہیں تھا وہ مکان حضرت ابوایوب انصاری رض کے پاس آگیا اور اب تو وہ بھی ختم ہوگیا آس پاس سے مسجد نبوی کے مکانات، عمارتیں سب گرا کر مسجد کی توسیع کی جارہی ہے خیر مقصود یہ ہے کہ یہودی لوگ خوب جانتے تھے پہچانتے تھے اسی لئے قرآن پاک میں آیا الذین آتینٰھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم ایسا پہچانتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ تو یہود کا منشا تھا کہ حضورؐ کا سلسلۂ نسب ختم ہوجائے، آگے کو اولاد نہ چلے اس لئے جادو کیا۔ اور وہ جادو کا اثر آپ پر یہ ہوا کہ کسی زوجۂ مطہرہ کے پاس جانے کا ارادہ فرماتے۔ پھر خیال فرماتے کہ میں تو ہو آیا، فارغ ہوگیا میں تو حالاں کہ نہیں گئے نہیں فارغ ہوئے۔ جو امور وحی سے متعلق تھے

ان میں کسی قسم کا خلل نہیں آیا۔ سحر کا اثر صرف اتنا ہوا جس کو اردو میں کہتے ہیں "مرد کو باندھنا"، وہ باندھ دیا گیا۔ اس وقت میں یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔ قل اعوذ برب الفلق ؛ اور قل اعوذ برب النّاس اس سحر کو اتارنے کیلئے، حدیثوں میں اس کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گئے اس کنویں پر جہاں پتھر کے نیچے سحر تھا۔ فرمایا قل اعوذ برب النّاس آپ کہئے کہ میں پناہ مانگتا ہوں رب النّاس سے ملک النّاس جو ناس کا ملک ہے الٰہ النّاس جو ناس کا الٰہ ہے۔ کس چیز سے پناہ مانگے ؟ من شر الوسواس الخناس خناس کے شر سے اور وسواس کے شر سے وہ کیا ہیں ؟ الذی یوسوس فی صدور النّاس جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہو من الجنة والناس جنات میں سے ہو انسان میں سے ہو

اس سورت میں کئی جگہ ناس کا لفظ آگیا۔ جو لوگ کثرتِ تکرار کو خلاف فصاحت و بلاغت کہتے ہیں انہوں نے اعتراض کیا اس پر۔ اعتراض کہاں تک کریں گے۔ قرآن پاک میں سورة ہے سورة الرحمٰن اس میں فبای آلاء ربکما تکذبٰن اکتیس جگہ آیا ہے الرحمٰن یہ الف اور لام سے شروع ہے الف کا عدد ایک اور لام کے عدد تیس ایک اور تیس ۳۱ یہیں سے پتہ چل گیا ہے کہ اکتیس جگہ آیا ہے۔ الرحمٰن علّم القرآن مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمة اللہ علیہ نے جب قرآن پاک کا ترجمہ کیا اور حاشیہ لکھا ہے تو اس میں نعمتوں کی قسمیں بتا کر یوں بتایا کہ یہ کتنی قسم کی نعمتیں ہیں اصولی طور پر۔ انہی اقسام کے مطابق یہ فبای آلاء ربکما تکذبٰن فرمایا گیا ہے۔

خیر۔ یہاں اتنا سوچئے کہ انسان تین قسم کے ہیں یا انسان کی تین حالتیں ہیں ۱۔ ایک حالت بالکل بچپن کی ہے۔ اس میں کوئی تمیز نہیں۔ حلال و حرام کی تمیز نہیں پاکی اور ناپاکی کی تمیز نہیں۔ بچہ بستر پر لیٹا ہوا ہے وہ کیا جانے پیشاب کیا چیز ہے، پاخانہ کیا چیز ہے ؟ وہیں اس نے کر دیا۔ بدن کو بھی لگ گیا کپڑوں کو بھی لگ گیا۔ اس کو کچھ پتہ نہیں، یہ ابتدائی حالت ہے بچہ کی۔ جب ذرا بڑا ہو جاتا ہے سمجھنے لگتا ہے

پہچاننے لگتا ہے کہ کیا کیا چیزیں ہیں کس چیز سے بچنا چاہیئے کس چیز سے نہیں بچنا چاہیئے اور بچپن کے زمانے میں حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اسوقت میں اپنی ماں کو جانتا ہے جو ماں اس کو پالتی ہے گود میں لے کر دودھ پلاتی ہے اس کو پہچانتا ہے کوئی چیز تکلیف کی ہوگی تو ماں کو پکارے گا پیاس لگے گی تو ماں سے مانگے گا۔ بھوک لگیگی تو ماں سے کہیگا کپڑے بدلنا ہو تو ماں سے کہیگا۔ استنجے کی ضرورت ہوگی تو ماں سے کہیگا وہ جانتا ہے سمجھتا ہے کہ میرے سارے کام میری ماں کرتی ہے ماں ہے پالنے والی اس کے بعد جب بچہ جوان ہوجاتا ہے سمجھتا ہے کہ ماں کے اندر تو کچھ بھی طاقت نہیں ماں کو تو میں گود میں بٹھا کر ادھر سے اُدھر کردوں۔ ایک لڑکے سے میں نے پوچھا کہ تم لوگ اپنی ماں کو تو پریشان نہیں کرتے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ پریشان تو نہیں کرتے۔ بس چولھے پر بیٹھی کھانا پکا رہی ہیں۔ جب ان کو غصہ آتا ہے تو اول فول بکنا شروع کرتی ہیں ہم ان کو اٹھا کر گود میں لیکر چارپائی میں رکھ دیتے ہیں کہ بس آپ یہیں تشریف رکھیں اور کچھ نہیں۔ دیکھ لیا کہ ماں کی طاقت اتنی ہے۔ وہ ماں جس سے ساری ضروریات وابستہ تھیں بغیر ان کے واسطے کے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ ایک وقت بچہ پر ایسا بھی آیا کہ کسی چیز میں بھی ماں کی حاجت نہیں۔ ماں کو سب سے بہت ضعیف اور کمزور پایا۔ اور پھر طاقت کے نشہ میں آکر نہ وہ ماں کو سمجھتا ہے نہ بھائی کو سمجھتا ہے نہ باپ کو سمجھتا ہے ہمارے یہاں دو بھائی دونوں جوان۔ بڑے بھائی میں طاقت کم چھوٹے بھائی میں طاقت زیادہ۔ کسی غلطی پر بڑے بھائی ناراض ہوگئے چھوٹے بھائی پر۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ بھائی جان معاف کردیجئے غلطی ہوگئی۔ مگر وہ بہت غصہ میں بھرے ہیں۔ آخر کار چھوٹے بھائی نے اٹھا کر پکڑ کر نیچے ڈالدیا بڑے بھائی کو اور سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اب تو معاف کردیجئے۔ (حضرت نے بہت ہی عجیب انداز سے یہ خط کشیدہ جملہ فرمایا جس سے سبھی ہنس رہے ہیں) وہ زمانہ ایسی طاقت کے نشہ کا ہوتا ہے کہ اس طاقت کے نشہ میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتا البتہ حکومت سے ڈرتا ہے تھانہ میں رپٹ لکھی گئی۔ تھانے دار صاحب گرفتار کرکے لیجائیں گے وہاں لیجا کر جیل میں

پٹائی کریں گے۔ ڈرتا ہے تو حکومت سے ڈرتا ہے بادشاہ وقت کا خوف ہوتا ہے
اس کے دل میں اور کسی کا نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ میرا رہنا یہاں ان ہی کے مرہونِ
منّت ہے جب چاہے مجھے یہاں سے نکالدے، کہیں اور بھیجدے، میرے مکان
کو ضبط کرلے، نیلام کردے غرض طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا سکتا ہے۔ اور زیادہ
بڑا ہوتا ہے، عقل زیادہ پختہ ہو جاتی ہے بوڑھاپے میں تو پھر دیکھتا ہے کہ اُفوہ
بہت سی چیزیں تو ایسی ہیں کہ نہ جن کو ماں کرسکتی ہے نہ تھانہ دار صاحب
کرسکتا ہے نہ بادشاہ کرسکتا ہے کچھ نہیں کرسکتا۔ بلکہ مالک الملک کرسکتا ہے۔
وہاں پہونچ کر اس کی عقل ٹھکانہ آتی ہے۔ کاشت کار زمین میں ہل چلاتا ہے بیج
ڈالتا ہے، بیج ڈالا، اگر چیونٹی اس کے اوپر مسلط ہوگئی، چیونٹیوں نے کھا کھا کر
اس کو ختم کردیا، کیسے اُگے گا وہ، کیا کرسکتا ہے۔ چڑیاں اس کے اوپر مسلط کردیں
ادھر بیج ڈالا، چڑیاں آکر سب کھاگئیں وہ کیسے اُگے گا، اور زور سے بارش آگئی،
سیلابی شکل میں، جتنا بیج ڈالا تھا سب کا سب بہہ گیا کچھ بھی نہیں رہا زمین میں، اور اگر
بیج رہا بھی بارش نہیں ہوئی۔ پانی نہیں ہے، نہیں اُگا۔ اُگا پانی دیا گیا بارش ہوئی
کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس میں دانہ بھی پیدا ہو۔ ایک ہوا گرم ایسی چلی جسکی
وجہ سے سب بھسم ہوگیا وہ اس کے اوپر دانہ پیدا ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رہی
دانہ بھی پیدا ہوگیا، اسے کاٹ بھی لیا گاہ بھی لیا اور غلّہ کا ڈھیر ہوگیا۔ آسمان سے
ایک بجلی آئی، گری، سارے غلّہ کو جلا دیا۔ بادشاہ اور حکومت کیسے روک سکتی ہے
اس کو۔ ابھی پچھلے شعبان کے مہینہ میں ہتھورہ جانا ہوا ضلع باندہ، وہاں معلوم ہوا
کہ غلہ میں آگ لگ گئی۔ جتنی محنت کی تھی غلہ پر سارا غلہ جل گیا۔ سارے سال کا منصوبہ
تھا کہ اس کے ذریعہ سے قرضہ ادا کریں گے۔ مکانات تعمیر کریں گے، شادیاں کرینگے
لڑکیوں کے لئے جہیز کا انتظام کریں گے اور کیا کیا انتظامات تھے سب ختم ہوگئے۔
تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ آپ کہئے کہ میں پناہ چاہتا ہوں
رب الناس کی۔ یعنی انسان اگر اپنی عقل وفہم کے اعتبار سے بالکل بچپن کے زمانہ میں ہے

بچوں جیسا ہے رب الناس۔ اللہ تعالیٰ رب ہے سب کا، سب کا رب وہ ہے، سب کا پالنے والا وہ ہے سب کا انتظام کرنے والا وہ ہے، اس کی پناہ مانگئے۔ یہاں ناس سے مراد وہ انسان جو اپنی عقل وفہم کے اعتبار سے ایسے جیسے چھوٹے بچے۔ ملک الناس تمام انسانوں کا بادشاہ ایسا نہیں کہ خالی ماں ہے جیسی وہ پالنے والی تھی۔ اب بچہ جوان ہوگیا اب کچھ نہیں کرسکتی کچھ نہیں بگاڑ سکتی اس کا۔ بچہ کے دل میں خوف وخطر کچھ بھی نہیں رہا ماں کا۔ اب خوف وخطر کس کا ہے؟ حکومتِ وقت کا بادشاہ کا ہے فرمایا ملک الناس وہ بادشاہ بھی ہے یہاں ناس سے مراد وہ انسان ہے جو اپنی جوانی اور طاقت کے نشہ میں ایسا مست ہے کہ گھر کے کسی آدمی کو کچھ نہیں سمجھتا ہے ہاں اگر کچھ خوف خطر ہے تو بادشاہ سے ہے یہاں وہ مراد ہے ملک الناس میں الناس سے ۔ اس کے بعد کہتے ہیں الٰہ الناس۔ یہاں ناس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عقل پختہ ہوچکی ہے جو سب سے گذر کر مالک الملک کی طرف پہونچتے ہیں۔ الٰہ الناس۔ وہ معبود ہے۔ سب کی رگ اسکی قبضۂ قدرت میں ہے بغیر اس کے کچھ نہیں کوئی کرسکتا ہے مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ وسواس، خناس کیا چیز ہے؟ عرفا نے لکھا ہے ایک اژدھا کی شکل میں ہے۔ جو قلب کا احاطہ کئے پھنا اٹھائے بیٹھا ہے بار بار ڈستا رہتا ہے قلب کو۔ اور اس کا زہر انسان کے تمام جسم میں تمام اعضاء میں سرایت کرتا رہتا ہے اس زہر کی خاصیت ہے حق تعالیٰ کی نافرمانی۔ غفلت۔ یہ اس کی خاصیت ہے۔ اس کا زہر ابتداءً قلب میں آتا ہے اور قلب چونکہ بادشاہ ہے تمام جسم کا۔ تمام اعضاء تابع ہیں قلب کے۔ جیسا خون جیسا اثر قلب میں آتا ہے اس کے ذریعہ سے سب جگہ پر پھیلتا ہے وہ ڈستا ہے قلب کو، قلب کے اندر زہر پہونچا جسکی تاثیر ہے غفلت معصیت۔ وہاں سے سب جگہ پر قلب کی طرف سے تقسیم ہوتا ہے۔ ہر جگہ پر جاتا ہے۔ آنکھ کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے۔ کان کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے۔ ناک کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے

زبان کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے۔ پیٹ کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے ہاتھ، پیر ہر چیز کے اندر معصیت پیدا ہوتی ہے اسواسطے صوفیا نے تجویز کیا ذکر کرنا ضرب کے ساتھ۔ لا الٰہ الاّ اللہ کی جو ضرب لگاتے ہیں وہ اس کے پھنے پر لگاتے ہیں۔ جہاں پر وہ بیٹھا ہوا ہے قلب کو ڈستا ہے جس سے پھنا مضمحل ہو جائے اس کی۔ اس کا زہر کم ہو جائے ختم ہو جائے۔ پھر آگے بیکار سارہ جاتا ہے اسکے اندر طاقت نہیں رہتی ہے ڈسنے کی، حملہ کرنے کی۔ الذی یوسوس فی صدور الناس ۝ یہاں ناس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے شیطان وہ مراد ہیں اس سے من الجنۃ والناس اور یہ وسوسے ڈالنے والے جنات میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسان میں سے بھی ہوتے ہیں۔ یہاں ناس سے مراد وہ آدمی جو دوسرے کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ کہتے ہیں مثل مشہور ہے: آدمی کا شیطان آدمی ہے: کسی بزرگ نے دیکھا کہ جنگل میں پڑا ہوا کوئی سو رہا ہے ان کے پاؤں کی آہٹ سے بیدار ہوا۔ سر اوپر اٹھایا۔ پوچھا کہ بھئی تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں شیطان ہوں۔ اس نے کہا اچھا تجھے بھی فرصت مل جائے سونے کی۔ تیرے سپرد تو بہت کام ہے لوگوں کو بہکانا۔ وسوسہ ڈالنا اس نے کہا کہ ہاں اب میرے قائم مقام انسان بہت سارے ہو گئے ہیں۔ میرے پاس کام زیادہ نہیں رہا ہلکا ہو گیا مجھے موقع ملجاتا ہے سونے کا۔ تو شیطان کا کام انسان کرتا ہے۔ ؎

کیوں ہنسی مجھ کو نہ آئے حضرت انسان پر
فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

اس واسطے شیطان تو شیطان ہے لیکن اگر انسان شیطانیت پر آجاوے۔ تو شیطان کو بھی زیر کر دے۔ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود شیطنت پر آجاوے تو شیطان اس سے بھی پناہ مانگتا ہے۔ کسی جگہ پر لڑکے کھیل رہے تھے شیطان پہونچ گیا وہاں، گدھے کی صورت بنا کر پہنچا۔ لڑکوں نے کھیل ختم کر اُسے

پکڑ لیا۔ گلے میں رسّی باندھی اور کئی چڑھنے لگے اور اس پر سوار ہو گئے۔ ایک رہ گیا دور رہ گئے وہ کیا کریں ؟ وہ ڈنڈا تھا انہوں نے ڈنڈا اس کے گھوپ دیا اور اس پر سوار ہو گئے تو وہاں سے بھاگا وہ۔ یہ تو ہوئی مصیبت۔ انسان کا حال یہی ہے اسی وجہ سے انسان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے تمام عالم میں جتنی چیزیں پیدا کی گئی ہیں ان سب کے نمونے انسان میں موجود ہیں لوح بھی ہے یہ قلم بھی ہے اور خدا جانے کیا کیا ہے ؟ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تفسیر فتح العزیز میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کیا کیا چیزیں ہیں انسان کے اندر جیسے۔ غرض یہ کہ جب ناس اتنی جگہ آیا، پانچ جگہ پر آیا ایک چھوٹی سی سورۃ میں، اور ہر ناس کا مصداق الگ الگ تو کوئی تکرار نہیں رہا۔ تکرار تو جب ہوتا جب کہ ایک ہی چیز ہوتی اسی کو بار بار کہتے اور پھر یہ کیا ضروری ہے کہ تکرار ہو، تو تکرار مخلِ فصاحت بھی ہو غلط ہے، عربی میں فارسی میں اردو میں ہر زبان میں بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء کے کلام میں تکرار ہے ایک حرف مکرّر آتا ہے ایک لفظ مکرّر آتا ہے اور جتنا مکرّر آیا اسی قدر اس کے اندر فصاحت کی تعریف بڑھتی چلی گئی۔

تیرے دندان و لب نے کر دیا بے قدر عالم میں
گوہر کو لعل کو یاقوت کو ہیرے کو مرجان کو

یہ "کو" اتنی جگہ آیا۔ گوہر کو، لعل کو، یاقوت کو، ہیرے کو، مرجاں کو، کوئی نہیں کہے گا۔ کہ یہ خلاف فصاحت ہے۔ اس کے اندر جان پیدا ہو گئی۔ جو لوگ فصاحت و بلاغت کے اصول سے واقف نہیں ہیں وہ اس قسم کے اعتراضات کیا کرتے ہیں کہ ایک لفظ مکرر آ گیا اس لئے جواب کی ضرورت نہیں اسکی۔ اگر کوئی سمجھدار آدمی اشکال کرے سب چیزوں سے قطع نظر کرتے ہوئے وہ کہیگا کہ مجھے تو جواب چاہیئے۔ مجھے تو جواب چاہیئے۔ ہاں نہیں کا جواب چاہیئے مجھے تو دوسری بات ہے۔ اس کو جواب دے دیا جائے۔

ان دو سورتوں کی خاصیت اب بھی ہے۔ قل اعوذ برب الفلق۔ اور قل اعوذ برب الناس کی کہ صبح و شام ان کو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر دم کرلیا جائے تو انشاء اللہ جادو سے حفاظت رہے گی۔ شیطان سے حفاظت رہے گی. جنات سے حفاظت رہے گی

مستورات اپنے بچوں پر پڑھ کر دم کر دیا کریں۔ ہر آدمی خود پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیا کرے بہت ہی مفید چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر میں تھے۔ فجر کی نماز پڑھائی قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھی حضورؐ نے فرمایا دیکھا دیکھا تم نے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص شان تھی جس کے متعلق فرمایا کہ دیکھا حالاں کہ فجر کی نماز میں طوال مفصل، لمبی قرات پڑھی جائے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے طویل قرات کی ایک مرتبہ. جب سلام پھیرا. کسی نے کہا اگر سورج نکل آتا۔ انہوں نے جواب دیا لوطلعت لم تجدنا غافلین اگر سورج نکل آتا تو ہمیں غافل نہیں پاتا. قیامت میں گواہی دیتا کہ میں نے جب طلوع کیا تو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے تھے یہ جواب دیا انہوں نے۔ سورۂ یوسف کثرت سے پڑھنا ثابت ہے سورۂ بقرہ پڑھنا ثابت فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سورتیں پڑھیں۔ قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس بہت چھوٹی چھوٹی اور پھر تعریف فرمائی کہ دیکھا؟ اب کیا چیز تھی؟ اس کو تو وہی سمجھیں لیکن بظاہر تو یہ ہے کہ ان دو مختصر سورتوں کے ذریعے سے اتنی بڑی سورتوں کا کام ہو گیا اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ یہ نہیں کہ ان کے پڑھنے سے اجر میں کچھ کمی رہی ہو۔ اجر و ثواب اتنا ہی ہے۔

****

قصّہ حضرت سیّدنا موسیٰ

علیہ السلام

نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○

وما تلك بيمينك يموسىٰ قال هي عصاي اتوكؤ عليها واهش بها على غنمي ولي فيها مارب اخرىٰ قال القها الخ.

اللہ جل جلالہٗ وعمّ نوالہٗ نے حضرت موسیٰ کو کلیم فرمایا۔ وحی بھیجی کہ تم جاؤ فرعون
کے پاس اذھب الی فرعون انہ طغیٰ فرعون کے پاس جاؤ اس نے طغیانی
پھیلا رکھی ہے۔ طغیانی تو اسکی ایسی تھی کہ اللہ کی پناہ۔ دعویٰ کرتا تھا انا ربکم الاعلیٰ
وہ اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا اور وہ بھی ربِ اعلیٰ کا۔ اگر کوئی ہے بھی رب تو
اس سے ادنی ایسی سرکشی پھیلا رکھی تھی اس سے موسیٰؑ کا قصہ یہ کہ ایک زمانے میں
انہوں نے دیکھا کہ دو آدمیوں کی لڑائی ہو رہی ہے ایک ان میں سے کمزور ہے
وہ فریاد کر رہا ہے کہ مجھے بچائیے۔ دوسرا قوی ہے وہ اس کو مار رہا ہے۔
موسیٰ علیہ السلام پہونچے اور ایک گھونسہ مارا اس دوسرے شخص کو جو قوی اور
ظالم تھا اس کی جان نکل گئی۔ موسیٰ علیہ السلام بڑے قوی تھے۔ بڑا چرس
بڑا ڈول خود تنہا کھینچتے تھے جب پانی نکالنے کا وقت آتا کنویں سے بیمار بھی
نہیں ہوتے تھے۔ مضبوط رہتے تھے۔ اور قبطی کے ایک گھونسہ مارا تو اسکی جان

نکل گئی ۔ تو جب اسکی جان نکل گئی تو مقدمہ قائم ہوا فرعون کی طرف سے وارنٹ جاری ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام چپکے سے چلدیئے ۔ جب دوسرے ملک میں دوسری حکومت میں آدمی چلا جاتا ہے تو جہاں سے اس کا وارنٹ نکلا تھا اس کو وہاں سے گرفتار کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ بس دوسری جگہ پر چلے گئے۔ دیر تک وہاں رہے اللہ نے کہا حضرت شعیبؑ کے پاس پہونچے اور وہاں دس سال تک اجارہ کا معاملہ رہا۔ بکریاں چرانے کا۔ پھر شادی ہوئی۔ بیوی کو لئے جا رہے تھے حاملہ تھیں بیوی ۔ ولادت کا وقت قریب آ گیا۔ بڑے پریشان کہ کچھ ہے بھی نہیں۔ سردی کا زمانہ، تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ سامنے کو دیکھا تو پہاڑی پر ایک آگ روشن نظر آئی ۔ دستور تھا کہ پہاڑی پر ایک آگ جلا دیا کرتے تھے۔ کوئی مسافر ادھر اُدھر سے مارا مارا پھر رہا ہو تو یہاں آجائے۔ وہاں اس کے لئے کچھ کھانے پینے کا بھی انتظام رہتا اور رہنے سونے کی بھی جگہ ہوتی تھی اس ضابطہ کے ماتحت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھا کہ ویسی ہی کوئی آگ ہے ۔ گھر والوں سے کہا آگ لے آئیں انی اٰنست نارا لعلی اٰتیکم منھا بقبس او اجد علی النار ھدی میں نے ایک آگ کا احساس کیا ہے میں وہاں جا رہا ہوں تم یہیں ٹھیرے رہو ممکن ہے وہاں سے آگ لے آؤں ممکن ہے کہ کوئی راستہ بتانیوالا بھی وہاں ہو۔ گئے وہاں پر پہونچے پہاڑی پر۔ دیکھا کہ ہاں آگ تو ہے وہاں لکڑی کا ایک حصہ لیا اب اس کے اوپر آگ لگا رہے ہیں سلگا رہے ہیں سلگاتے ہیں اور سلگانے کے جب قریب جاتے ہیں تو ڈر بھی لگتا ہے اس آگ سے پھر معلوم ہوا کہ او ہو آگ نہیں تھی یہ تو تجلی تھی اب آواز آتی ہے بالواد المقدس طوی وانا اخترتک فاستمع لما یوحیٰ ہ فاخلع نعلیک اے موسیٰ جوتے نکالدو۔ تم تو پاکیزہ جگہ میں ہو۔ تمہارے پاس وحی آرہی ہے اس کو سنو۔ وحی کہاں سے آرہی ہے ؟ کون بھیج رہا ہے

وحی اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے اور کون بھیجا کرتا ہے ؟ نہیں تو کبھی کوئی اور بھی بھیج دے ایک مرتبہ ایک قادیانی سے گفتگو ہوئی۔ قادیانی نے کہا کہ مرزا غلام احمد نبی تھے میں نے پوچھا کہ کیا دلیل ؟ کہا کہ ان کے پاس وحی آتی تھی ۔ میں نے یہ نہیں پوچھا کہ کس کے پاس سے آتی تھی۔ میں نے مان لیا کہ وحی آتی تھی تو جس کے پاس وحی آتی ہے وہ نبی ہوتا ہے ؟ کہا کہ جی ہاں وہ نبی ہوتا ہے ۔ وحی تو نبی کے پاس آتی ہے کسی اور کے پاس نہیں آتی ہے۔ میں نے کہا کہ بتاؤ کبھی کوئی عورت بھی نبی ہوئی ؟ عورت تو کوئی نبی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا قرآن شریف میں ہے واوحینا الیٰ ام موسیٰ موسیٰ کی ماں کے پاس وحی آئی۔ عورت تو نبی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تو غیر نبی کو بھی وحی آرہی ہے وحی کے لئے نبی ہونا تو کیا ضروری ہوتا مرد ہونا بھی ضروری نہیں۔ عورت کے پاس بھی آئی وحی۔ بلکہ انسان ہونا بھی ضروری نہیں واوحیٰ ربک الی النحل ان اتخذی تیرے رب نے وحی بھیجی نحل کے پاس۔ نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں کیا وہ بھی نبی ہے اور پھر جانور ہونا بھی ضروری نہیں۔ کبھی بے جان کے پاس بھی وحی آتی ہے اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا وقال الانسان مالھا یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک اوحیٰ لھا زمین کے پاس وحی آتی ہے کیا وہ بھی نبی ہے ؟ اور یہ ساری بحث اس وقت ہے کہ جب کہ یہ مانا جائے کہ اللہ کیطرف سے وحی ہے اس نے کہا کہ کیا غیر اللہ کی طرف سے بھی وحی آتی ہے، میں نے کہا ہاں ہاں قرآن شریف میں ہے وان الشیاطین لیوحون الیٰ اولیائھم شیاطین اپنے دوستوں کے پاس وحی لاتے ہیں ۔ قرآن شریف میں ہے ۔ چونکہ مسئلہ نبوت کا ہے اعتقادیات میں سے ہے اسکے لئے دلیل بھی قطعیات میں سے ہونی چاہیئے۔ قرآن پاک سے ہونی چاہیئے اس لئے ساری چیزیں قرآن ہی سے پیش کر رہا ہوں۔ خیر تو موسیٰ علیہ السلام کے

پاس وحی آئی سنو! تم کو کہا جارہا ہے ؟ ایک کتاب اعلیٰ حضرت کی ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کو جانتے ہو ؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب ہیں بریلوی۔ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ آئے۔ تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام جانتے بھی ہو وحی کہاں سے آتی ہے، کون بھیجتا ہے ؟ کہا کہ نہ۔ پردہ ہے پردہ کے پیچھے سے آتی ہے۔ فرمایا کہ اچھا ذرا سا جھانک کر دیکھنا کہ پردہ کے پیچھے کون ہے؟ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اسی انتظار میں رہے جب پردہ کے پیچھے سے وحی آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے حضورؐ کو یہ پیغام پہونچاؤ۔ انہوں نے جھانک کر دیکھ لیا۔ اجازت نہیں لی اللہ میاں سے اور اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھانک کر دیکھا تو وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہیں وحی خود وحی بھیج رہے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی اور ان کو نبی بنایا گیا جب نبی بنایا گیا تو وہیں سے حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوگیا۔ وحی آگئی اور ثبوت کے واسطے تین معجزے دیئے گئے ۱۔ عصا ۲۔ ید بیضاء۔ تیسری کیا چیز تھی (حضرت پوچھ رہے ہیں کسی کو یاد نہیں آرہا ہے) وہیں سے چلدیئے۔ یعنی آگ لیکر واپس بیوی کے پاس نہیں آئے۔ آکر ان کو خبر نہیں کی کہ کیا قصہ پیش آگیا۔ یہ انتظار میں بیٹھی ہیں کہ آگ لینے کیلئے گئے ہیں آگ لیکر آویں گے سینکنے کے واسطے۔ البتہ دشواری یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں تھی لکنت۔ صاف لفظ نہیں بولا جاتا موہنہ سے اور لکنت کیوں تھی ؟ اس واسطے کہ بنی نے بنو اسرائیل کے قوم کی گود میں۔ بچپن میں تابوت میں رکھ کر ڈالدیا تھا چونکہ فرعون کیطرف سے قتل کرنے کا حکم تھا کہ جو بچہ پیدا ہو اسے قتل کردو۔ جب موسیٰؑ پیدا ہوئے تو ماں گھبرائی کہ خبر ہوجائے گی۔ قتل کا حکم ہو جاوے گا۔ وہاں سے حکم ہوا

فالقیہ فی الیم ولا تخافی جب تم کو ڈر ہو اس بات کا کہ بُری قوم کو خبر ہو گئی تو اس بچہ کو تابوت میں رکھ کر سمندر میں ڈالدینا۔ اچھی بات۔ سمندر میں ڈالدیا اور موسیٰ کی بہن کو بھیجا کہ تو ذرا دیکھ تابوت کدھر کو جارہا ہے۔ بہن کنارے کنارے جارہی سمندر کے تابوت اندر کو جارہا ہے جس میں موسیٰ بیٹھا ہوا ہے۔ لیٹا ہوا ہے اسی سمندر میں سے ایک نالی پانی کی جاتی تھی فرعون کے باغ میں کو مکان میں کو وہ تابوت بھی اس نالی میں کو ہولیا اب اور زیادہ ڈر کی بات ہو گئی کہ جس سے بچانے کے واسطے تابوت میں رکھ کر سمندر میں ڈالا یہ اسی طرف نکل گیا۔ فرعون کے آدمیوں نے دیکھا کہ ایک تابوت ہوا آرہا ہے وہ لوگ اس کو پکڑ لائے اور لے گئے فرعون کے پاس مکان میں کھولا تھا بچہ تھا۔ ادھر تو تمام بچوں سے فرعون کو ضد تھی کسی کاہن نے بتادیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری سلطنت کا تختہ الٹ دیگا۔ اس نے کہا کہ اچھا میں بچہ کو زندہ ہی نہیں رہنے دوں گا۔ نس بندی تو اس وقت تک تھی ہی نہیں کہ نسبندی کا حکم کر دیتا۔ البتہ بچوں کے قتل کرنے کا حکم کردیا تھا اس نے کہ جو لڑکا پیدا ہوگا تو اسے قتل کر دیا جائیگا جو لڑکی پیدا ہوگی اسے تو زندہ رکھنا ہے ایسی حالت میں موسیٰ پیدا ہوئے۔ جب وہ تابوت پہونچ گیا فرعون کے گھر میں۔ فرعون نے دیکھا قرت عینی عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہ ولدا وھم لا یشعرون۔ اسے تو ہم بیٹا بنالیں گے یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے فرعون کے اولاد نہیں تھی۔ فرعون عنین تھا نامرد چاہے انا ربکم الاعلیٰ کا دعوی کرتا ہو۔ لیکن ایک عورت کے قابل نہیں تھا۔ اولاد نہیں۔ جب وہ بچہ خوبصورت سا نظر پڑا۔ دل کے جذبات بھی تو اللہ کے قبضے میں ہوتے ہیں۔۔ بجائے غصہ کے بجائے قتل کے ارادہ کے بیٹا بنانے کو تجویز کرلیا۔ اچھی بات۔ اب بچہ کو دودھ پلانے کے واسطے خدا جانے کتنی ہوں گی جنکے بچے قتل کئے گئے دودھ والی عورت کے

جس عورت کو بلا کر بچہ دیتے ہیں بچہ دودھ ہی نہ لے مونہہ میں۔ اسکی پستان کو مونہہ میں پکڑتا ہی نہیں۔ روتا ہے۔ موسیٰ کی بہن کا فرعون کے گھر آنا جانا تھا اس نے کہا ھل ادلکم علےٰ اھل بیت یکفلونه وھم لہٗ ناصحوُن۔ میں تمہیں ایک پتہ بتاؤں ایسے گھرانے کا جو اس کیلئے خیر خواہ ہیں تو انہوں نے لہٗ کی ضمیر فرعون کیطرف راجع کر دی کہ فرعون کے خیر خواہ ہیں۔ فرعون کے تو سارے ہی خیر خواہ تھے چنانچہ فرعون کے حکم سے موسیٰ کی والدہ کو بلایا گیا۔ اللہ نے وعدہ کیا تھا انا رادّوہ الیک گھر والوں سے کہا اس بچہ کو ڈالدے تو میرے حکم سے ہم اس بچہ کو تمہاری طرف واپس کریں گے وہ وعدہ بھی اللہ میاں کو پورا کرنا تھا تو جناب فرعون کے گھر میں موسیٰ کی والدہ گئیں ان سے کہا گیا کہ بچہ کو دودھ پلاؤ۔ انہوں نے بڑی بے غرضی کے ساتھ جواب دیا بے توجہی سے بات کی۔ یہ نہیں کہ بے تاب ہو جائیں بچہ کو دیکھ کر۔ ارے یہ میرا بچہ ہے یہ نہیں کہا ہاں ہاں پلا دوں گی باتی یہاں نہیں پلانے کی اپنے گھر پر رہوں گی۔ کہا ہاں بچہ کو گھر لیجانے کی اجازت ہے۔ انہوں نے کہا اور مفت نہیں پلانے کی اتنے روپیہ لوں گی چنانچہ اب جناب تنخواہ بھی مقرر ہوگئی بچہ کو گھر لیجا کر اپنے پاس رکھا ولا تخافی ولا تحزنی خوف نکرے گھبرائے مت تیرے بچے کا انتظام ہم کر دینگے تو بار بار فرعون کو خیال ہوتا تھا کہ یہ بچہ تو وہی معلوم ہوتا ہے یہی میری سلطنت کا تختہ الٹے گا۔ کبھی جوش میں آکر گود میں بھی لیتا تھا بچہ کو

******

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امّا بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

فلا وربک لا یؤمنون حتّٰی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما
قضیت ویسلموا تسلیما ۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں
دو شخصوں کے درمیان کچھ نزاع پیدا ہوا۔ نزع کی صورت یہ تھی کہ ایک باغ میں پانی دیتا تھا ایک میں کیا دو میں دیتا تھا۔ ایک باغ ایک شخص کا تھا دوسرا باغ دوسرے شخص کا تھا۔ نزع اس بات میں تھا کہ پہلے پانی کون شخص دے؟ موقع ایسا تھا کہ ایک کے متصل تھا پانی۔ ایک کے باغ کے قریب تھا دوسرے کے باغ سے ذرا فاصلہ پر تھا تو اس نزاع کا فیصلہ کرانے کے واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں تو بھئی سب سے بڑی کچہری وہی تھی عدالت وہی تھی جو بھی قصہ پیش آیا تو جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نزع پیش کیا گیا۔ ان نزع کرنے والوں میں ایک تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی جنکا نام حضرت زبیرؓ ہے۔ زبیر بن العوامؓ یہ پھوپی زاد بھائی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ان کا باغ اس پانی کے متصل اور قریب تھا یہ چاہتے تھے کہ پانی پہلے میں اپنے باغ میں دیدوں۔ اس کے بعد میرا ساتھی اپنے باغ میں لے لے۔ ساتھی انکا

یہ لآ جو قسم کے لئے آتا ہے۔ جیسے لا اقسم بھٰذا البلد۔ لا اقسم بیوم القیٰمۃ مفسرین تو کہتے ہیں کہ لآ زائد ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ایک چیز مقدر ہے محذوف ہے لآ اسپر داخل ہو رہا ہے۔ اس طرح بات نہیں ہے۔ جیسے آپ نے سمجھ رکھی ہے فوربک قسم ہے تیرے رب کی، یہ ہے۔ اردو میں بھی آپ اسطرح سے بولتے ہیں جسطرح آپ نے سمجھ رکھی ہے اس طرح نہیں۔ بات اس طرح ہے۔ جن لوگوں نے سمجھ رکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہم مومن ہو گئے وہ بات اس طرح نہیں۔ بلکہ ان کے مومن ہونے کے واسطے کیا سورتا ہے، یہ ہے۔ فلا وربک وہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکے مومن نہیں کہلائے جا سکتے حتی یحکموک یہانتک کہ آپ کو حکم بنا دیں اپنے معاملہ اور مقدمہ میں فیصلہ کرنے کے لئے آپ کو حکم بنا دیں فیما شجر بینھم جو چیز ان میں آپس کی اختلاف کی ہے اس اختلاف کے واسطے فیصلہ کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنا دیں۔ ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت پھر اپنے اندر کے جی کے اندر بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ پورے شرح صدر کے ساتھ آپ کے فیصلہ کو قبول کر لیں دل کے اندر کوئی تنگی محسوس نہ کریں چہ جائے کہ زبان سے آئے۔ چہ جائے کہ حال بیں ہو؟ اور یہ سلموا تسلیما پورے طور پر آپ کے فیصلے کو تسلیم کر لیں۔ تو مومن ہونے کی علامت یہ بتائی ہے قرآن کریم نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو پورے طور سے تسلیم کرلے، جی کے اندر بھی کوئی دغدغہ باقی نہ رہے تردد نہ رہے، خرخشہ نہ ہو۔ بلکہ حضور نے جو کچھ فرمایا وہ پورا پورا تسلیم ہے۔ بس یہی ہے۔ ایمان کہتے اسی چیز کو ہیں۔ ایمان کسے کہتے ہیں؟ ایمان کے معنی مان لینا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کو دل سے قبول کر لینا۔ دل کے اندر کوئی تردد و کھوٹ حضور کے فرمان پر

عکس چاہتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقعہ کو ملاحظہ فرما کر یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلے زبیرؓ دیدے تھوڑا تھوڑا پانی۔ تاکہ اس کے درختوں کی جڑیں کچھ نم ہو جائیں سوکھ نہ جائیں۔ اور پھر ان کا ساتھی پانی اپنے باغ میں لیلے، پورا پورا پانی لے سکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد جب وہ پانی دے چکے تو جتنی کسر رہ گئی تھی زبیرؓ کے باغ میں وہ کسر پھر بعد میں پوری کرلیں۔ محدثینؒ کا کمال یہ ہے کہ اس دوسرے شخص کا نام نہیں لکھتے کہ جب آدمی تھا کون؟ کیوں نہیں لکھتے، اس واسطے نہیں لکھتے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقعہ کو ملاحظہ فرما کر یہ بتلایا کہ پہلے زبیرؓ تھوڑا تھوڑا پانی لے لیں۔ زیادہ ضرورت انکی پوری ہو جائیں۔ جڑیں بھیگ جائیں اور پھر اس کے بعد جو پانی زیادہ دینا ہو تو وہ اپنے ساتھی کے باغ میں پانی دینے کے بعد دیدیں۔ یہ گویا کہ مصالحت کی صورت تھی۔ اس شخص نے اس فیصلہ کو سنکر یہ کہا کہ جی ہاں آپ تو کہیں گے ہی زبیرؓ کو کہ وہ پہلے پانی دیدے پھوپی زاد بھائی ہے نا وہ آپ کے تو۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو ذاتی محبت اور تعلق پر محمول کیا کہ انصاف نہیں کیا بلکہ لحاظ کیا ہے پھوپی زاد بھائی کا۔ اس لحاظ میں آپ نے فیصلہ کیا ہے۔ چونکہ جواب اس شخص نے ایسا سخت دیا تھا۔ اسوجہ سے محدثینؒ اسکا نام ہی نہیں لکھتے کہ کون تھا وہ؟ کوئی کہتا ہے کہ یہودی تھا کوئی کہتا ہے کہ منافق تھا۔ کون تھا؟ جو بھی تھا اللہ خطا کو معاف کرے۔ اس کا نام بتادیں گے تو ہمیشہ ہمیش کے لئے آپ حضرات کے ذہن میں اسکی برائی بیٹھ جائے گی کہ دیکھو حضور کے فیصلے پر اس نے یوں کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ایسا ہے؟ پھوپی زاد بھائی کی میں نے رعایت کی ہے؟ میں نے حق کا فیصلہ نہیں کیا ہے تو کوئی اور بھی حق کا فیصلہ کرنے والا ہے میں حق کا فیصلہ نہیں کرونگا قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی۔ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك

باقی نہ رہے، طے کر لینا، فیصلہ کر لینا۔ کہ جو کچھ بھی حضورؐ نے فرمایا ہے وہ حق ہے میں اسی کو مانوں گا اسی پر عمل کروں گا۔ جب ایمان کے معنی ہی یہ ہیں تو ظاہر بات ہے کہ حضور کے فیصلہ سے جو شخص رُوگردانی کرے، آپ کے فیصلے کو دل سے قبول نہ کرے، تردد رہے اس کو، اور سوءِ ظن رکھے تو لایومنون میں تو داخل ہو ہی جائے گا وہ مؤمن کہاں ہے بس یہ ایک ایسی کسوٹی بیان کر دی گئی قرآن کریم ہے کہ ہر ایک کے فتوی سے بے نیاز ہو کر کہ کس نے کس کو فتوی دیا کفر کا کس نے دیا ایمان کا ان چیزوں سے ہٹتے ہوئے ہر شخص تنہائی میں بیٹھ کر غور کرے کہ جو احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں وہ احکام آیا میں تسلیم کر رہا ہوں؟ میرے دل میں تو کوئی تردد نہیں اس کے بارے میں۔ ہر ایک اس بارے میں غور کرے۔ رہا فتووں کا قصہ۔ تو ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں اس کا تذکرہ تھا اہل علم متعدد تھے۔ فلاں شخص نے فتویٰ دیا فلاں کے خلاف۔ فلاں شخص نے فتویٰ دیا فلاں کے کفر کا۔ تھوڑا وقت اس میں خرچ ہوا۔ حضرت گنگوہیؒ بولے کاہے میں آپ لوگ لگ رہے ہیں؟ قیامت میں جو بخشش ہو گی تمہارے فتووں سے پوچھ پوچھ کر نہیں ہو گی۔ جس کی بخشش کا فتویٰ دو اس کی بخشش ہو اور نہ فتویٰ دو تو نہ ہو۔ ایسا نہیں ہو گا۔ ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کو تم پکّا کافر کہتے ہو۔ خدا کی قسم کھلے جنت میں جائیں گے وہ۔ ایسی بخشش ہو گی۔ تم ان کو فتویٰ دیتے ہو کفر کا۔ پکّا کافر بتاتے ہو۔ حالانکہ وہ کھلے جنت میں جائیں گے۔ ہاں کبھی کبھی شریعت کے نظام کو سنبھالنے اور برقرار رکھنے کے لئے فتوی کی ضرورت پیش آتی ہے تو یہ نہ سمجھو کہ جس کے متعلق تم نے فتویٰ لکھ دیا بس وہ بالکل کافر ہو گیا۔ ایمان سے خارج ہی ہو گیا۔ بلکہ شریعت کے نظام کو برقرار رکھنے کیلئے ضرورت پیش آتی ہے فتویٰ دینے کی۔ فتویٰ نہ دیا جائے تو نظام سب گڑبڑ

ہو جائے گا۔ نہیں تو لوگ کیا کیا کہتے پھریں کفر کو ایمان بتانے لگیں تو ضرورت پیش آتی ہے اس کی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ یہ سلسلہ سہروردیہ کے امام تھے یہ معاصر ہیں حضرت شیخ ابن عربیؒ کے۔ ابن عربیؒ کے متعلق بہت سخت فتویٰ دیتے تھے کبھی زندیق کا۔ اور جس وقت ابن عربیؒ کا انتقال ہوا تو کہا کہ ولی کامل کا انتقال ہو گیا۔ قطب کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے کہا کہ ہائیں؟ ان کی زندگی میں تو آپ انہیں زندیق اور کافر کہتے رہے اور آج یہ کہہ رہے ہیں فرمایا کہ ہاں ایسی ہی بات ہے۔ وہ بہت اونچے آدمی تھے۔ باتیں تمہاری سمجھ میں اونچی کرتے تھے ان کے اوپر جذب کا اثر ہو گیا تھا۔ اول فول ان کی زبان سے نکلتی تھیں۔ تم لوگ انکی باتوں کو سمجھتے نہیں تھے ان کی ظاہری باتوں کو دیکھ کر تم ضرور کافر ہو جاؤ گے۔ اسواسطے تمہیں روکا تھا ان کے پاس جانے سے۔ کبھی فتویٰ دینے کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے۔ بہر حال یہاں تو فتویٰ کی بات نہیں ہے بات تو اتنی ہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو آپ کے فیصلہ کو جو نہ ملنے اس کا کیا حال ہے؟ بہت مشہور واقعہ ہے۔ ایک منافق اور یہودی ان دونوں کے درمیان کوئی نزاع تھا اس نزاع کا فیصلہ کرانے کیلئے منافق تو کہتا تھا کہ چلو فلاں شخص کے پاس فیصلہ کرانے کیلئے۔ اور یہودی کہتا تھا کہ نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کراؤں گا۔ وہ جانتا تھا اگرچہ وہ یہودی یہودی ہی تھا ایمان نہیں لایا تھا۔ مگر اس کے جی کے اندر یقینی طور پر یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں گے وہ صحیح کریں گے۔ اس لئے وہ حضورؐ کے پاس جانا چاہتے تھے۔ اور وہ دوسرے شخص کے پاس۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے فیصلہ کرایا۔ حضورؐ نے فیصلہ کر دیا۔ اس پر یہودی کو برحق قرار دیا۔ یہودی کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ پھر اس منافق نے کہا کہ یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہوا۔ چلو ابوبکرؓ کے

پاس چلیں ۔حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے ان سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اب آپ کے پاس آئے ہیں آپ فیصلہ کیجئے ۔انہوں نے فرمایا کہ جو حضورؐ نے فیصلہ کیا وہی صحیح ہے ٹھیک ہے ۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس لے کر آئے ۔حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا بات ہے کس طرح سے قصہ ہوا؟ اس منافق سے پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ حضورؐ نے فیصلہ فرمایا تھا پھر ابو بکرؓ کے پاس بھی گئے تھے کہا کہ ہاں صحیح ہے تو پھر اب کاہے کیلئے آئے ہو؟ آپ سے فیصلہ کرانے کیلئے آیا ہوں ۔ آپ صحیح فیصلہ کیجئے ۔ انہوں نے کہا ٹھہر جا ۔ میں آتا ہوں ابھی گھر میں سے ہو کر تلوار لیکر آئے کہ جو شخص حضورؐ کے فیصلے کو نہ مانے ابو بکرؓ کے فیصلے کو نہ مانے ۔اس کا تو فیصلہ یہ تلوار کرے گی ہے یہی بات ۔حق تو یہی ہے ۔اس واسطے اس شخص کا نام نہیں لیتے محدثینؒ کہ وہ آدمی تھا کون ؟کبھی آپ لوگ تلوار لے کر پہونچ جائیں اس کے پاس فیصلہ کرنے کیلئے کہ تو نے حضورؐ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا تھا ۔خیر میرے کہنے کا مقصود تو یہ ہے کہ ہر شخص تنہائی میں بیٹھ کر اس آیت کی روشنی میں اپنے ایمان کا جائزہ لے ۔کتنے احکام ایسے ہیں کہ محض اس نسبت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔خوشدلی کے ساتھ میں قبول کر لیتا ہوں اور کتنی چیزیں ایسی ہیں کہ جنکی وجہ سے دل میں تنگی محسوس ہوتی ہے یہ حکم نہ ہوکر یہ حکم ہوتا تو اچھا تھا ۔اس بات کو دیکھنا ہے ۔سخت ترین گرمی ہو کہیں ۔لو چلتی ہو، ٹھنڈا پانی بھی میسر نہ آتا ہو ۔ رمضان کا مہینہ ہو ۔روزہ رکھنے میں کچھ تنگی تو محسوس نہیں ہوتی ؟ جی میں خیال تو نہیں آتا کہ اس موسم میں روزہ نہ ہوتا تو اچھا تھا ۔اللہ تعالیٰ ٹھنڈے موسم میں کر لیتے تو اچھا تھا ۔ایسا تو نہیں ، زکوٰۃ و صدقات دینے کے واسطے بڑی رقم بنتی ہے زکوٰۃ کے لئے ۔ جی میں آتا ہے کہ اتنی بڑی رقم نہ ہوتی تو اچھا تھا ۔اسی طریقہ پر جو احکام تکلیفیہ انسان کے اوپر وارد ہیں ان پر غور کرے کہ آیا خوشدلی کے ساتھ

اس کو قبول کر رہا ہے۔ یا تنگی کے ساتھ میں ؟ اگر تنگی کے ساتھ قبول کرتا ہے تو
ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت جی کے اندر بھی کوئی
تنگی محسوس نہ ہو ایمان کی بات تو یہ ہے جب ایمان کی کسوٹی قرآن پاک میں بتادی
گئی۔ ہر شخص اپنے اپنے ایمان کو اس کے اوپر کس کے دیکھ لے ایمان کو ویسے ہی
نہ چھوڑ دے کہ باپ دادا کے وقت سے مسلمان چلے آرہے ہیں کلمہ پڑھا تھا
بچپن میں۔ بس ہم مسلمان ہیں ٹھیک ہے ہم بھی یوں نہیں کہتے کہ اسلام معتبر
نہیں۔ باقی ایک کسوٹی جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادی ہے قرآن کریم میں۔ اسکے
اوپر کس کر دیکھ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ؟ بچپن کی باتیں تو بچپن کی ہوتی ہیں
ناسمجھی کی ہوتی ہیں اور بسا اوقات بڑے ہوتے ہوتے اس میں تغیرات کافی پیدا ہوجاتے
ہیں۔ جنہوں نے بچپن میں نماز سیکھی تھی اور اس کے بعد پھر اس کا جائزہ نہیں لیا گیا۔
کسوٹی پر نہیں پرکھا کہ یہ نماز صحیح ہے یا نہیں ؟ جیسی سیکھی تھی اسی طرح سے پڑھتے
چلے آرہے تھے تو جو غلطی بچپن میں دماغ میں جم گئی، بیٹھ گئی، چڑھ گئی وہ ابھی تک
باقی رہتی ہے۔ تبلیغی سلسلے میں ایک جگہ جانا ہوا وہاں نماز سنی گئی۔ التحیات
سورۃ، دعائے قنوت۔ ایک شخص سے سنی اس نے کہا "نکفرک ولا نشکرک"
اس نے لا کا محل بدل دیا۔ اس طرح سے سنا "ولا نشکرک ونکفرک" اصل
الفاظ کا تو مطلب یہ ہے کہ اللہ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ کفر نہیں کرتے ہیں
اور اس نے لا کو داخل کر دیا شکر پر۔ اب مطلب اس کا یہ ہوا کہ اے اللہ ہم تیرا
شکر نہیں کرتے ہم تو کفر کریں گے۔ اب جب خدا کے سامنے آدمی ہاتھ باندھ کر
کھڑا ہو کر یہ کہے گا کہ اے اللہ ہم تیرا شکر نہیں کرتے کفر کرتے ہیں۔ آپ بتائیے
کیا حال ہوگا اس کا ؟ اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس طرح سے معنیٰ بگڑ گئے
تو وہ رویا افسوس کیا کہ بچپن سے ہم اسی طرح نماز پڑھ رہے ہیں اور خدا جانے

کتنی غلطیاں ہونگی۔ قرآن پاک کس کس طرح سے زبان پر چڑھا ہو گا ہوتا ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ رمضان شریف میں تراویح میں قرآن پاک سنایا جائے، آپس میں دَور کیا جائے، چرچہ کیا جائے، کوئی اس کو سنا رہا ہے کوئی اُس کو سنا رہا ہے کوئی دیکھ کر سن رہا ہے کوئی نماز میں سن رہا ہے یہ چرچہ عام ہونا چاہیئے غلطی ہو تو اس کو ٹوک دیا جائے بتا دیا جائے کہ یہ لفظ اس طرح ہے اس طرح نہیں۔ بہت غلطیاں ہوتی ہیں اس واسطے جو چیز بچپن میں سیکھی تھی جب کہ آدمی مکلّف بھی نہیں تھا احکام شرعیہ کا۔ اگر غلطی سیکھنے کے وقت ہی زبان پر آگئی تو وہی بڑھتی چلی جائے گی۔ اگر اس وقت استاد نے بتانے والے نے صحیح بتایا تھا لیکن بعد میں اس کے یاد کرنے میں غلطی ہو گئی تو وہ بڑھتی چلی جاتی ہے اس لئے اس کو صاف کرنے کی ضرورت ہے آپ بتائیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو اس کا احتمال نہیں تھا کہ آپ کی زبانِ مبارک پر قرآن شریف کا کوئی لفظ غلط آجائیگا۔ اس کا تو امکان نہیں تھا لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیلؑ کو رمضان میں قرآن سنایا کرتے تھے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جبرئیلؑ سناتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں دونوں کو ملا کر دَور کا استحباب علماء نے نکالا کہ دَور کیا جائے اس واسطے قرآن شریف کو بھی پڑھتے رہنا چاہیئے۔ اور حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ ہر چیز کو زنگ لگ جاتا ہے قلب کو بھی زنگ لگ جاتا ہے اس زنگ کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا۔ ما ...... اسکی صفائی کیسے ہوگی۔ آپ نے فرمایا لاالٰہ الّا اللہ کثرت سے پڑھا کرو، لاالٰہ الّا اللہ کثرت سے پڑھو گے تو جو قلب کے اوپر زنگ لگ گیا تو وہ زنگ آہستہ آہستہ رفع ہوتا جائیگا تو اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر غور کرنے کی ضرورت ہے

کہ آیا ہمارا ایمان اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے یا نہیں اور کوشش کی ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے ہی ایمان کو دیکھے دوسرے کی ایمان کی فکر نہ کرے ہمارے یہاں تو بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ اپنے ایمان کی فکر نہیں ہوتی۔ دوسرے کے ایمان کی فکر ہوتی ہے۔ طعنہ دیں گے تو دوسرے کو دیں گے فتویٰ دیں گے تو دوسرے کو دیں گے۔ خود اپنے حالات پر نظر کرنے کی ضرورت ہے ہر شخص اپنے خیالات پر نظر کرے۔ قیامت میں سوال جو ہوگا ہر شخص تن تنہا آکر حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا تو اس سے پوچھا جائے گا۔ اسوقت کوئی ایسا آس پاس بھی نہیں ہوگا کہ دیکھ لیا اور آنکھ کے اشارہ سے کچھ اس سے جواب معلوم کرلیا۔ تنہا حشر میں جواب دینا ہوگا اس لئے اپنے اپنے ایمان کے فکر کی ضرورت ہے اور یہی سب کو کرنا چاہیں۔ آج ۲۵ ویں شب ہے۔ کیا بعید ہے کہ آج ہی شب قدر ہو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ بہر حال مظنّہ ہے دعا ضرور کرنی چاہیئے۔

*****

دُعا

حضرت مُرشدی مدّظلہ

اَللّٰھُمَّ صلِ علیٰ سیّدنا محمدٍ و علیٰ اٰلِ محمدٍ و بارک وسلم، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا ۔ ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین

اے پاک پروردگار! ہمارے قلوب کو پاک و صاف بنادے۔ آمین یا اللہ دنیا کی قسم قسم کی خرابیاں ہمارے دل کے اندر بھری ہوئی ہیں اے اللہ تو ان سے پاک کردے ان کو نکالدے۔ آمین۔ الٰہ العالمین اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام پر پورا پورا یقین نصیب فرما۔ آمین۔ یا اللہ! ہر قسم کی تنگی سے بچاتے ہوئے شرح صدر کے ساتھ قبول کرنے کی توفیق نصیب فرمادیں۔ یا اللہ! ہم اپنے گناہوں کیوجہ سے اپنے اکابر کے بھی بدنامی کے باعث بن رہے ہیں۔ الٰہی۔ ہمارے حال کو درست فرمادے، آمین۔ ہمیں اخلاق فاضلہ نصیب فرمادے۔ آمین۔ اے پاک پروردگار! اعمال صالحہ نصیب فرمادے آمین۔ الٰہ العالمین آج دنیا وہ چیز نہیں دیکھتی جو قرآن میں ہے وہ ہمارے عمل کو دیکھتی ہے۔ ہمارا عمل نہایت خراب نہایت گندہ جس کیوجہ سے وہ قرآن سے بھی بدظن ہو رہی ہے۔ اور ایمانیات سے بھی بدظن ہو رہی ہے۔ اے الٰہ العالمین! ہماری اصلاح فرمادے، آمین یا اللہ ان مبارک راتوں سے ہمیں محروم نہ فرما۔ آمین۔ اے خدائے پاک

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لاج رکھتے ہوئے ہمارے سارے گناہوں کو معاف فرما، آمین
یا اللہ! ہمارے قلوب میں ایمان کا نور عطا فرما آمین۔ یا اللہ ہم کو اعمال صالحہ اور اتباع سنت
کی توفیق عطا فرما آمین۔ یا اللہ ہماری زندگیوں کا ہر گوشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے
مبدل فرما دے آمین۔ یا اللہ ہر قسم کی بدعت سے حفاظت فرما آمین۔ یا اللہ ہر قسم کی
معصیت سے حفاظت فرما آمین۔ ظاہری گناہوں سے بھی حفاظت فرما۔ باطنی گناہوں سے
بھی حفاظت فرما۔ آمین، اے خدائے پاک حق شناسی کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ آمین۔
بڑوں کے حقوق پہچاننے، چھوٹوں کے حقوق پہچاننے اور ان کو ادا کرنے کی توفیق دے
یا اللہ! ہمارے مدارس کی حفاظت فرما۔ ہمارے اکابر کی حفاظت فرما آمین۔ ہمارے
نوجوانوں کی حفاظت فرما آمین۔ ہمارے عام مسلمان بھائیوں کی حفاظت فرما۔ آمین
ہماری مساجد کی حفاظت فرما۔ آمین۔ ہمارے مقابر کی حفاظت فرما۔ آمین۔ اے
خدائے پاک تیرے سوا ہمارا کوئی حفاظت کرنے والا نہیں۔ یا اللہ رحم فرما
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ واتباعہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

*****